آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں
امیر المومنین علیہ السلام کی حیات طیبہ کے تاریخی گوشوں پر مشتمل کتاب "نقش نگار" کا اردو ترجمہ

علی علیہ السلام کا راستہ

جلد ۱

تدوین وترتیب
حجۃ الاسلام محمد محمدیان

ترجمہ
حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی

جامعۃ النجف

آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں
امیر المومنین علیہ السلام کی حیات طیبہ کے تاریخی گوشوں پر مشتمل کتاب "نقش نگار" کا اردو ترجمہ

جلد اول

تدوین و ترتیب

حجۃ الاسلام محمد محمدیان

ترجمہ

حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی

سکردو بلتستان پاکستان

■ علی کا راستہ ۔ ۱

حضرت آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں امیرالمومنین علیہ السلام کی حیات طیبہ کے تاریخی گوشوں پر مشتمل کتاب ''نقش نگار'' کا اردو ترجمہ

- تدوین: حجۃ الاسلام محمد محمدیان
- ترجمہ: حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی
- نظر ثانی: حجۃ الاسلام شیخ سجاد حسین
- ناشر: جامعۃ النجف سکردو
- کمپوزنگ: خادم حسین سینوی
- طبع اول: جنوری ۲۰۱۰ء
- طبع دوم: نومبر ۲۰۱۰ء
- صفحات: ۳۰۴
- تعداد: ۳۰۰۰
- آئی ایس بی این: 978-969-9450-006
- مطبع: معراج دین پرنٹرز، لاہور۔
- فون: +92-5815-453387
- موبائل: +92-346-530-9955
- ای میل: jnajafskd@yahoo.com
- قیمت: مجلد ۳۰۰ روپے

■ رابطہ

- شعبہ نشریات، جامعۃ النجف، سکردو، بلتستان، پاکستان۔

■ عرض ناشر

آج سے تقریباً ایک ہزار تین سو چورانوے سال قبل مدینۃ الرسول میں ایک ایسی ہستی نے خلافت وحکومت کی زمام سنبھالی جو اپنی تمام خصوصیات و صفات اور کمالات میں رسول ﷺ کی تصویر نظر آتی تھی۔ اس ہستی کا اندازِ حکومت سو فیصد وہی تھا جو رسول ﷺ کا تھا۔ عہد رسول کے بعد قائم ہونے والی یہ حکومت حق اور قرآن کے عین مطابق تھی جیسا کہ خود رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

علی مع الحق والحق مع علی

اور فرمایا تھا: علی مع القرآن و القرآن مع علی

نیز فرمایا تھا: انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابداً

رسول ﷺ کی طرح اس حکومت کے حاکم اعلیٰ میں بھی حکمرانی کی وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے حاکم کے لیے عقل ونقل کی روشنی میں ضروری ہیں جیسا کہ خود رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

یا علی انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی

درحقیقت اللہ نے علی علیہ السلام کو اسی منصب کے لیے خلق فرمایا تھا۔ یاد رہے کہ اللہ نے نہ صرف علی علیہ السلام کو بلکہ آپ کے بعد آپ کے گیارہ معصوم جانشینوں کو بھی اسی منصب کے لیے خلق فرمایا تا کہ عالمِ انسانیت ان کی جامع و کامل قیادت کی بدولت دین و دنیا میں سرافراز ہو لیکن افسوس کہ رسول کریم ﷺ امت کے پاس جو دو امانتیں چھوڑ گئے تھے لوگوں نے ان دونوں سے

بے رخی اختیار کی۔ قرآن کی مظلومیت کے بارے میں اللہ کا واضح ارشاد ہے:

وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا [1]

ادھر اہل بیتؑ کی مہجوریت اور مظلومیت تو اظہر من الشمس ہے جس کے نتیجے میں غیبت صغریٰ پھر غیبت کبریٰ کا دور شروع ہوا۔

ادھر امام علیؑ کی شہادت کے قریباً ۱۳۶۰ سال بعد ایران میں امام خمینیؒ کی قیادت میں احیائے اسلام کی ایک پر زور تحریک چلی۔ اس تحریک کا ایک مقصد یہ تھا کہ عصرِ غیبت میں ایک ایسی نظریاتی حکومت قائم کی جائے جس کا سربراہ ایک مثالی اسلامی حکمران کی جملہ ممکنہ خصوصیات کا حامل ہو۔ ظاہر ہے ان خصوصیات میں علم، فقاہت، اجتہاد، عدل، تقویٰ، زمانے کے تقاضوں سے آگہی، شجاعت، سیاسی بصیرت، جذبۂ ایثار اور اخلاص وغیرہ سرفہرست ہیں۔ اللہ نے ایرانی مسلمانوں کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور انہیں ایک جامع الشرائط فقیہ کی زیر قیادت ایک نظریاتی حکومت قائم کرنے کی توفیق عطا کی۔ یہ نظامِ حکومت ''ولایتِ فقیہ'' کے نام سے معروف ہوا اور آیۃ اللہ العظمیٰ روح اللہ الموسوی الخمینیؒ نے ولی فقیہ کے طور پر اس نظام کی قیادت سنبھالی۔ نظریۂ ''ولایت فقیہ'' کی رو سے معصوم اماموں کی غیبت کے دور میں جامع الشرائط فقیہ اسلامی معاشرے کا حاکم ہوتا ہے۔

امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای علم و فقاہت، اجتہاد، سابقہ خدمات، تقویٰ، عدل، شجاعت، سیاسی بصیرت، انتظامی صلاحیتوں، لوگوں کے درمیان محبوبیت، طویل انتظامی تجربات اور قربانیوں کے پیش نظر منصبِ ولایت فقیہ کے لیے موزوں ترین فرد قرار پائے۔ معصومینؑ سے قطع نظر عالمِ اسلام میں اس قسم کے طرزِ حکومت اور اس طرح کے مثالی حکمرانوں کی نظیر ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔

زیرِ نظر کتاب امیرالمومنین علیؑ کی حیات طیبہ کے تاریخی گوشوں کے بارے میں ولی فقیہ حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کے فکر آفرین اور عشق علوی کے زمزم میں ڈھلے ہوئے بیانات کا مجموعہ ہے۔

---

[1] سورہ فرقان آیت نمبر ۳۰

یاد رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں رہبر معظم کے گرانقدر بیانات کو دانشمند محترم جناب محمد محمدیان نے تین مختلف کتابوں کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ پہلی کتاب (نقش نگار) امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تاریخی گوشوں پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب (جاودانہ تاریخ) امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کی مختلف جہات کو بیان کرتی ہے جبکہ تیسری کتاب امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر کتاب "نقش نگار" کا ترجمہ ہے۔

ظاہر ہے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت پر وہی شخص بہتر روشنی ڈال سکتا ہے جس نے اپنی زندگی علی شناسی نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن کریم اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے آشنائی حاصل کرنے میں گزاری ہو۔ علی علیہ السلام کی شخصیت کو وہی بہتر اجاگر کر سکتا ہے جس نے سیاست علوی اور علی علیہ السلام کے طرزِ حکمرانی کو نمونہ قرار دیتے ہوئے ایک عادلانہ اسلامی حکومت کی تصویر پیش کرنے کے لیے طویل جدوجہد کی ہو۔ علی علیہ السلام کی شخصیت کی بہترین ترجمانی وہی کر سکتا ہے جسے ایک عادلانہ اسلامی حکومت کی عملی تعبیر پیش کرنے کی جدوجہد میں انہی مشکلات و مسائل سے دوچار ہونا پڑا ہو جن سے خود علی علیہ السلام روبرو ہوئے تھے جبکہ اکثر سیرت نویس وہ ہیں جو زمینی حقائق سے کوسوں دور ایک خالص علمی، ذہنی، فکری بلکہ تخیلاتی دنیا میں بستے ہیں۔ انہیں ان سیاسی، معاشرتی، عسکری، اقتصادی، انتظامی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل و مشکلات کا عینی اور عملی تجربہ نہیں ہوتا جن سے امیر المومنین علیہ السلام اپنی مختلف حیثیتوں میں خصوصاً اسلامی معاشرے کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے روبرو ہوئے تھے۔

علی شناسی نہ صرف ایک اہم موضوع ہے بلکہ عالم انسانیت کی ایک اہم ترین ضرورت بھی ہے۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن زیر نظر کتاب اس لیے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں عہد حاضر کے علی شناس فرزندِ علی نے قرآنی اور زمینی حقائق کی روشنی میں علی علیہ السلام کا تعارف ایک زندہ حقیقت، ایک نظریاتی انسان، ایک سچے عاشق رسول، ایک مثالی حکمران، انسانیت کے لئے نمونۂ کامل ہستی، میزانِ حق، عدلِ قرآن، عدل پرور حاکم، انسان دوست قائد، شفیق و مہربان سردار، عوام دوست خلیفہ، فلاحِ بشریت کے ضامن رہبر، میدان جہاد کے ناقابل شکست مجاہد، مرقعِ عدل، محرابِ عبادت کی زینت، علم و حکمت کے لازوال الٰہی خزینے اور زمین پر خلافتِ الٰہیہ کے امین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ بنا بریں اس کتاب کا مطالعہ علی شناسی کی راہ میں فکر و نظر کا ایک نیا دریچہ ثابت ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے فوراً بعد دوسرے ایڈیشن کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کرنا پڑا کیونکہ متن، ترجمے اور طباعت کے اعلیٰ معیار کے باعث کتاب کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور اشاعت اول کے نسخے جلد ہی نایاب ہوگئے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی انقلاب کی اکتیسویں سالگرہ کی مناسبت سے ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران اور جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے اشتراک سے کتاب کی تقریب رونمائی کا اہتمام کیا گیا جس میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اہم ملکی و غیر ملکی شخصیات نے اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کو اجاگر کیا نیز اسے عہد حاضر کی مشکلات خاص کر شدت پسندی، عدم برداشت اور کرپشن سے نجات کا نسخہ کیمیا قرار دیا۔

ہم قارئین کو یہ مژدہ سناتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ہم امیرالمومنینؑ کے بارے میں آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ الوارف کے بیانات کے دوسرے حصے "جاودانہ تاریخ" کا ترجمہ بھی "علی کا راستہ" جلد دوم کے نام سے منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ "علی کا راستہ" جلد اول کی طباعت کے بعد مترجم نے اپنے ہاتھوں اس ترجمے کا نسخہ رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا جسے شرف قبولیت بخشنے کے ساتھ رہبر معظم نے مترجم کو "جاودانہ تاریخ" کا بھی ترجمہ کرنے کی ہدایت فرمائی جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

زیر نظر کتاب کو منظر عام پر لانے میں جن ارباب توفیق کی علمی، فکری اور ہنری مساعدت کارفرما رہی ہے ہم ان سب کے بے حد ممنون و مشکور ہیں۔

معزز قارئین سے بصد احترام امید کی جاتی ہے کہ وہ کتاب حاضر کے بارے میں ہمیں اپنی گرانقدر آراء سے نوازیں گے جو ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔

ادارہ

■ پیش لفظ

رات کی تاریکی میں کبھی ہم آسمان کا نظارہ کرتے ہیں تو ہماری نظر ماہتاب پر پڑتی ہے جو ستاروں کے مقابلے میں سینکڑوں گنا زیادہ ضوفشانی کر رہا ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہم سہمے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہیں جو اپنی مدھم روشنی کے ساتھ ٹمٹما رہے ہوتے ہیں ۔ستاروں کے مقابلے میں چاند کہیں بڑا نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں ستارے چاند کے دامن میں سمو سکتے ہیں۔لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اس دلفریب ظاہری منظر کے پیچھے مستور اصل حقیقت کچھ اور ہے۔

یہ ستارے جو ہمیں چھوٹے چھوٹے اور معمولی نظر آتے ہیں چاند سے لاکھوں گنا بڑے ہیں ۔اس پر مستزاد یہ کہ چاند کے پاس جو روشنی ہے وہ سورج سے ماخوذ ہے جبکہ ستارے خود روشن ہیں۔ ستارے کسی دوسرے جسم کے خوشہ چین یا طفیلی نہیں۔آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے کہ چھوٹا سا چاند ہمیں اتنا بڑا نظر آتا ہے جبکہ عظیم الجثہ ستارے اتنے ننھے منے دکھائی دیتے ہیں؟

جواب واضح ہے ۔نظروں کا یہ دھوکہ ''فاصلوں'' کا کرشمہ ہے۔ہم چاند کے قریب رہتے ہیں ۔اسی لیے اسے اس قدر عظیم ، پرشکوہ اور روشن دیکھتے ہیں ۔اس کے برخلاف چونکہ ستارے ہم سے بہت دور ہیں اس لیے وہ ہمیں اتنے چھوٹے اور ناچیز نظر آتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آنکھوں میں عظیم یا حقیر نظر آنے سے اشیاء کی حقیقت میں

تبدیلی نہیں آتی۔

کامل انسانوں اور اولیائے الٰہی کے بارے میں ہماری معرفت بھی فاصلوں کے قانون سے مستثنیٰ نہیں ۔ہمارے اور ان کے درمیان فاصلے جس قدر کم ہوں اسی تناسب سے ہم ان کی عظمت، درخشندگی اور حقیقت کا بہتر ادراک کر سکتے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارے اور ان کے درمیان فاصلوں کی خلیج جس قدر وسیع ہو گی اور یکسانیت کا دائرہ جس قدر محدود ہو گا اسی حساب سے وہ ہماری نظر میں چھوٹے معلوم ہوں گے اور ہم انہیں اپنے برابر سمجھنے لگیں گے ،یہاں تک کہ کہنے والے کہیں گے:

مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

تم بھی ہم جیسے ہی بشر ہو،اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا تعلق بھی انہی شخصیات سے ہے۔ہر کوئی آپ علیہ السلام کے ساتھ اپنے فاصلے کے تناسب سے آپ کی معرفت رکھتا ہے۔رسول اکرم علیہ السلام فرماتے ہیں:

اے علیؑ! تجھے کسی نے نہیں پہچانا سوائے میرے اور اللہ کے۔

اُدھر آپ کے ہی دور کے بعض سرگشتہ لوگ پوچھتے تھے:

علیؑ برحق ہے یا معاویہ؟

ہم جو اپنے آپ کو امیر المومنین علیہ السلام کا شیعہ گردانتے ہیں اپنے اور امیر المومنین علیہ السلام کے وجودِ ذی جود کے درمیان حائل فاصلوں کو کم کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں اور کیا کر چکے ہیں ؟ہم نے امام علیہ السلام کا کتنا مطالعہ کیا ہے اور آپؑ کے کلام سے ہمیں کتنی آگاہی حاصل ہے ؟ کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ ہمارے رابطے کی بدولت ہماری زندگی میں کوئی انقلاب یا تحول رونما ہوا ہے اور ہمارے گفتار و کردار میں آپؑ کا رنگ و بو جلوہ گر ہے؟

اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ فاصلوں کو کم کرنے کی پہلی سیڑھی معرفت ہے جبکہ دوسری سیڑھی تبدیلی، تحول اور انقلاب سے عبارت ہے۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے یعنی امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت سے آشنائی کی خاطر ہم نے آپؑ کے مکتبِ فکر کے ایک ایسے شاگرد کا رخ کیا جو ایک طویل عرصہ آپؑ کے خوانِ معرفت کی خوشہ چینی میں مشغول رہا ہے اور اس سلسلے میں وسیع مطالعات کا حامل بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے علم کو عمل سے مخلوط کرنے کا کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔

مکتبِ علوی کے اس شاگردِ رشید نے آج اس عظیم شخصیت کے گرانقدر پرچم عدل کو حقیقی معنوں میں اپنے ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ آج وہ ایک ایسی ملت کے آگے آگے چل رہا ہے جس کی رگ وپے میں علیؑ کا عشق موجزن ہے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے اہداف کو عملی جامہ پہنانے کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ ایک ہزار چار سو سال بعد آپؑ کی ندا پر لبیک کہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے فوراً بعد سے لے کر اب تک حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای نے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں جتنی تقریریں کی ہیں ان کا مجموعہ ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔ ان بیانات میں امام اول علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ایسے نکات کو اجاگر کیا گیا ہے جو لطیف وعمیق ہونے کے ساتھ ساتھ مفید اور دلکش بھی ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے چاہنے والوں کے لیے ایک زرین موقع ہے کہ وہ ان علمی نکات کے ذریعے اس عظیم امام کے بارے میں اپنی معرفت کے خزانے میں اضافہ کریں اور سیرتِ علوی سے فیض حاصل کرتے ہوئے اپنی آئندہ زندگی کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کریں۔

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت اور شخصیت کے بارے میں حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ کا مطالعہ حیرت انگیز ہے۔ امام علیہ السلام کی زندگی

(جو نشیب و فراز سے لبریز ہے) کے بارے میں موصوف کے عالمانہ تجزیے ان کی باریک بینی اور زبردست قوت تفکر وتخیل کے آئینہ دار ہیں۔حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کی تقریروں کا جو مجموعہ ہمارے پاس موجود رہا ہے وہ اسلامی انقلاب کے بعد کے دور سے مربوط ہے۔اکثر تقریریں نماز جمعہ کے خطبوں کی شکل میں یا امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت و شہادت کے ایام میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران کی گئی ہیں۔اسی لیے موصوف اپنی تقریروں میں منابع و مآخذ کے ذکر سے معذور تھے۔اس کے باوجود جب ہم نے تاریخی مآخذ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف نے معتبر ترین مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے بیانات کو مضبوط اسناد ومدارک سے اخذ کیا ہے۔

ایک بہت ہی دلچسپ پہلو یہ سامنے آیا کہ موصوف کے بیانات میں تکرار کا پہلو بہت کم نظر آتا ہے۔انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اپنی ہر تقریر میں اپنے سابقہ بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے تکرار سے اجتناب کیا ہے اور امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی یا شخصیت کے نئے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ستائیس سال بعد آج امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں موصوف کے بیانات کا ایک نسبتاً کامل ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ رہبر معظم کے بیانات کو تین حصوں میں مرتب کریں۔

۱۔امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کے تاریخی گوشے:

اس حصے میں امام اول کی زندگی کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے اور اکثر ایسے گوشے نقل کیے گئے ہیں جن کا تذکرہ نسلِ نو کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہو اور جنہیں نمونۂ عمل قرار دینا زیادہ ضروری ہو۔

۲۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت:

اس حصے میں قرآنی آیات ،احادیث نبوی ،معصومین کے فرامین اور تاریخی اسناد کی روشنی میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ و تحلیل پیش کیا گیا ہے اور آپ کی سیرت و اخلاق سے مربوط قابل ذکر نکات سامنے لائے گئے ہیں۔

۳۔ امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات:

رہبرِ معظم نے اپنی تقریروں میں امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات سے جگہ جگہ استفادہ کیا ہے اور جہاں جہاں موقع ملا ان فرمودات کے بارے میں توضیحات دی ہیں۔ یہ بیانات جو در حقیقت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات کے بعض حصوں کی تشریح و تفسیر محسوب ہوتے ہیں اس حصہ سوم میں جمع کیے گئے ہیں۔زیر نظر کتاب اس مجموعے کے حصہ اول کے طور پر پیش کی جارہی ہے۔

خداوند متعال سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں دوسرے دو حصوں کی تکمیل کی بھی توفیق عنایت فرمائے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیر نظر کتاب کا اصل متن رہبر معظم کے بیانات پر مشتمل ہے البتہ عنوانات کا انتخاب ہم نے کیا ہے نیز حواشی اور ضمائم کا اضافہ بھی ہم نے کیا ہے۔اسی طرح مختلف بیانات کے آخر میں تسلسل کے ساتھ حوالہ نمبر (۱تا۱۲۲) درج کئے گئے ہیں اور کتاب کے آخر میں ''حوالہ جات'' کے عنوان سے ان کی وضاحت پیش کی گئی ہے تا کہ تقریروں کی تاریخ اور مخاطبین کے بارے میں بتایا جائے۔

آخر میں اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ زیر نظر کتاب میں جو بھی عیب یا نقص نظر آئے اس کا تعلق راقم سے ہے اور جو بھی حسن و خوبی موجود ہو اس کا تعلق رہبر معظم کی توفیقات سے ہے۔

وَالْحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِین۔اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَامِنْ اَھْلِ الْیَقِینِ

وَمِنْ شِيعَةِ اَمِيرِ الْمُؤمِنِينَ عَلَيهِ اَفْضَلُ صَلَواتِ الْعَالَمِين.

محمد محمد یان

پہلی فصل

■ ایمان کی بہار یا مشکلات کا آغاز

مؤمن اول

امیر المومنین علیہ السلام کی نمایاں ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ اپنی دینی و الٰہی ذمہ داریوں کے مقابلے میں اپنی ذات، ذاتیات، خواہشات اور انانیتوں کو قربان کرتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تمام بڑے واقعات اور کارناموں کا محور آپؑ کی یہی خصوصیت ہے۔ آپ علیہ السلام اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتقاد رکھتے تھے جب فلکِ نیلگوں کے نیچے آپ علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین پر عقیدہ و ایمان رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ ❁

❁ شیعہ دانشوروں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا مؤمن اول علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اہل سنت کے بہت سارے دانشوروں نے بھی اس حقیقت کی تصریح کی ہے۔

علی علیہ السلام کے مؤمنِ اول ہونے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ اصحابِ رسول میں سے کسی نے بھی (صراحتاً یا کنایتاً) اپنے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا وہ خود ہے۔ یہ دعویٰ صرف امام علی علیہ السلام نے کیا ہے۔ آپ نے بار بار اس نکتے کی تصریح فرمائی ہے۔ تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ کسی نے امام علی علیہ السلام کے اس دعوے کی رد میں آپؑ پر اعتراض کیا ہو یا آپ کے دعوے کو غلط قرار دیا ہو۔ (دیکھئے: نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۲، تاریخ دمشق جلد۱، صفحہ ۵۸، مناقب ابن مغازلی صفحہ ۱۱۱، مجمع الزوائد جلد ۹، صفحہ ۱۰۳، کنز العمال جلد ۱۳، صفحہ ۱۲۸، شواہد التنزیل جلد ۲، صفحہ ۲۲۰ نیز اسد الغابۃ جلد ۴، صفحہ ۱۷۔ اس کے علاوہ دسیوں دیگر مآخذ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔)

درحقیقت آپؑ کا ایمان لاناایک ایسے نظریۓ کو قبول کرنے سے عبارت تھا جس پر ایمان اس دَور کی تمام ظالم طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا۔آپؑ کا یہ اقدام مکہ اور جزیرہ نمائے عرب کے قبائلی معاشرے پر حاکم اجتماعی نظام سے ٹکرانے سے عبارت تھا۔

اس بات کے لیے زبردست ہمت و جرأت کی ضرورت تھی کہ انسان اپنی دنیوی زندگی کے تمام ارمانوں ،آرزؤوں،خواہشات،آسائشات اور خوشی و سکون کے جملہ وسائل و امکانات کو خیر باد کہتے ہوئے اس دعوت اور اس اعلان جنگ پر لبیک کہے۔

لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے اس چیلنج کو قبول کیا❁ اوراس پر ڈٹتے ہوئے اس راستے کی تمام مشکلات کو دل و جان سے قبول کیا۔علی علیہ السلام خودفرماتے ہیں :

> وَلَـقَـدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُونَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍاَنِّیْ لَمْ اَردَّعَـلَـی الـلّٰـهِ وَلَاعَلَی رَسُولِهِ سَاعَةً قَطُّ وَلَقَدْ وَاسَیْتُهُ بِـنَـفْسِیْ فِی الْمَوَاطِنِ الَّتِی تَنْكُصُ فِیْهِ الْاَبْطَالُ وَتَتَاَخَّرُ فِیْهِ الْاَقْدَامُ ✿
>
> میں اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں گھڑی بھر بھی پیچھے نہیں رہا۔میراثِ رسول کی حفاظت کرنے والے آگاہ اصحاب اس بات کی گواہی دیں گے ۔میں نے اس راہ میں کسی ضروری اقدام سے گریز نہیں کیا۔میں نے ان مواقع پر بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر رسول کی مدد کی جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور سورماؤں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پسپا ہوتے ہیں۔

ذاتی مفادات ،خواہشات اور انانیت کا مقابلہ کرنے نیز ذاتی آسائشات پر

❁ امیرالمومنین علیہ السلام کے.ایمان لانے کا واقعہ خودآپ کی زبانی حصہ ضمائم ،ضمیمہ نمبر۱ میں ملاحظہ ہو۔

✿ دیکھئے نہج البلاغہ، خطبہ نمبر۱۹۷، صفحہ۳۱۱۔

دینی اور الٰہی ذمہ داریوں کو ترجیح دینے کی راہ میں یہ امیر المومنینؑ کا پہلا اقدام تھا۔(۱)

قبولِ دینِ حق میں آپؑ کی شجاعت و شہامت

مصافِ زندگی میں امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت میدان جنگ میں آپؑ کی شجاعت سے یقیناً بڑھ کر تھی۔اس شجاعت کی ایک زندہ مثال نوجوانی میں سب سے پہلے آپؑ کا قبولِ اسلام ہے۔ آپؑ نے اس وقت دعوتِ اسلام پر لبیک کہا جب سب نے اس دعوت سے روگردانی اختیار کی اور کسی میں اسے قبول کرنے کی ہمت نہ تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے معاشرے میں اسلام کی دعوت پیش کی جہاں سارے عوامل اس دعوت کے برخلاف تھے۔

لوگوں کی جہالت، عربوں کا غرور ونخوت، لوگوں پر حاکم طبقے کی اشرافیت، مادی مفادات اور طبقاتی مفادات سبھی اس دعوت کے مقابلے میں دیوار کی طرح حائل تھے۔اس قسم کے معاشرے میں اس طرح کی دعوت کی کامیابی کا کتنا فیصد امکان ہوسکتا ہے؟اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کا سنگین پیغام دے رہے تھے۔

پہلے آپؐ کو حکم ہوا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

اے رسول! اپنی اعلانیہ دعوت کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرو۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان متکبر چچاؤں کے دماغ غرور ونخوت سے لبریز تھے۔ وہ حقائق کا کوئی پاس نہ رکھتے تھے۔وہ تمام معقول باتوں کا مذاق اڑاتے تھے چنانچہ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنا اور آپؐ کا مذاق اڑانا شروع کیا۔

اگر چہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے وجود کا حصہ اور ان کے چشم وچراغ تھے(نیز خود ان لوگوں کے اندر خاندانی اور قومی حمیت وتعصب کی رگ پھڑکتی تھی) لیکن جب ان کے اس عزیز نے توحید کا مشعل اپنے ہاتھوں میں بلند کیا تو سب نے آنکھیں موند

لیں اور اپنا رخ پھیر لیا۔ انہوں نے بے اعتنائی، اہانت، تحقیر، تضحیک اور مسخرہ بازی کا سلسلہ شروع کیا۔ ان حالات میں یہ جوان کھڑا ہو کر برملا کہنے لگا: ''میں ایمان لاتا ہوں۔'' البتہ آپ پہلے سے ہی مؤمن تھے لیکن یہاں آپ نے اپنے ایمان کا ''اعلان'' کیا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام وہ مؤمن ہیں جس کا ایمان بعثت کے تیرہ سالوں کے دوران کبھی پوشیدہ نہیں رہا سوائے ابتدائی چند دنوں کے۔ دیگر مسلمانوں نے کئی سالوں تک اپنا ایمان چھپائے رکھا لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں سب کو علم تھا کہ آپؑ شروع میں ہی دعوت رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔ یوں آپ کا ایمان مخفی نہیں تھا۔

آپ ذرا اس صورتحال کا خوب تصور کیجئے کہ ہمسائے توہین کرتے ہیں، قوم کے رؤساء اہانت اور سخت گیری سے کام لیتے ہیں، شعراء اور خطباء مذاق اڑاتے ہیں نیز دولتمند، پست فطرت اور رذیل لوگ توہین کرتے ہیں لیکن امیر المومنین علیہ السلام مخالفت کی ان سہمگین موجوں کے مقابلے میں ایک پہاڑ کی طرح محکم و استوار کھڑے ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں:

میں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ میں نے سیدھا راستہ پا لیا ہے۔

پھر آپ اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ یہ ہے آپؑ کی شجاعت۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے تمام مراحل خاص کر مکہ اور مدینہ میں اپنی اس شجاعت کا ثبوت دیا۔(۲)

مشکلات کے مقابلے میں آپؑ کا صبر و تحمل

امیر المومنین علیہ السلام اپنے بچپن میں ہی شہر مکہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر ایمان لے آئے۔ اس کے ساتھ ہی آپؑ کو کافروں کی طرف سے ایذا رسانی، تضحیک و تمسخر اور اہانت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ذرا ایک ایسے شہر کا تصور کیجیے جس کے باسی تشدد پسند ہوں، تہذیب و تمدن سے عاری ہوں، نرم مزاجی اور سنجیدگی سے تہی دامن ہوں،

سخت مزاج، جھگڑالو، فسادی اور معمولی معمولی چیزوں پر لڑنے بھڑنے والے ہوں اور اپنے باطل عقائد کے حق میں شدید تعصب برتتے ہوں، اس قسم کے ناموافق معاشرے میں ایک عظیم انسان نے ایک عظیم انقلابی نظریہ پیش کیا؛ ایک ایسا نظریہ جو اس معاشرے کے عقائد اور آداب و رسوم سمیت تمام چیزوں سے متصادم تھا۔ ظاہر ہے اس معاشرے کے تمام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے چنانچہ معاشرے کے مختلف طبقات اور عوام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا آغاز کیا۔ ان حالات میں مذکورہ خصوصیات کے حامل رسول کی حمایت کرنا اور اس کے انقلاب آفریں پیغام پر لبیک کہتے ہوئے نیز اپنے جسم وجان کی بازی لگاتے ہوئے اس رسول کی حفاظت پر ڈٹ جانا صرف اس شخص کے لیے ممکن تھا جو غیر معمولی جذبۂ فدا کاری سے لیس ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام کے جذبہ ایثار و فداکاری کا ابتدائی ثبوت یہ تھا کہ آپ تیرہ برس تک سخت ترین حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شانہ بشانہ ساتھ دیتے رہے۔(۳)

''یوم الدار'' کا یادگار واقعہ ✲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والا مؤمن اول امیر المومنین علیہ السلام ہی تھے۔ اگر چہ اس معاشرے کے سارے لوگ اس دعوتِ حق کے منکر تھے لیکن علی علیہ السلام نے ان کے کفر و عناد اور انکار کو کوئی وقعت نہیں دی اور ''یوم الدار'' کے واقعے میں اپنا پہلا انقلابی قدم اٹھایا۔

''یوم الدار'' کے واقعے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگانِ عرب کو مکہ میں جمع کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ نے فرمایا:

> آج جو شخص سب سے پہلے ایمان لے آئے گا وہ میرا وصی اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

✲ یوم الدار کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر۲۔

آپؐ نے سب کے سامنے یہ تجویز رکھی لیکن کفار اور قریشیوں میں سے کسی نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔صرف تیرہ سالہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کھڑے ہو کر یہ دعوت قبول کر لی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی علی علیہ السلام کے ایمان کو منظور فرماتے ہوئے ان کے وصی ہونے کا اعلان کیا۔یہاں تک کہ کافروں نے حضرت ابو طالب کا مذاق اڑاتے ہوئے ان سے کہا:

یہ لو! محمد نے تو تیرے ہی بیٹے کو تیرا امیر قرار دیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی مکی زندگی کے دوران ایک لحظے کے لیے بھی سختیوں، تعصّبات، مخالفتوں اور عداوتوں کو کوئی وقعت نہ دی اور ہر حال میں حق کی حمایت جاری رکھی۔(۴)

ایک زیرک نوجوان

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو امیر المومنین علیہ السلام ایک تیرہ سالہ طفل تھے۔ اس دوران بعض اوباشوں، سرپھروں، بدمعاشوں، وڈیروں، پست فطرتوں اور گاہے بعض خانہ دار عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانا شروع کیا۔ مکہ کے روساء نے اپنی پالیسیوں کے عین مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ کرنے کی خاطر آپ کو ستانے کا طریقہ کار اپنایا۔ابتدا میں صورتحال اس قسم کی تھی۔ چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قابل احترام شخصیت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر آپ کا قبیلہ تھا، ایک بااثر چچا آپ کا حامی تھا اور آپ کا خاندان بڑا تھا اس لیے کفار مکہ کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے لیکن وہ کسی بد اخلاق بوڑھی عورت کو یا کسی یاوہ گو کو یا کسی بد زبان جوان کو یا کسی بے حیثیت اور بے لگام شخص کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ توہین آمیز طریقے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستائیں اور آپ پر دباؤ ڈالیں۔

ان نامساعد حالات میں امیر المومنین علیہ السلام (جو ایک بہادر، نڈر، ہشاش بشاش، مضبوط، ہوشیار اور ذہین نوجوان تھے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں عظیم ترین کردار

ادا کر رہے تھے۔

جب کوئی لڑکا ہوشیار، ذہین، شریف اور تیز و طرار ہونے کے علاوہ دل کی گہرائیوں سے کسی نظریے کا معتقد بھی ہو تو وہ معاشرے میں ایک بڑا کردار ادا کر سکتا ہے۔امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی نوجوانی میں ایسا ہی کردار ادا کیا تھا۔ ❁

سچی بات یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بے دریغ اور بے محابا حمایت سے لبریز رہی ہے۔(۵)

جذبہ عمل سے معمور پرجوش جوان

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی جوانی آپ کی تابناک زندگی کا وہ لافانی نمونہ ہے جسے دنیا کے سارے جوان اپنے لیے نمونہ عمل قرار دے سکتے ہیں۔

جوانی کے دور میں آپ نے لشکر کے سردار کے طور پر اور فعال دستوں کے کمانڈر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مدینہ میں آپ علم و دانش، ہوشیاری اور جود وسخا کی مالک شخصیت کے طور پر نمایاں تھے۔ میدان جنگ میں آپ بہادر سپاہی بھی تھے

❁ مکہ میں علی علیہ السلام کا ایک کارنامہ ملاحظہ ہو:

جنگ احد میں امیر المومنین علیہ السلام طلحہ بن ابی طلحہ (لشکر قریش کے علمدار) کے مقابلے پر نکلے۔آپ نے اپنا تعارف کرایا۔طلحہ نے کہا: اے قضیم! میں جانتا تھا کہ تیرے علاوہ میرے مقابلے پر آنے کی جسارت کوئی نہیں کر سکتا۔امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: طلحہ نے امیر المومنین علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے جو لفظ ''قضیم'' استعمال کیا تھا اس سے کیا مراد تھی؟ امام نے فرمایا: مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل حیثیت اور ابو طالب کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کے پیش نظر مکہ کے روساء براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اہانت یا جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے وہ بچوں کو وعدہ و وعید کے ساتھ فریب دیتے اور انہیں پیغمبر کی شان میں جسارت پر اکساتے تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے تھے تو بچے پتھر پھینکتے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور چہرے کی طرف مٹی اڑا کر اپنے کھیل کود کو مزید دلچسپ بناتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مشکل کا ذکر علی علیہ السلام سے کرتے تھے چنانچہ آپ علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر نکلتے تھے اور جب بچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی پر اتر آتے تو علی علیہ السلام جوان بچوں کے ہم سن تھے ان کا پیچھا کرتے اور ان کی گوشمالی کرتے ہوئے یعنی ان کے کان مروڑتے ہوئے انہیں پیغمبر کو تکلیف دینے سے باز رکھتے تھے۔ علی علیہ السلام جن بچوں کی گوشمالی فرماتے تھے وہ اپنے گھر واپس آکر روتے ہوئے کہتے تھے: قضمنا علی، قضمنا علي۔ علی نے ہمارے کان مروڑے، علی نے ہمارے کان مروڑے۔اسی لئے جنگ احد میں طلحہ نے علی علیہ السلام سے کہا: اے قضیم! (دیکھئے تفسیر قمی، جلد ۱، صفحہ ۱۱۴)

اور کامیاب کمانڈر بھی۔ حکومت کے میدان میں ایک ماہر فرد اور اجتماعی و سماجی مسائل کے میدان میں جدید تقاضوں سے ہماہنگ جامع الصفات جوان تھے۔❁ (٦)

❁ الارشاد میں امیرالمومنینؑ کا ایک دلنشین کلام مذکور ہے جو دین حق کی حمایت و حفاظت کی راہ میں آپ کی کوششوں اور زحمتوں کی ایک حد تک عکاسی کرتا ہے۔فرماتے ہیں: مَارَاَیْتُ مُنْذُ بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّداً ﷺ رَخَاءً فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ خِفْتُ صَغِیراً وَجَاهَدْتُ کَبِیْراً اُقَاتِلُ الْمُشْرِکِینَ وَاُعَادِی الْمُنَافِقِینَ حَتّٰی قَبَضَ اللّٰهُ نَبِیَّهٗ جب سے اللہ نے محمد کو مبعوث برسالت فرمایا تب سے مجھے (دشمنان دین کی عداوتوں کے باعث) کوئی آسودگی نہیں ملی۔ میں اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنا بچپنا بدامنی اور خوف و ہراس کی حالت میں گزارا۔ میں جوانی میں جہاد کرتا نیز مشرکین کے ساتھ جنگ اور منافقین کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح قبض کرلی اور آپ کو اپنے پاس بلالیا۔(دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد، جلد۱، صفحہ۲۸۴۔)

دوسری فصل

■ شب ہجرت امیر المومنین کی شجاعت ایثار و فدا کاری کی لازوال داستان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری تیرہ سال علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بے دریغ اور مسلسل حمایت سے لبریز تھے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی شب ہجرت کا واقعہ ہے۔ یہ وہ رات ہے جب ایک ماہرانہ سازش کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے اپنے گھر میں دہشت گردی کے ذریعے قتل کرنے کا پروگرام تھا۔ اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ایک بہادر شخص کی ضرورت تھی۔

جب مکہ کے روساء نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بھی طریقے یا بہانے سے اپنی تبلیغ جاری رکھنے سے نہیں روک سکتے تو انہوں نے ایک زبردست شاطرانہ اور ماہرانہ سازش تیار کی۔ منصوبہ یہ بنا کہ تمام قبائل سے کچھ لوگوں کو منتخب کیا جائے جو رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پر یورش کریں اور رات کی تاریکی میں ہی آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد بکھر جائیں۔ اس صورت میں بنی ہاشم کس قبیلے سے انتقام لیتے یا خون بہا طلب کرتے؟ اس منصوبے کے نتیجے میں سارے قبائل بنی ہاشم کے مد مقابل قرار پاتے۔ اس طرح نبوت کے مقابلے میں قبائل کے اتحاد کی بدولت ان کا ایک بڑا مسئلہ حل ہوجاتا کیونکہ کوئی قبیلہ اکیلے ہی بنی ہاشم سے

ٹکر لینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی رات ہجرت پر کمر بستہ تھے ۔ ہجرت کی تیاریاں پہلے ہی انجام پا چکی تھیں ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کرنے والوں نے جاسوسی کا بھی بندوبست کررکھا تھا ۔ چنانچہ وہ جائے واردات کا جائزہ لیتے رہے۔ اگر انہیں معلوم ہوجاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یا آپ کے بستر میں کوئی نہیں ہے تو وہ اپنا منصوبہ تبدیل کر دیتے۔ اسی طرح اگر انہیں علم ہوتا کہ رسول اکرمؐ مکہ سے خارج ہوں گے تو وہ آپ کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے۔

اب جو شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آپ کی جگہ سوتا اور یہ تاثر دیتا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں موجود ہیں دو کام انجام دیتا۔ ایک یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچاتا اور اپنی جان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کرتا ۔دوسرا کام یہ کہ ہجرت کے منصوبے کو ناکامی اور دشمن کے مکر وفریب سے بچاتا۔موخر الذکر کام کی اہمیت زیادہ تھی کیونکہ اس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کو گھر کے اردگرد مشغول چھوڑ کر اطمینان کے ساتھ ہجرت کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کون یہ کام انجام دے گا؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ”میں۔“

ممکن ہے کوئی یہ سوال پوچھے کہ ایک بہادر پہلوان کے لیے اس ذمہ داری کو قبول کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن صورتحال کو جانچنے کی ضرورت ہے۔ایک تنگ و تاریک گھر ہے ۔آج کی طرح اس میں بجلی کا بلب تو نہیں لگا ہوا تھا کہ جب دشمن کمرے میں گھس جاتے تو اندر موجود شخص فوراً بٹن دبا کر بجلی جلاتا تا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کوئی اور ہے۔ دشمنوں نے بھی حملے کا کوئی خاص وقت معین نہیں کیا تھا۔ یقیناً ان کا حملہ ناگہانی ہوتا اور قبل اس کے کہ اندر موجود شخص اٹھ کر اپنا تعارف کراتا دشمن اس کا کام تمام کردیتے ۔ بنابریں شب ہجرت حقیقی معنوں میں فداکاری کی

ضرورت تھی اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اس فداکاری کا عملی مظاہرہ کیا۔ ❁ (۷)

جذبۂ عشق سے لبریز فداکاری

جس رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت فرمارہے تھے اس رات امیر المومنین علیہ السلام کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ سوجانا جانثاری و فداکاری کا ایک عظیم ترین نمونہ ہے۔ یہ سوفیصد موت کے منہ میں کودنے کے مترادف تھا۔ رات تاریک ہو، دشمن مسلح اور خشمگین ہوں اور دیواروں کے پیچھے اس ارادے سے آمادہ و تیار بیٹھے ہوں کہ کسی بھی وقت حملہ کر کے اس رسول کو قتل کردیں جو ان کے خیال میں اس گھر میں محو خواب تھے۔

اس رات امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

اگر میں آپ کی جگہ سوجاؤں تو کیا آپ صحیح و سلامت نکل جائیں گے؟

فرمایا: ''ہاں۔''

عرض کی: ''پس میں سوجاتا ہوں۔'' ❁

❁ شب ہجرت کا واقعہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں امیر المومنین علیہ السلام کے سونے کا قصہ خود امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی ضمیمہ نمبر ۳ میں ملاحظہ ہو۔

❁ شیخ طوسی اپنی کتاب ''امالی'' میں نقل کرتے ہیں کہ جب کافر روساء اپنے اجلاس میں آنحضرت کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا کر فارغ ہوئے تو جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اجلاس سے آگاہ کیا اور یہ آیت تلاوت کی: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (الانفال ۳۰) اس وقت کو یاد جب کفار تیرے بارے میں سازش کررہے تھے تاکہ تجھے قید کریں یا قتل کریں یا (مکہ سے) نکال دیں۔ وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔ اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

جبرئیل نے اس آیت کی تلاوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا حکم سنایا کہ آپ کا مدینہ ہجرت کرنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: اے علی! جبرئیل نے مجھے یہ آیت سنائی ہے اور قریش کی سازش کی خبر دی ہے کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جبرئیل نے آج ہی کی رات مکہ سے نکلنے اور غارثور کی طرف جانے کا خدائی حکم بھی پہنچایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے بستر میں سوجائیں تاکہ قریش کو میری روانگی کا علم نہ ہو۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے اور کیا کریں گے؟ ←

ایک عیسائی لکھاری (جو امیر المومنین علیہ السلام کو اسلامی اور شیعی نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا) لکھتا ہے:

امیر المومنین علیہ السلام کے اس اقدام کا موازنہ صرف سقراط کے اقدام سے کیا جاسکتا ہے جس نے معاشرے کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے زہر کا جام نوش کیا۔ یہ سو فیصد یقینی قربانی اور فداکاری ہے۔

اس رات صرف اور صرف اخلاص کی حکمرانی تھی۔ جن لوگوں کو اپنی فکر لاحق ہوتی ہے وہ اس طرح کے مواقع پر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن علی علیہ السلام کو اس لمحے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نجات کی فکر لاحق تھی۔ (۸)

جاں نثاری سے بھی پرے

شب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر امیر المومنین علیہ السلام کا سو جانا دو پہلوؤں کا حامل ہے۔ ان میں سے ایک امیر المومنین علیہ السلام کی فداکاری اور جان نثاری کا پہلو ہے

← علی علیہ السلام نے عرض کی: کیا آپ کی جگہ میرے سونے کے نتیجے میں آپ محفوظ رہیں گے؟ پیغمبر نے فرمایا: ہاں۔ علی علیہ السلام مسکرائے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ سجدے میں چلے گئے۔ آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی نعمت پر خدا کا شکر ادا کیا۔ سجدۂ شکر سے سر اٹھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: آپ اطمینان خاطر کے ساتھ اللہ کی طرف سے حکم شدہ مہم پر چلے جایئے۔ میری آنکھ، میرے کان، میری جان اور میرا پورا وجود آپ پر فدا ہوں۔ آپ کا جو بھی حکم ہو گا اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ آپ مطمئن رہیں کہ میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے۔ البتہ جو بھی توفیق نصیب ہوتی ہے وہ اللہ کے لطف وکرم سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

رسول اکرم نے علی علیہ السلام کو ضروری ہدایات دیں پھر فرمایا: اے علی! اللہ تعالی اپنے اولیاء کو ان کے ایمان اور ان کی دینداری کے حساب سے آزماتا ہے۔ اسی لیے سب سے زیادہ بلائیں اور امتحانات انبیاء کے حصے میں آتے ہیں۔ ان کے بعد اوصیاء کو سب سے زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اوصیاء کے بعد ان لوگوں پر زیادہ آزمائشیں آتی ہیں جو بعد کے درجات میں واقع ہوتے ہیں۔ اس وقت اللہ آپ کا اور میرا امتحان لے رہا ہے جس طرح اس نے ابراہیم کا امتحان لیا تھا اور انہیں اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس صبر سے کام لیں اور اپنی استقامت میں اضافہ کریں۔ یقیناً اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے۔ اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا اور دونوں نے آنسو بہاتے ہوئے ایک دوسرے کو الوداع کیا۔ (دیکھئے شیخ طوسی کی الامالی، مجلس ۱۶، حدیث ۳۷، صفحہ ۴۶۵)

کیونکہ اس لمحے موت کا خطرہ بہت زیادہ قریب تھا۔ مشرکین رات کی تاریکی میں ایک ایسے گھر اور ایک ایسے بستر پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے جس میں امیر المومنین علیہ السلام اس لیے سوئے ہوئے تھے تاکہ دشمنوں کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی خبر نہ ہو۔ زیادہ احتمال اسی بات کا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام قتل ہو جاتے۔ یہ اس ناقابل فراموش اور عظیم واقعے کا ایک پہلو ہے۔

اس واقعے کا دوسرا پہلو جو ہمارے لیے بہت ہی سبق آموز ہو سکتا ہے یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے یہ اقدام ٹھیک اس وقت کیا جب تیرہ سالہ افتخار آفرین جدوجہد کے ثمرات ظاہر ہونے ہی والے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ آور کافروں کے ہاں سے نکل کر ایک نئے شہر میں ان دوستوں کے ہاں جا رہے تھے جنھوں نے آپ کی بیعت کی تھی۔

اس طرح کے حساس اور اچھے موقعوں پر ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے رہبر اور قائد کے ہمراہ رہے اور ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو نئے معاشرے اور اس جدید ماحول سے سب سے پہلے آشنا ہو رہے ہوں جہاں لوگ اسے جانتے ہوں اور اس کا وجود لوگوں کے دلوں کے لیے باعث سکون ہو۔ ٹھیک اسی لمحے امیر المومنین علیہ السلام نے یہ خطرناک ذمہ داری قبول کر لی اور اپنے ارمانوں کو دفن کر دیا۔(۹)

جان نثاری کے حساس لمحات

اگر چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبوری و ناچاری نیز قریش اور مکہ والوں کے دباؤ کے تحت ہجرت فرما رہے تھے لیکن اس ہجرت کا مستقبل تابناک تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ ہجرت کامیابیوں اور فتوحات کا پیش خیمہ ہے۔ جب ایک تحریک مشکلات و مصائب کے مرحلے سے نکل کر عزت و سکون کے مرحلے میں داخل ہو رہی ہو اس وقت عام طور پر سب کی کوشش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اگر ہو سکے تو معاشرے میں کوئی عہدہ یا مقام حاصل کر لیں لیکن امیر المومنین علیہ السلام ایک ایسے ہی موڑ پر

رات کی تاریکی میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سونے کی تیاری کر رہے ہیں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھر اور اس شہر سے دور نکل سکیں۔

اس رات بستر رسولؐ میں سونے والے کا قتل ہوجانا تقریباً قطعی اور یقینی تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں کسی کی موجودگی ضروری تھی تا کہ جب جاسوسوں کی وہاں نظر پڑے تو وہ یہ خیال کریں کہ وہاں کوئی موجود ہے تا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہوں۔ کون حاضر ہے؟ اگر چہ امیر المومنین علیہ السلام کا یہ ایثار بجائے خود ایک غیر معمولی اور عظیم کارنامہ ہے لیکن اس ایثار کا خاص وقت بھی اس کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ وقت کونسا ہے؟ یہ وہ وقت ہے جب مشکلات کا دور ختم ہورہا ہے۔ اب وقت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ جا کر حکومت تشکیل دیں۔ مدینہ کے لوگ ایمان لا چکے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر ہیں۔

سب کو اس بات کا علم ہے لیکن عین اسی لمحے امیر المومنین علیہ السلام اس جاںنثاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس قسم کا عظیم اقدام وہی کرسکتا ہے جو ہر قسم کے ذاتی مفاد یا مقصد سے ماوراء ہو۔ (۱۰)

ایثار کی آیت

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں بہت سی آیات موجود ہیں جن میں سے ہر آیت ہمیں اس عظیم ہستی کی زندگی کے ایک نئے سبق آموز باب کی تعلیم دیتی ہے۔ ان آیات میں سے ایک سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۷ ہے جو یہ ہے:

وَمِـنَ النَّاسِ مَن يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ ❁

لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی

❁ شیعہ علماء ومفسرین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت شب ہجرت بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علی علیہ السلام کے سونے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اہل سنت کے بہت سے علماء نے بھی اس حقیقت کو نقل کیا ←

حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں آیت کریمہ کے نزول کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہوتی؟ بنا بریں اب جب امیر المومنین علیہ السلام ہمارے درمیان نہیں ہیں تو کیا اب یہ آیت ایک تاریخی حقیقت ہے اور بس؟

نہیں ایسا نہیں بلکہ امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں اس آیتِ شریفہ کے نزول سے مراد یہ ہے کہ کسی ہستی سے صادر ہونے والے اچھے عمل یا عظیم کارنامے کے بارے میں آیت نازل ہوتی تھی جو ایک کلی حقیقت کو بیان کرتی تھی۔ اب چونکہ یہ آیت ایک شخصیت کے کارنامے کے بارے میں نازل ہوئی تھی نیز چونکہ وہ شخصیت اس آیت کے مضمون کے مصادیق میں سے ایک مصداق یا واضح مصداق ہے اس لیے مفسرین کہتے

← ہے یہاں تک کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں اس آیت کا نزول تمام فرقوں کے ہاں مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔

حدیث انشاد میں امیر المومنین علیہ السلام نے اراکینِ شوریٰ کے سامنے اپنے استحقاقِ خلافت پر استدلال کرتے ہوئے اپنے بعض درخشاں کارناموں کا ذکر کیا ہے اور شب ہجرت اس آیت کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: فهل فيكم احد نزلت فيه هذه الآية: وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ لَمَّا وَقَیْتُ رَسُولَ اللّٰهِ لَيْلَةَ الْفِرَاشِ غَيْرِیْ؟ قَالُوا لَا "کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے حق میں یہ آیت اتری ہو لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے بدلے اپنی جان فروخت کرتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے" جب میں نے رسول کے بستر میں سو کر آپ کی حفاظت کی تھی؟ اراکین شوریٰ نے کہا: نہیں۔ (دیکھئے شیخ طوسی کی الامالی مجلس نمبر ۲۰، حدیث نمبر ۴، صفحہ ۵۵۱)

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب کے بارے میں تب نازل ہوئی جب رسول رات کے وقت مکہ سے خارج ہوئے اور علی آپ کے بستر پر سوئے۔ (دیکھئے تفسیر رازی، جلد ۵، صفحہ ۲۲۱)

حسکانی نے شواھد التنزیل، جلد ۱، صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۳ میں دس احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ہر ایک میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ آیت شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق، جلد ۴۲، صفحہ ۶۷ میں اور ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ، جلد ۴، صفحہ ۹۸ میں یہی بات نقل کی ہے۔

ہیں کہ یہ آیت فلاں شخصیت کے بارے میں ہے جیسا کہ بہت سی آیات بعض اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

جب کوئی شخص راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتا یا کوئی اچھی بات کرتا یا شجاعت کا مظاہرہ کرتا یا فداکاری کا ثبوت دیتا تھایا اس کے برعکس کسی سے کوئی منفی یا قبیح حرکت سرزد ہوتی تھی تو اس کے بارے میں آیت نازل ہوتی تھی جو اس صورتحال یا واقعے (شان نزول) کا حکم بیان کرتی تھی۔ چنانچہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص کے بارے میں فلاں آیت اتری ہے۔رہی بات اس آیت:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشرى نَفسَهُ ابْتِغَآءَ مَرضَاةِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِباد

لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خوشنودی الٰہی کی خاطر اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

کے مفہوم کی، تو واضح ہو کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں ہے اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت دیگر امور کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہے لیکن اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام اس آیت شریفہ کے مصادیق میں سے ایک واضح مصداق ہے۔

اپنے نفس کا سودا کرنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ انسان میدان جنگ میں رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان نچھاور کرے۔ "نفس" کا ایک وسیع تر مفہوم بھی ہے۔ گاہے اپنی ذات سے گزر جانا میدان جنگ میں جان لڑانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ گاہے اپنی ذات سے گزر جانے کی اس سے بھی مشکل صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے بھی مشکل۔ امیرالمومنین علیہ السلام میں یہ جذبہ موجود تھا۔ ہم امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی میں ہر جگہ اس جذبے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

تیرہ سال کی عمر سے لے کر تریسٹھ سال کی عمر تک (یعنی پچاس سالہ دور حیات میں) ایثار و فداکاری اور اپنے وجود سے گزر جانے کا یہی اصول امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کا اصلی محور اور مقصد رہا۔(۱۱)

تیسری فصل

■ مدنی زندگی کا مسلسل جہاد

پورا وجود خدمت دین کے لئے وقف

جس دن نبی ﷺ نے رسالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا اس دن کی ابتدا سے ہی آپ کو ایک مجاہد، جنگجو، مومن اور فداکار مددگار ملا جو ابھی نوجوان تھا۔ یہ نوجوان علی علیہ السلام تھے۔ اس وقت سے لے کر نبی کریم ﷺ کی پر برکت زندگی کے آخری لمحوں تک امیرالمومنین علیہ السلام ایک لمحے کے لیے بھی فارغ البال نہیں رہے بلکہ آپ اسلامی نظام کے قیام پھر اس کی حفاظت کی خاطر مسلسل جہاد کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام مقابلہ کرتے رہے اور جان پر کھیل کر خطرات سے نبرد آزما رہے۔ آپ حق اور عدل کا نظام قائم کرنے کے لیے جہد مسلسل میں مگن رہے۔ ❁

❁ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: مَارَأَیتُ مُنذُ بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّداً ﷺ رَخاءً فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ خِفْتُ صَغِیراً وَجَاهَدْتُ کَبِیراً أُقَاتِلُ الْمُشْرِکِینَ وَأُعَادِی الْمُنَافِقِینَ حَتّٰی قَبَضَ اللّٰهُ نَبِیَّهُ عَلَیْهِ السَّلامُ فَکَانَتِ الطَّامَّةُ الْکُبْرٰی۔ جب سے اللہ نے محمد کو مبعوث فرمایا ہے تب سے (دشمنان دین کی کارستانیوں کے باعث) مجھے آسودگی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ میں اس نعمت پر اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنا بچپنا خوف و ہراس میں گزارا، بڑا ہو کر میں مصروفِ جہاد رہا یعنی مشرکوں سے جنگ لڑتا اور منافقوں کے ساتھ دشمنی و عداوت میں مصروف رہا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے نبی کی روح قبض کر لی۔ آپ کی رحلت ایک قیامتِ کبریٰ تھی۔ (دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۴۔)

جب دوسرے لوگ میدانِ جنگ میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تو علی علیہ السلام ثابت قدمی کا ثبوت دیتے تھے۔ ❁ جب کوئی شخص میدان میں اترنے پر آمادہ نہ ہوتا تو علی علیہ السلام شوق سے میدان میں اترتے تھے۔

جب سختیاں اور مشکلات کوہِ گراں بن کر راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے حوصلے پست کردیتیں تو علی علیہ السلام کی بلند شخصیت ہی دوسروں کو حوصلہ دیتی تھی۔ ✿ علی علیہ السلام کی نظر میں زندگی کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں یعنی اپنی جسمانی و روحانی قوتوں اور قوتِ ارادی کو نیز اپنے پاس موجود ہر چیز کو پرچمِ حق کی سربلندی کے لیے استعمال کریں اور حق کو زندہ کریں۔ اسی لیے علی علیہ السلام کی قوتِ بازو، قوتِ ارادی اور مجاہدت کی بدولت حق زندہ ہوگیا۔

اگر آج دنیا میں حق کے مفہوم، عدل کے مفہوم اور انسانیت کے مفہوم کی کوئی قدر و قیمت ہے، اگر یہ مفاہیم زندہ ہیں نیز روز بروز مضبوط تر اور محکم تر ہوتے آئے ہیں تو یہ سب کچھ انہی قربانیوں اور مجاہدانہ کوششوں کی بدولت ہے۔ اگر علی ابن ابی

❁ جنگ احد میں (خاص کر اس وقت جب مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر لی تھی) امیر المومنین علیہ السلام کے کردار کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۴۔

✿ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: قَدْ عَلِمُوْا يَقِيْناً اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ اَحَدٌ يَقُوْمُ مَقَامِي وَلَا يُبَارِزُ الْاَبْطَالَ وَيَفْتَحُ الْحُصُوْنَ غَيْرِيْ۔ وَلَا نَزَلَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ شَدِيْدَةٌ قَطُّ وَلَا كَرْبَةُ اَمْرٍ وَلَاضِيقٌ وَلَامُسْتَصْعَبٌ مِّنَ الْاَمْرِ اِلَّا قَالَ: اَيْنَ اَخِي عَلِيٌّ؟ اَيْنَ سَيْفِيْ؟ اَيْنَ رُمْحِي؟ اَيْنَ الْمُفَرِّجُ غَمِّي عَنْ وَجْهِيْ؟ فَيُقَدِّمُنِي فَاَتَقَدَّمُ فَاَفْدِيْهِ بِنَفْسِي وَيَكْشِفُ اللّٰهُ بِيَدِيْ الْكَرْبَ عَنْ وَجْهِهِ وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهِ بِذَالِكَ الْمَنُّ وَالطَّوْلُ حَيْثُ خَصَّنِيْ بِذَالِكَ وَوَفَّقَنِيْ لَهُ " بے شک یہ لوگ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان میں میری برابری کرنے والا کوئی موجود نہیں ہے۔ ان میں سے کسی نے میری طرح پہلوانوں کا مقابلہ نہیں کیا اور قلعے فتح نہیں کیے۔

جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مشکل امر یا تکلیف دہ مسئلے یا تنگی اور سختی کا سامنا ہوتا تو آپ فرماتے تھے: " میرا بھائی علی کہاں ہے؟ میری تلوار کہاں ہے؟ میرا نیزہ کہاں ہے؟ میرے چہرے کا غم مٹانے والا کہاں ہے؟ "پس آپ مجھے آگے رکھتے تھے اور میں آگے بڑھ کر آپ پر اپنی جان نچھاور کرتا تھا۔ اللہ میرے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی دور فرماتا تھا۔ یہ سب میرے اوپر اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا احسان ہے کہ اس نے مجھے خصوصی طور سے یہ توفیق عنایت کی۔ (دیکھئے کتاب سلیم، روایت نمبر ۱۵، صفحہ ۲۰۰)

طالب علیہ السلام جیسے افراد (جو تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں) نہ ہوتے تو آج انسانی اقدار کا کوئی وجود نہ ہوتا اور انسانیت اپنے خوبصورت عناوین سے عاری ہوتی، تہذیب وتمدن، ثقافت اور اعلیٰ انسانی اہداف و مقاصد کا نام و نشان نہ ہوتا بلکہ انسانیت ایک وحشت ناک درندگی اور خوفناک حیوانیت میں تبدیل ہوچکی ہوتی۔ آج بشریت اپنے اعلی اقدار و اہداف کی حفاظت کے زاویے سے امیرالمومنین علیہ السلام اور آپ جیسے عظیم انسانوں کے کردار کی مرہون منت ہے۔ (۱۲)

رسول کا جانباز فدائی

مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوخیز حکومت شب و روز جنگ اور جہاد کے سلسلوں میں مصروف ہوچکی تھی۔ ہر وقت جنگ کا سامنا رہتا تھا جو اس قسم کی حکومت کا خاصہ ہے۔ جنگ بدر سے پہلے ہی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام (دس سالوں) تک جاری رہا۔ان دس سالوں کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار، مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ درجنوں لڑائیاں لڑیں۔ ان تمام خطرناک مراحل اور میدانوں میں امیرالمومنین علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نگہبان، فدائی، اور جانباز محافظ کے طور پر موجود رہے جیسا کہ خود امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَقَدْوَاسَيْتُهُ بِنَفْسِيْ فِي الْمَوَاطِنِ الَّتِي تَنْكصُ فِيْهَا الْاَبْطَالُ وَتَتَاَخَّرُ فِيْهَا الْاَقْدَام ۞

میں نے ان مواقع پر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر رسول کی مدد کی

۞ نہج البلاغہ میں امام علیہ السلام کا کلام کچھ یوں نقل ہوا ہے: وَلَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُونَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍاَنِّیْ لَمْ اَرُدَّعَلَى اللّٰهِ وَلَاعَلٰی رَسُوْلِهٖ سَاعَةً قَطُّ وَلَقَدْوَاسَيْتُهُ بِنَفْسِيْ فِي الْمَوَاطِنِ الَّتِي تَنْكصُ فِيْهَا الْاَبْطَالُ وَتَتَاَخَّرُ فِيْهَا الْاَقْدَامُ نَجْدَةً اَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ بِهَا۔ رسول کے وہ اصحاب جو دین کے محافظ اور آپ کے راز دار ہیں یہ جانتے ہیں کہ میں نے گھڑی بھر کے لیے بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کی۔ میں نے ان مواقع پر اپنی جان پر کھیل کر آنحضرت کی مدد کی جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور بہادروں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ شجاعت میرے اوپر اللہ کا کرم ہے۔ (نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ۱۹۷، صفحہ ۳۱۱)

جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور بہادروں کے قدم
لڑکھڑا جاتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

سخت ترین مواقع پر بھی امیرالمومنین علیہ السلام ڈٹے رہتے تھے۔ آپ کو خطرے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ ایسے مواقع پر کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اپنی جان بچانی چاہیے تا کہ آئندہ اسلام کی خدمت کر سکیں۔ لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے اس قسم کی تاویلات و توجیہات کے ذریعے کبھی اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیا۔ ہاں امیرالمومنین علیہ السلام کی عظیم شخصیت فریب کھانے والی نہیں تھی۔ جملہ خطرناک مراحل میں آپ علیہ السلام صف اول میں موجود رہتے تھے۔ (۱۳)

مشکل ترین مہمات کو سر کرنے والا

ہجرت رسول کے بعد سخت ترین امور امیرالمومنین علیہ السلام کے ذمے تھے۔ مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دس سالہ دور میں (یعنی اسلامی حکومت اور حاکمیت کے دور میں) مشکل ترین کارنامے امیرالمومنین علیہ السلام نے انجام دیے۔ جہاں کہیں غیر معمولی شجاعت کی ضرورت ہوتی یا مضبوط جذبہ ایمانی کی حاجت ہوتی وہاں امیرالمومنین علیہ السلام رضا کار بن کر پیش ہوتے تھے۔ جہاں کسی خطرناک پہلوان یا جنگجو دلاور کے ساتھ روبرو ہونے کی ضرورت پڑی وہاں علی علیہ السلام نے ہرگز پس و پیش سے کام نہیں لیا۔

دس سالہ مدنی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تقریباً ساٹھ ستر جنگیں لڑیں۔ ان تمام جنگوں میں امیرالمومنین علیہ السلام نے شرکت کی سوائے ایک جنگ کے جس میں خود رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ایک جوان جس کے گھر میں اس کے چہیتے اہل و عیال موجود ہیں اپنی پوری زندگی جنگی محاذوں میں گزار دیتا ہے اور اس کی ساری توانائیاں اسلام اور اسلامی نظام کی تقویت میں صرف ہوتی ہیں۔ آپ کی علیہ السلام دس سالہ مدنی زندگی مکمل طور پر اسی طریقے پر گزری۔ جہاں جہاں جانبازی و فداکاری کی ضرورت پڑتی وہاں علی ابن ابی طالب علیہ السلام حاضر ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی

پیغام پہنچانا مقصود ہوتا اور اس کا پہنچانا مشکل بھی ہوتا (جیسا کہ واقعہ برائت میں ہوا) تو وہاں امیرالمومنین علیہ السلام اپنی خدمات پیش کرتے تھے ✿ (۱۴)

سب کچھ اسلام کے لیے

اگر آپ امیرالمومنین علیہ السلام کی جوانی پر نظر کریں جو آپ نے مکہ میں یا مدنی زندگی کی ابتداء میں گزاری تھی (کیونکہ مدینہ آمد کے وقت بھی آپ جوان تھے اور آپ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی) تو آپ دیکھیں گے کہ آپ علیہ السلام کی جوانی ہر دور کے بہترین جوانوں کے لیے عالی ترین نمونہ عمل ہے۔ آپ کو جوانی کی خواہشات، دنیوی لذات اور عام جوانوں کے ہاں پسندیدہ جمالیات غرض پوری دنیا کی کوئی طلب نہیں تھی تو سوائے اس عظیم المرتبت ہدف کے جس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کا پورا وجود اس ہدف کے لیے وقف تھا۔ اس کے علاوہ ہر چیز کی حیثیت آپ کی نظر میں ثانوی تھی۔

✿ امیرالمومنین علیہ السلام واقعہ ' برائت اور مکہ والوں کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچانے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپ نے چاہا کہ آخری بار اتمام حجت کریں تاکہ دشمنوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے تمام عرب قبائل اور مشرکین کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا، عفو و درگذر کا وعدہ دیا اور انہیں اللہ کی بخشش کی امید دلائی۔ خط کے آخر میں آپ نے سورہ برائت تحریر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خط لکھنے کے بعد اپنے اصحاب سے کہا کہ ان میں سے کوئی اس خط کو مکہ پہنچانے کے لیے رضا کار بنے لیکن کوئی صحابی آگے نہیں بڑھا۔ ان کے چہروں پر خوف و ہراس کے سائے تیرنے لگے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورتحال کا مشاہدہ کیا تو ان میں سے ایک (حضرت ابوبکر) کو اپنے پاس بلایا اور یہ خط ان کے ساتھ روانہ کیا لیکن اس کے بعد جبرئیل نازل ہوئے اور خدا کا یہ پیغام لے آئے: اے محمد! یہ کام تو خود انجام دے یا وہ شخص جو تجھ سے ہو۔ پس رسول اللہ نے یہ مہم میرے حوالے کی تاکہ میں آپ کا خط اہل مکہ تک پہنچاؤں۔ پس میں مکہ آیا۔ آپ لوگ انہیں خوب پہچانتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور میرے ہر عضو کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیتے اگرچہ انہیں اپنی جان، مال اور گھرانے کی قربانی دینی پڑتی۔ اس کے باوجود میں نے رسول کا خط ان تک پہنچایا اور انہیں پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے دھمکی اور تندی کے ساتھ مجھے جواب دیا۔ ان کے مرد و زن (سبھی) بغض و عداوت اور دشمنی کا اظہار کر رہے تھے لیکن میں نے ثابت قدمی دکھائی (جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں۔) دیکھئے شیخ صدوق کی الخصال: جلد ۲، صفحہ ۳۶۴ نیز شیخ مفید کی الاختصاص: صفحہ ۱۶۸۔)

کس قدر عظیم بات ہے کہ ایک جوان ایک لحظے کے لیے بھی دنیا اور اس کی لذتوں کی طرف توجہ نہ دے بلکہ اپنی جوانی، اپنی طاقت، اپنے جوش و جذبے، اپنی تازگی اور اپنے جمال غرض اپنی ہر چیز کو خدا کی راہ میں قربان کردے۔ یقیناً یہ ایمان کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس سے بلند درجہ نہیں ہوسکتا۔ (۱۵)

راہ خدا میں جہاد

امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ نَقْتُلُ آبَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ نَاوَ اِخْوَانَنَا وَاَعْمَامَنَا مَا یَزِیْدُنَا ذالِكَ اِلَّا اِیْمَاناً وَ تَسْلِیْماً وَمضیاً عَلیٰ اللَّقم وَصَبْراً عَلیٰ مضَضِ الْاَلَمِ فَلَمَّا رَاَی اللّٰهُ صِدْقَنَا اَنْزَلَ بِعَدُّ وِنَا الکبت وَاَنْزَلَ عَلَیْنَاالنَّصْرَ... ❁

یعنی ہم خلوص دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اپنے رشتہ داروں اور خویش و اقارب کے مقابلے میں کھڑے ہوتے تھے اور اللہ کی خاطر ان سے جنگ کرتے تھے۔ جب ہم نے راہ خدا میں خلوص اور صدق دل کے ساتھ جدوجہد کی تو خدا نے اس کا مشاہدہ کیا اور ہمارے دشمن کی سرکوبی فرمائی نیز ہمیں فتح و نصرت سے نوازا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

مَا قَامَ لِلدِّیْنِ عَمُودٌ وَلَا اخْضَرَّ لِلْاِیْمَان عُوْدٌ

یعنی اگر یہ امور انجام نہ پاتے تو ایمان کی کوئی ٹہنی ہری نہ ہوتی اور دین کا کوئی ستون پابرجا نہ رہتا۔ (۱۶)

❁ نہج البلاغہ: خطبہ ۵۶، صفحہ ۹۱۔

کامیابی کا راز

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: عصر رسول میں ہم اس لیے کامیاب ہوئے کیونکہ اس دوران ہم نے مکمل جدوجہد کے ساتھ تکالیف اور مشکلات کا مقابلہ کیا۔

وَلَقَدْ کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ نَقْتُلُ آبَاءَ نَاوَاِخوَانَنَاوَاَعْمَامَنَا

یعنی اگر ہم میں سے کسی کا باپ یا بھائی یا چچا یا بیٹا ہمارے مقابلے میں آجاتا تو ہم اسے قتل کر ڈالتے تھے اور انہیں قتل کرنے پر ہمیں کوئی پشیمانی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہوتا تھا۔

مَا یَزِیدُ نَا ذالِكَ اِلَّااِیْمَاناً وَ تَسْلِیماً وَمَضْیاًعَلَی اللَّقم وَ صَبْراً عَلَی مَضَضِ الْاَلَمِ

یعنی ہمارے صبر واستقامت میں اضافہ ہوتا تھا۔

اگر کسی مسلمان کا کافر بیٹا حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح اس کے مقابلے پر آئے تو اس باپ کو چاہیے کہ مکمل دلجمعی اور عزم و ارادے کے ساتھ اس کی مخالفت کرے۔ اسی طرح کافر باپ، کافر ماں، کافر چچا اور کافر بھائی کی بھی مخالفت ضروری ہے۔ ایسے کافروں کے مقابلے میں فیصلہ کن موقف اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ مرد مومن کو بد دل اور افسردہ نہیں بناتا بلکہ اس کے شوق ایمانی میں اضافہ کرتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

عصر رسول میں ہمارا یہ کردار تھا۔ (۱۷)

تمام جنگی لشکروں کا سپریم کمانڈر

بعض محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں میں لشکر اسلام کی قیادت امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی جبکہ دیگر لوگ لشکر کے بعض حصوں کی کمان سنبھالتے تھے۔ چونکہ عسکری قیادت کا معیار، میزان اور مظہر جھنڈے

ہوتے تھے اس لیے رسول کریم ﷺ ہمیشہ اصلی پرچم امیر المومنین علیہ السلام کو تھماتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ علی علیہ السلام میرِ لشکر ہیں۔ ✽ (۱۸)

جنگ خندق کا رضا کار جانباز

مدنی زندگی کے دوران جہاں جہاں خطرہ موجود ہوتا وہاں علی علیہ السلام حاضر رہتے تھے۔ جنگ خندق میں جب ہر ایک نے اپنا سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں تو اس وقت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ آپ نے شجاعت کا پیکر بن کر رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کیا۔ ✽ اسلام اور حق کے دفاع کا ذمہ دار ہونے کے علاوہ آپ کی نگاہوں میں اپنی کوئی اور حیثیت نہ تھی۔ حق کا دفاع آپ کا سب سے بڑا ہدف اور مقصد تھا۔ اگر انسانوں کے درمیان اس طرح کی ہستیاں وجود میں آئیں تو وہ دنیا کو ظلم و جور سے نجات دلا سکتی ہیں۔ انسان کی عمر، صلاحیتیں اور قوتیں محدود ہوتی ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ انہیں ایک قیمتی سرمائے کی طرح حق کے حوالے کرے اور اللہ کی امانت سمجھے۔

علی علیہ السلام کے پیروکاروں کا طرزِ عمل یہی ہے۔ اس کے برخلاف کھانے پینے، عیش و آرام، خانہ و کاشانہ، جاہ وجلال، مقام و منصب اور دیگر دنیوی اہداف و مقاصد کے دلدادہ لوگ ان زنجیروں سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کر سکتے اور جادۂ حق پر اہل حق کی طرح گامزن نہیں ہو سکتے جس کا نتیجہ آج دنیا میں ہمارے سامنے ہے۔ (۱۹)

✽ منقول ہے کہ حضرت عمر کی تعین کردہ چھ رکنی کمیٹی کے سامنے اپنی خلافت کے حق میں دلیل دیتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام نے اراکین شوریٰ سے پوچھا: نَشَدْتُكُمُ اللّٰهَ هَلْ كَانَ فِيكُمْ اَحَدٌ صَاحِبَ رَايَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ (مُنْذُ يَوْمِ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلىٰ يَوْمِ قَبَضَهُ) غَيْرِیْ؟ قَالُوا: اَللّٰهُمَّ لَا۔ میں آپ لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں: کیا میرے سوا آپ کے درمیان کوئی ایسا ہے جو (رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک) رسولؐ کا پرچمدار رہا ہو؟ اراکین شوریٰ نے کہا: خدا کی قسم نہیں۔ (دیکھئے المسترشد: صفحہ ۵۷، نیز شیخ طوسی کی الامالی، صفحہ ۵۴۹، حدیث نمبر ۱۱۶۸)

✽ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کی لڑائی کا واقعہ خود امام کی زبانی ضمیمہ نمبر ۵ میں ملاحظہ ہو۔

جنگِ خندق: علوی اخلاق کی جلوہ گاہ

عمرو بن عبدود نے امیر المومنین علیہ السلام کی جو اہانت کی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا رومؒ لکھتے ہیں:

او خدو انداخت بر روی علی　　　افتخار ہر ولی و ہر وصی

اس نے علی کے چہرے کی طرف تھوکا۔ یہ وہی علی ہے جو فخر اولیاء و اوصیاء ہے۔ (پھر امیر المومنین کھڑے ہوئے اور آمادہ جنگ ہوئے۔)

گفت من تیغ از پئے حق می زنم　　　بندۂ حقم نہ ما مور تنم ❁

فرمایا: میں حق کی راہ میں تلوار چلاتا ہوں۔ میں بندۂ حق ہوں، اپنے تن کا غلام نہیں ہوں۔ (۲۰)

فاتحانہ واپسی

میدان جنگ سے واپسی امتحان و آزمائش کا ایک اہم موقع ہوتی ہے۔ آیئے دیکھیں کہ امیر المومنین علیہ السلام جو بہت سے کارناموں کے حامل تھے اس قسم کی صورتحال میں کیا روش اختیار کرتے تھے؟ کچھ لوگ ایسے مواقع پر خوب لاف زنی کرتے ہیں۔ بقول قرآن:

وَيُحِبُّونَ اَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

وہ ان کاموں پر اپنی تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں جو انہوں نے کیے ہی نہ ہوں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ✿

❁ عمرو بن عبدود کی طرف سے امیر المومنین علیہ السلام کی اہانت، اس اہانت پر امیر المومنین علیہ السلام کا ردعمل نیز اس بارے میں مولانا روم کے اشعار ضمیمہ نمبر ۶ میں ملاحظہ ہوں۔

✿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوا وَيُحِبُّونَ اَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۱۸۸) جو لوگ اپنے (برے) اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور ان کاموں پر اپنی تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں جو انہوں کیے ہی نہ ہوں ان لوگوں کے بارے میں گمان نہ کر کہ وہ عذاب سے چھٹکارا پائیں گے۔ ان کے لیے تو ایک دردناک عذاب ہے۔

پس تو ہرگز گمان نہ کر کہ وہ عذاب کے دہانے سے دور ہیں۔

لیکن میدان جنگ سے امیر المومنین علیہ السلام کی واپسی کا انداز کچھ اور تھا۔ آپ تواضع اور فروتنی کی تصویر بن کر، کسی قسم کی پاداش کی توقع لئے بغیر نیز اپنی بہادری جتائے بغیر سر جھکا کر واپس آئے۔ اپنی تاریخی شمشیر زنی کے باوجود آپ کسی اجر و پاداش کے طلبگار نہیں تھے۔(۲۱)

جنگ تبوک

دس سالہ مدنی زندگی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقفے وقفے سے مسلسل جنگیں لڑتے رہے۔ ان جنگوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ کچھ مہینوں کا وقفہ ہوتا تھا۔ یوں یہ دس سال جنگوں کی نذر ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ جنگوں کا سامنا رہا۔ دس سالہ مدنی زندگی جنگی منصوبہ بندی کرنے، جنگ کی تیاری کرنے اور دشمنوں کے حملوں کا جواب دینے میں صرف ہوئی۔

بنا بریں اسلامی معاشرہ اس بات پر مجبور تھا کہ ہمیشہ مسلح، بیدار اور ہوشیار رہے تاکہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں چیر پھاڑ کا شکار، ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ نہ ہو۔ ان حالات میں امیر المومنین علیہ السلام کیا کردار ادا کرتے؟ اسلامی تاریخ میں جن جنگوں کا ذکر ملتا ہے ان سب میں امیر المومنین علیہ السلام نے شرکت کی سوائے ایک جنگ کے جس میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا: آپ کو مدینہ میں رہنا ہوگا۔ امیر المومنین علیہ السلام محزون ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کے سامنے امیر المومنین علیہ السلام نے ہرگز ذرہ برابر پس و پیش نہیں کی تھی لیکن چونکہ یہاں خدا کے دشمنوں سے پنجہ آزمائی کا مسئلہ درپیش تھا اس لیے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (شاید بطور شکایت) سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں مدینہ میں رہوں؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا تَرْضَىٰ اَنْ تَكُونَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسىٰ ❁

کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی؟

چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملاقات کی خاطر (کوہ طور پر) چلے گئے تو ہارون کو لوگوں کے درمیان اپنا جانشین بنا گئے۔

اس بیان کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیرالمومنین علیہ السلام کو دلاسا دیا کہ جنگ میں آپ کی عدم شرکت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے آپ کو اہمیت نہیں دی بلکہ آپ کو وہ عزت حاصل ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ میرے ہارون ہیں۔(۲۲)

❁ ابوسعید خدری کا بیان ہے:

غزوہ تبوک کے لیے روانگی کے وقت رسول اللہ نے علی سے فرمایا: آپ مدینہ میں میرے جانشین کے طور پر رہیں۔ علی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ عرب لوگ کہیں :علی نے اپنے ابن عم کی مدد نہیں کی اور اس کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کی۔ پیغمبر نے فرمایا: کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ میرے جانشین بنیں جس طرح ہارون موسیٰ کے جانشین تھے؟

علی نے عرض کی: کیوں نہیں۔ تب رسول اللہ نے فرمایا: پس آپ مدینہ میں میرے جانشین کے طور پر رہیں۔ (دیکھئے تاریخ دمشق جلد۱، نمبر ۴۱۶، ۴۲۳، ۴۳۲ نیز ابن مغازلی کی المناقب، صفحہ ۲۹، نمبر ۴۳، نیز مجمع الزوائد، جلد ۹، صفحہ ۱۰۹، اور بحارالانوار، جلد ۳۷، صفحہ ۲۵۵۔)

چوتھی فصل

■ آفتاب رسالت کے غروب ہونے کے بعد

تلخ ترین ایام

رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ ہی امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کے تلخ ترین ایام کا آغاز ہوا۔ یہ تلخ دور تیس سالوں پر محیط تھا۔ وہ دور بہت پر لطف اور شیرین تھا جب رسول کریم ﷺ زندہ تھے اور مومنین آپ کے زیر سایہ جہاد کرتے تھے۔ رحلت رسول کے ساتھ ہی یہ دور اختتام پذیر ہوا اور ایک تلخ دور کی ابتدا ہوئی۔❁ اس کے بعد وقفے وقفے سے فتنوں کے بادل آنکھوں کو اس طرح تاریکی سے ہمکنار کرنے لگے کہ سامنے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور ایک ایک قدم اٹھانا دشوار تھا۔

ان سنگین حالات میں امیرالمومنین علیہ السلام نے ایثار و فداکاری کے عظیم ترین باب رقم کیے۔ رحلت رسول کے ساتھ ہی امیرالمومنین علیہ السلام اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔✿ آپؑ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ (سقیفہ میں) کچھ لوگ جمع

❁ رحلت رسول کے المناک سانحے کی شدت کے بارے میں امیرالمومنین علیہ السلام کا بیان ضمیمہ نمبر ۲ میں ملاحظہ ہو۔

✿ پیغمبر اکرم ﷺ کی وصیت کی رو سے آپ کی تجہیز، تکفین اور تدفین وغیرہ کی ذمہ داری علی علیہ السلام پر عائد ہوتی تھی۔ اس کے بعد قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری بھی آپؑ کو سونپی گئی تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بعد آپ علیہ السلام فوراً قرآن کو جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔

ہیں جو عالمِ اسلام کے مستقبل کی حکومت اور مسلمانوں کے اقتدار کی تقدیر رقم کر رہے ہیں لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کو جس چیز کی پروا نہیں تھی وہ ان کی اپنی ذات تھی۔ (۲۳)

ایک سنگین ذمہ داری

رحلت رسول کے فوراً بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے (سقیفہ کی) فیصلہ کن، حساس اور اہم نوعیت کی نشست میں شرکت نہیں کی۔ اگر امیرالمومنین علیہ السلام سقیفۂ بنی ساعدہ کی نشست میں شرکت فرماتے تو شاید عالم اسلام کی تقدیر کچھ اور ہوتی اور خلافت کا منظر مختلف ہوتا۔ ایسے حساس موقعے پر سب کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ حکومت کی لگام کس کے ہاتھ آئے گی۔ لیکن علی علیہ السلام اپنے آپ کو اس گرداب سے باہر رکھتے ہیں۔علی علیہ السلام اس وقت غائب ہیں جب سارے لوگ مستقبل کے بارے میں اپنے ممکنہ کردار کا مشاہدہ کرنے کے لیے میدان میں حاضر ہیں۔ اس وقت علی علیہ السلام ایک زیادہ اہم اور زیادہ مقدس ذمہ داری نبھانے میں مشغول ہیں۔ یہ ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز، تکفین، تدفین اور آپ کی وصیت پر عملدرآمد (یعنی قرآن کی جمع آوری) سے عبارت ہے۔ ۞ (۲۴)

پرامن کنارہ کشی

جب حضرت ابوبکر کی خلافت پختہ ہوگئی اور لوگوں نے ان کی بیعت کر لی اور جو ہونا تھا ہو چکا تو امیرالمومنین علیہ السلام کنارہ کش ہوگئے۔ اس کے بعد آپؑ کا کوئی ایسا بیان سامنے نہیں آیا جو حکومتِ وقت سے ٹکراؤ اور محاذ آرائی کا آئینہ دار ہو۔البتہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ابتدائی دنوں میں یہ کوشش ضرور کی کہ جو چیز آپ کی نظر میں برحق اور واجب العمل تھی اس کی حاکمیت برقرار ہو ۞ لیکن جب آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ بیعت کر چکے ہیں،

۞ رحلت رسول کی مصیبت پر صبر نیز امیرالمومنین علیہ السلام کی دو اہم ذمہ داریوں یعنی تدفین رسول اور جمعِ قرآن کے بارے میں امیرالمومنین علیہ السلام کے کلام سے آشنائی کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۸۔

۞ امیرالمومنین علیہ السلام اتمام حجت کی خاطر ایک عرصے تک خلیفہ اول کی بیعت کی مخالفت کرتے رہے۔ حکومتِ وقت اور امام کے درمیان اعتراضات کا تبادلہ بھی ہوا۔ علاوہ ازیں امام علیہ السلام نے اصحاب رسول کی توجہ (اپنی وصایت ←

پانی سر سے گزر چکا ہے اور حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے ہیں تو اب آپ نے ایک ایسے انسان کا موقف اپنایا جو اپنے تحفظات اور اعتراضات کے باوجود حکومتِ وقت کے لیے خطرہ بننے اور نقصان پہنچانے پر آمادہ نہ ہو۔

اس دوران امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَیْرِیْ

تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں۔

وَاللّٰهِ لَاُسْلِمَنَّ مَاسَلِمَت اُمُوْرُ الْمُسلِمِینَ

اللہ کی قسم ! جب تک مسلمانوں کے امور سلامتی کے ساتھ چلتے رہیں گے اور جب تک میں یہ دیکھوں کہ کسی پر ظلم نہیں ہو رہا ہے اس وقت تک میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھا رہوں گا۔

وَلَمْ یَکُنْ فِیهَا جَورٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّةً۔

جب تک میرے سوا دوسروں پر ظلم نہ ہو رہا ہو، معاشرے میں ظلم و جور کی حکمرانی نہ ہو اور ظلم صرف میرے اوپر ہو رہا ہو تب تک میں کسی سے سروکار نہیں رکھوں گا اور کوئی مزاحمت یا اعتراض نہیں کروں گا۔ ❁ (۲۵)

← کے بارے میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی طرف مبذول کرنے اور ان لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس بارے میں امام علی علیہ السلام کے فرمودات "حیاتِ امیرالمومنین" نامی کتاب کی دوسری جلد میں جمع کئے گئے ہیں۔ شائقین اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

❁ یہ امیرالمومنین علیہ السلام کے خطبے کا ایک حصہ ہے۔ یہ خطبہ آپؑ نے اس وقت دیا جب چھ رکنی خلافت کمیٹی کے اراکین حضرت عثمان کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ فرمایا: تم لوگ بخوبی جانتے ہو کہ میں دوسروں سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں۔ اس کے باوجود اللہ کی قسم میں اس وقت تک مسالمت آمیز رویہ اپنائے رکھوں گا اور علمِ مخالفت بلند نہیں کروں گا جب تک مسلمانوں کے امور بسلامت چلتے رہیں اور میرے سوا کسی پر ظلم نہ ہو رہا ہو کیونکہ میں خدا ←

عظیم تر مصالح کی رعایت

جو انسان اپنے آپ کو کسی منصب کا حقدار سمجھتا ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ اگر اسے اقتدار مل جائے تو اسلامی معاشرہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا نیز وہ یہ بھی یقین رکھتا ہو کہ دوسرے لوگ اس منصب کے اہل نہیں ہیں اس کے باوجود وہ عظیم تر اجتماعی مصالح کی خاطر اپنے حق سے چشم پوشی کرے تو یہ ایک غیر معمولی عظیم کارنامہ محسوب ہوگا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے یہی کارنامہ انجام دیا تھا۔

البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے حق کا کوئی دفاع نہ کیا ہو کیونکہ یہ بھی اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنا حق جتایا لیکن جب آپؑ نے دیکھا کہ اب اپنے حق کے دفاع کا فائدہ نہیں رہا اور اس جنجال آمیز جھگڑے کو جاری رکھنا عالم اسلام کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے تو آپ نے خاموشی اختیار کر لی اور پچیس سالوں تک خلفائے ثلاثہ کے ساتھ نباہ کرتے رہے۔(۲۶)

سقوط سے بچاؤ کے لیے سکوت

رحلت رسول کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام پختہ عمر کی حد کو پہنچ گئے تھے نیز معاشرے کی معروف اور مسلمہ شخصیت بن چکے تھے۔ سب آپ کا احترام کرتے تھے۔ ہزاروں لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی آپؑ کی تعریف و تمجید سن رکھی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی امیرالمومنین علیہ السلام کے جتنے فضائل نقل ہوئے ہیں اتنے فضائل بظاہر کسی مسلمان محدث نے اس کیفیت و کمیت کے ساتھ کسی اور کی شان میں نقل نہیں کیے ہیں۔ البتہ دیگر اصحاب کے بھی بعض فضائل منقول ہیں لیکن میرا خیال نہیں کہ کسی بھی مسلمان فرقے سے تعلق رکھنے والے کسی بھی محدث نے امیرالمومنین علیہ السلام کے علاوہ کسی

← سے اس طرز عمل کی جزا کا خواہاں ہوں۔ میں اس چیز سے دل نہیں لگاؤں گا جس کے زرق و برق کی خاطر تم لوگ ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہو۔ (دیکھئے نہج البلاغہ: خطبہ ۷۴، صفحہ ۱۰۲۔)

اور کی شان میں اس کیفیت کے ساتھ اس قدر زیادہ فضائل نقل کیے ہوں۔

ان فضائل میں سے کوئی ایک فضیلت بھی کسی انسان کو خود بینی کا شکار بنانے، خود فریبی سے دوچار کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کی شناخت میں غلط فہمی و اشتباہ کا شکار بنانے کے لیے کافی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی علی علیہ السلام کے سینکڑوں فضائل کا اعلان ہونے کے باوجود امتحان و آزمائش کا تلخ مرحلہ آ گیا اور خلافت کا سنگین مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

یہ ایک واضح اور مسلمہ بات ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام خلافت کے مدعی تھے۔ اس بارے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا لیکن جب آپ علیہ السلام نے ملاحظہ کیا کہ عالم اسلام کا مفاد اس میں ہے کہ آپ اپنے حق سے آنکھیں موند لیں اور چپکے سے کنارے لگ جائیں تو آپ نے ایسا ہی کیا اور کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بالفاظ دیگر آپ علیہ السلام نے اپنے بے شمار فضائل کو نیز اپنے استحقاق اور اپنے مرتبہ و مقام کو جنہیں ہزاروں لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سن چکے اور سمجھ چکے تھے وقتی طور پر طاق نسیاں کی نذر کر دیا۔ البتہ یہ فضائل نہ فراموش ہو سکتے ہیں اور نہ بھلائے جا سکتے ہیں بلکہ یہ قیامِ قیامت تک باقی رہیں گے لیکن آپ علیہ السلام نے ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا یعنی آپ علیہ السلام ان تمام دلائل سے جو استحقاقِ خلافت اور دنیائے اسلام پر حکمرانی کی عظیم ذمہ داری کے معاملے میں آپؑ کے لیے مفید ہو سکتے تھے اس لیے دست بردار ہو گئے کہ ان کے سہارے قیام کرنے میں اسلام کے لئے بعض خطرات مضمر تھے۔

فَلَمَّا رَاَیْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعت تُرِیدُ مَحْق دِین مُحَمَّدٍ...

جب میں نے دیکھا کہ حالات خطرناک ہیں اور دین پیغمبر تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے تو میں نے اپنے ہاتھ سمیٹ کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ❁

❁ یہ کلمات امیر المومنین علیہ السلام کے ایک خط کے اقتباسات ہیں۔ آپؑ نے مصر کے لوگوں کے نام یہ خط اس ←

کیا ایک مخلص اور معزز سیاسی شخصیت جو اپنی نفسانی خواہشات کو لگام دینے کا خوگر ہو اس سے بڑھ کر اپنے نفس کو لگام دے سکتا ہے؟ کیا اس سے بہتر، اس سے واضح تر اور اس سے زیادہ حیرت انگیز موقف قابل تصور ہے؟ (۲۷)

ابوسفیان کی سازش کا جواب

جب خلافت تشکیل پا چکی (جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے) اور لوگ خلیفۂ اول کی بیعت کر چکے تو امیر المومنین علیہ السلام نے کنارہ کشی اختیار کر لی کیونکہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان عناصر کی تجاویز کو وقعت نہیں دی جو آپؑ کے ہاتھ میں تلوار تھما کر آپ کو خانہ جنگی کا علمبردار بنانا چاہتے تھے۔ اسی سلسلے میں ابوسفیان امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آیا تا کہ آپ کو حکمران طبقے کے خلاف قیام پر آمادہ کرے ❁ لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے ایک دندان شکن کلام جواب ذریعے اس کے حواس ٹھکانے لگائے اور خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرنے والوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ
وَعَرِّجُوا عَنْ طَرِيقِ الْمُنَافَرَةِ وَضَعُوا تِيجَانَ
الْمُفَاخَرَةِ ۔ أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ أَوِ اسْتَسْلَمَ
فَأَرَاحَ ۔ هٰذَا مَاءٌ آجِنٌ وَلُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا آكِلُهَا ✿

← وقت لکھا جب آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس خط میں آپ علیہ السلام نے رحلت رسول کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس خط کا پورا متن ضمیمہ نمبر ۹ میں ملاحظہ ہو۔

❁ ابوسفیان کے ساتھ امام علیہ السلام کی گفتگو ضمیمہ نمبر ۱۰ میں درج ہے۔

✿ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کر چکے اور بیعت کا معاملہ ختم ہو چکا تو حضرت عباس اور ابوسفیان نے امیر المومنین علیہ السلام کو بیعت کی پیشکش کی۔ امام علیہ السلام نے ایک خطبہ دیا جس میں آپؑ نے فرمایا: لوگو! نجات کی کشتیوں کے ذریعے فتنوں کی موجوں کا سینہ چاک کرو۔ منافرت کے پست راستے سے جدا ہو کر بلندیوں کی طرف پرواز کرو۔ باہمی فخر و مباہات کے تاجوں کو اتار پھینکو۔ کامیابی صرف دو قسم کے لوگوں کو نصیب ہوتی ہے: ایک وہ جن کی پشت پناہی کرنے والے مددگار موجود ہوں اور وہ مطلوبہ قوت کے ساتھ قیام کے ←

آپ نے فرمایا: میں کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور ان مسائل میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ آپ علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ خانہ جنگی کو قبول نہی کیا بلکہ انہیں نصیحت بھی فرمائی کہ تم نے جس اقتدار و رحکومت پر نگاہیں مرکوز کر رکھی ہین اور اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر اسے مطمح نظر بنا رکھا ہے وہ ایک بدبودار گندا پانی (ماء آجن) ہے اور گلے میں پھنسنے والا لقمہ (لقمة یغص بها آکلها) ہے جو خطرناک ہے۔

علی علیہ السلام نے انہیں اپنی شرعی ذمہ داریوں کی رعایت اور مسلمانوں کے مفادات کا خیال رکھنے کی تلقین کی۔ یہ آپ علیہ السلام کی وہی روش ہے جس پر آپؑ اپنی ساری زندگی عمل پیرا رہے۔ (۲۸)

← سہارے پرواز کریں۔ دوسرے وہ جو مسالمت آمیز طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنی افرادی قوت کو آرام کا موقع دیں۔

یہ حکومت اور اقتدار جس کے تم خواہاں ہو ایک بدبو دار گندا پانی اور گلے میں پھنسنے والا لقمہ ہے۔ جو شخص کچا میوہ توڑے وہ اس کسان کی طرح ہے جو کسی اور کی زمین میں بیج بوئے۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۵، صفحہ ۵۲)

پانچویں فصل

■ پچیس سالہ خاموشی کے باوجود سرگرم عمل

خلفاء کے ساتھ تعاون

امیر المومنین علیہ السلام خلافت کے مسئلے سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد روٹھ کر خانہ نشین ہوسکتے تھے، حکمران طبقے کے خلاف گڑ بڑ پھیلا سکتے تھے، ہر قسم کے مثبت کاموں کا بائیکاٹ کر سکتے تھے اور ایک ایسے غیر ذمہ دار حزب اختلاف کا کردار ادا کرسکتے تھے جسے لوگوں کے درمیان احترام، عام مقبولیت اور تقدس حاصل ہو لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اہل مصر کے نام اپنے ایک خط میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَمْسَکْتُ یَدِیْ حَتّٰی رَاَیْتُ رَاجِعَةَ النَّاس قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسلَام یَدْعُوْنَ اِلٰی مَحْقِ دِیْن مُحَمَّدٍ ❁

میں نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور کنارہ کشی اختیار کر لی لیکن میں نے اچانک دیکھا کہ عالمِ اسلام کو میری ضرورت ہے۔

❁ دیکھئے نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۶۲، صفحہ ۴۵۱۔ اس خط کا مکمل متن ضمیمہ نمبر ۹ میں ملاحظہ ہو۔

میں نے دیکھا کہ دین سے پھر جانے والے دینِ محمد کو مٹانا اور اسلامی معاشرے کو اختلاف کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا میں نے محسوس کیا کہ گوشہ نشینی جائز نہیں۔

فَنَهَضْتُ فِي تِلْكَ الْاَحْدَاثِ

پس ان حالات میں میں نے قیام کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خلفا کی مدد فرمائی اور ان کی مساعدت کی تاکہ اسلام کو خطرات سے محفوظ رکھیں۔ امام علیہ السلام نے یہاں بھی اپنے نفس امارہ کو پاؤں تلے کچل دیا اور ایک ایسے غیر ذمہ دار لیکن تقدس مآب حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے سے اجتناب کیا جو کسی کونے میں بیٹھ کر تنقید کرتا رہے اور ان لوگوں کی تضعیف کا سامان کرتا رہے جو وقتی طور پر حکومت چلا رہے ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام پوری قوت کے ساتھ میدان عمل میں اترے۔ آپؑ پچیس سالوں تک عالم اسلام کے جملہ چھوٹے بڑے حوادث میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہے۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی عالی ظرفی، ایثار، اغماض اور جذبہ قربانی کا ایک تابندہ نمونہ ہے۔ (۲۹)

گوشہ نشینی نامنظور

اس پچیس سالہ دور میں امیر المومنین علیہ السلام نے خلفاء کے ساتھ محاذ آرائی سے اجتناب کیا اور ان کا مقابلہ نہیں کیا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

جب میں نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ میرے اور میرے رقیبوں کے درمیان کشمکش کا متحمل نہیں ہوسکتا تو میں نے (حکومت سے) کنارہ کشی اختیار کر لی۔

یہ کنارہ کشی ۲۵ سالوں تک جاری رہی۔ البتہ کنارہ کشی کا مطلب گوشہ نشینی ہرگز نہ تھی۔ یہ کہنا کہ آپ علیہ السلام پچیس سالوں تک گوشہ نشین رہے غلط ہے۔ آپؑ ہرگز گوشہ

نشین یا خانہ نشین نہیں رہے بلکہ آپؑ ہمیشہ میدان عمل میں موجود رہے، ذمہ داریاں قبول کرتے رہے، تحویل شدہ ذمہ داریاں نبھانے کے لیے باہر نکلتے رہے، مشورہ دیتے رہےاور مختلف منصوبوں پر عملدرآمد کرتے رہے۔کوئی یہ خیال نہ کرے کہ امیرالمومنینؑ روٹھ کر خانہ نشین ہوگئے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ آپؑ ہمیشہ بہترین مشیر کا کام انجام دیتے رہے۔ (۳۰)

ذمہ داریوں سے آگاہ وزیر

امیرالمومنینؑ خلفاء کے پچیس سالہ دور میں اپنے فعال کردار کو وزارت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔قتل عثمان کے بعد جب لوگ امیرالمومنینؑ کو خلیفہ منتخب کرنے کے لیے آئے تو آپؑ نے فرمایا:

> میرا وزیر ہونا امیر ہونے سے بہتر ہے۔ مجھے حسبِ سابق
> وزیر رہنے دو۔ ❁

امامؑ اپنے پچیس سالہ کردار کو وزارت کا نام دیتے ہیں کیونکہ آپؑ برسرِ اقتدار خلفاء اور حکمرانوں کی مدد کرتے رہے تھے۔ یہ ایک زبردست اور عظیم ایثار تھا۔ انسان یہ دیکھ کر سچ مچ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے اس معاملے میں کس قدر ایثار کا ثبوت دیا تھا۔اس پورے پچیس سالہ دور میں امامؑ نے حکومت کا تختہ الٹنے،

❁ جب حضرت عثمان کے قتل کے بعد لوگ امیرالمومنینؑ کے پاس آئے اور آپ کو حکومت قبول کرنے کی پیشکش کرنے لگے تو آپؑ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمایا: ''مجھے معاف ہی رکھو۔اس خلافت کے لیے میری بجائے کوئی اور ڈھونڈ لو۔ ہمارے سامنے ایک ایسا بحران ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں ۔اسے نہ دل برداشت کرسکتے ہیں اور نہ عقلیں تسلیم کرسکتی ہیں۔ دیکھو افق عالم پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور راستہ پہچاننے میں نہیں آرہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری تجویز مان لوں تو میں تمہیں اس راستے پر گامزن کروں گا جو میرے علم میں ہے ۔میں اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا۔ اگر تم میری جان چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسے میں بھی رہوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں۔ میرا تمہارے (دنیوی مفاد کے) لیے امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر۹۲)

بغاوت کرنے، مقابلہ کرنے اور حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت امیر المومنینؑ تینتیس سالہ جوان تھے۔ آپؑ کی جوانی اور جسمانی قوت جوبن پر تھی، جوانی کا جوش و جذبہ موجزن تھا، آپ علیہ السلام لوگوں کے درمیان محبوب تھے، ذہین و فطین تھے، بے پناہ علم کے حامل تھے اور ایک انسان میں جتنے کمالات ممکن ہیں وہ سب آپ علیہ السلام کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اگر آپؑ کوئی باغیانہ اقدام کرنا چاہتے تو یقیناً کر سکتے تھے لیکن آپ علیہ السلام نے ان پچیس سالوں میں اسلامی معاشرے کے عمومی اور کلی مصالح ومفادات کی حمایت و حفاظت اور خدمت خلق کے علاوہ کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ (۳۱)

امانتدار مشیر

حضرت عمر کے دور خلافت میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایران کے بہت سے صوبوں پر قبضہ ہو جانے کے بعد کچھ لوگوں نے بعض صوبوں میں دوبارہ سر اٹھایا اور ایک بڑا لشکر تیار کیا پھر وہ مسلمانوں سے لڑنے نکلے۔ یہ ایک کڑا وقت تھا چنانچہ خلیفۂ دوم نے تمام لوگوں کو مسجد میں جمع کیا، صورتحال سب کے سامنے رکھی اور مشورہ طلب کیا۔

اہم شخصیات میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا: آپ خود ایک منجھے ہوئے تجربہ کار شخص ہیں۔ میری تجویز ہے کہ آپ ایک لشکر روانہ کریں اور خود بھی لشکر کے محور کے طور پر نکلیں تا کہ بغاوت کا قلع قمع ہو۔اس کے بعد آپ مدینہ واپس آئیں۔ یہ تجویز طلحہ کی تھی۔ ❁

ایک اور بزرگ نے کہا: میرے خیال میں آپ کو یہ حکم صادر کرنا چاہیے کہ مختلف شہروں اور مختلف مفتوحہ ممالک (مثلاً روم، شام اور فلسطین) سے ہمارے لشکر آئیں تا کہ ہم ایک عظیم فوج جمع کر سکیں پھر ہم انہیں بھیج کر بغاوت کی سرکوبی کریں۔ ✿

❁ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد ۹، صفحہ ۱۰۰۔

✿ یہ تجویز خلیفۂ سوم حضرت عثمان کی تھی۔

اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، ان میں سے کوئی تجویز فائدہ مند نہیں۔ اگر خلیفہ بذات خود اس مہم میں شرکت کریں تو دشمن کہیں گے: ''ھٰذا اَصْلُ الْعَرَبِ'' یا ''ھٰذا رَجُلُ الْعَرَبِ'' یعنی عربوں کا محور یا ان کی جڑ یا عرب کا مرد آہن یہی تو ہے جو یہاں آیا ہے۔ لہٰذا آؤ مل کر اس کا خاتمہ کریں۔ پس اگر آپ بنفس نفیس شریکِ جنگ ہوں گے تو وہ کوشش کریں گے کہ کمر ہمت باندھ کر آپ کا خاتمہ کریں تاکہ سارا مسئلہ ہی ختم ہو جائے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر خلیفہ مارا جائے تو پورا نظام حکومت ہی منہدم ہو جائے گا۔

رہی یہ تجویز کہ ہم مفتوحہ علاقوں سے اپنا لشکر جمع کریں تو یہ بھی قرین مصلحت نہیں ہے کیونکہ اگر ہم ان علاقوں سے اپنا لشکر بلالیں تو ان علاقوں میں بھی بدامنی پھیل جائے گی۔ بنابریں صحیح راستہ یہی ہے کہ آپ خود مدینہ میں رہیں اور بصرہ والوں کو تین حصوں میں تقسیم کریں۔ ایک حصے کو بصرہ کے امور چلانے پر مامور کریں، دوسرے حصے کو میدان جنگ کی طرف جانے والے سپاہیوں اور مجاہدین کی مدد پر مامور کریں اور ان کے ایک تہائی حصے کو جنگ کے لیے روانہ کریں۔

حضرت عمر نے یہ تجویز پسند کرلی اور کہا: یہ تجویز بہت عمدہ ہے پھر اسی پر عمل کیا۔❁

حضرت عثمان کے گھر کے محاصرے اور دیگر واقعات میں امیرالمومنین علیہ السلام نے زبردست مثبت کردار ادا کیا یہاں تک کہ لوگوں کو شورش سے روکنے میں بھی آپؑ نے گرانقدر خدمات انجام دیں✿ کیونکہ امام ایسے فرد نہیں تھے جو روٹھ کر کنارہ کش ہو جاتے

❁ امیرالمومنین علیہ السلام اور خلیفہ دوم کی گفتگو کا مکمل متن ضمیمہ نمبر ۱۱ میں ملاحظہ ہو۔

✿ جس وقت حضرت عثمان انقلابیوں کے محاصرے میں تھے اس وقت انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کے نام ایک خط لکھا جس میں آپؑ سے کہا گیا تھا کہ آپؑ چند روز کے لیے مدینہ سے باہر ینبع نامی گاؤں میں زرعی زمینوں کی دیکھ بال کے بہانے چلے جائیں تاکہ انقلابیوں کے درمیان آپؑ کا نام مستقبل کے خلیفہ کے طور پر زیادہ زیر بحث نہ آئے۔ حضرت عثمان نے کئی بار آپؑ سے یہ تقاضا کیا تھا لیکن جب آپ علیہ السلام چلے گئے اور شہر کے حالات زیادہ خطرناک ہو گئے تو خلیفہ نے آپؑ سے مدینہ واپسی اور مشکلات کو حل کرنے میں مدد دینے کی اپیل کی۔ اس کے ←

حالانکہ یہ حضرات آپؑ کے رقیب تھے اور یقیناً امیرالمومنین علیہ السلام تہہ دل سے انہیں (ان کے استحقاق کو) قبول نہیں کرتے تھے۔ امام علیہ السلام کے خطبہ شقشقیہ کی رو سے آپؑ کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ حضرات مسند خلافت کے حقدار نہیں تھے۔ ❁ اس کے باوجود چونکہ اسلام کا مفاد اس بات میں مضمر تھا کہ اختلاف وجود میں نہ آئے اس لیے آپ صبر وتحمل سے کام لیتے رہے۔ (۳۲)

چھ رکنی شوریٰ کے اندر بھی اصول پرستی کا مظاہرہ

خلیفہ دوم کی رحلت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق چھ رکنی کمیٹی وجود میں آ گئی۔ اس کمیٹی میں عبدالرحمٰن بن عوف ✿ سعد ابن ابی وقاص ❁ طلحہ ✿ زبیر ❁ عثمان ❁ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام شامل تھے۔ حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ یہ چھ افراد مل بیٹھ کر تین دنوں کے اندر ایک فرد کو خلیفہ مقرر کریں۔ ✦ یہ چھ افراد اس دور کے دو مختلف محاذوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک محاذ کا میلان بنی امیہ کی طرف تھا جبکہ دوسرے کا بنی ہاشم کی طرف۔ ان چھ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ طلحہ کا جھکاؤ

← بعد خلیفہ نے ایک بار پھر حضرت عبداللہ بن عباس کے ذریعے امامؑ کے پاس خط بھیجا اور آپؑ سے شہر چھوڑنے کا تقاضا کیا۔ اس دفعہ امام نے عبداللہ بن عباس سے فرمایا: اے ابن عباس! عثمان سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ میں پانی ڈھونے والے اونٹوں کی طرح مسلسل آتا جاتا رہوں۔ ایک بار اس نے تقاضا کیا کہ میں شہر سے نکل جاؤں۔ پھر پیغام بھیجا کہ لوٹ آؤں۔ اب پھر یہ کہا جا رہا ہے کہ میں شہر سے خارج ہو جاؤں۔ اللہ کی قسم میں نے اس قدر اس کی حمایت کی ہے کہ اب مجھے خوف آتا ہے کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ (نہج البلاغہ، کلام ۲۴۰، صفحہ ۳۵۸)

❁ خطبہ شقشقیہ امیرالمومنین علیہ السلام کا معروف خطبہ ہے جو اکثر شیعہ مآخذ اور اہل سنت کے بعض مآخذ میں مذکور ہے۔ یہ خطبہ آپؑ کی زندگی کے اواخر میں دیا گیا تھا۔ اس میں آپؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے واقعے پر جامع بحث کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کو صریحاً بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے نہج البلاغہ، خطبہ ۳، صفحہ ۴۸)

✿ عبدالرحمٰن بن عوف کے حالات زندگی ضمیمہ نمبر ۱۲ میں مذکور ہیں۔

❁ سعد بن ابی وقاص کے حالات زندگی سے آشنائی کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۱۳۔

✿ طلحہ بن عبداللہ کے حالات سے آشنائی کے لیے دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۱۴۔

❁ زبیر بن عوام کے حالات ضمیمہ نمبر ۱۵ میں ملاحظہ ہوں۔

❁ عثمان بن عفان کے حالات ضمیمہ نمبر ۱۶ میں درج ہیں۔

✦ شورائے خلافت کی تعیین کے بارے میں خلیفہ دوم کی وصیت کا متن ضمیمہ نمبر ۱۷ میں ملاحظہ ہو۔

بھی اسی طرف تھا۔ زبیر امیرالمومنین علیہ السلام کے رشتہ دار تھے اور سعد بن ابی وقاص بھی اس طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ طلحہ حضرت عثمان کے حق میں اور زبیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاص نے اپنے ووٹ کا حق عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا۔

ان میں سے حضرت عثمان اور حضرت علی کی طرف ان کی نظریں زیادہ مرکوز تھیں۔ ان دونوں کا بھی ایک ایک ووٹ تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس دو ووٹ تھے۔ اگر وہ علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو آپؑ کی طرف چار ووٹ بنتے اور حضرت عثمان کی طرف دو ووٹ رہتے لیکن اگر عبدالرحمٰن حضرت عثمان کی بیعت کرتے تو ان کے چار ووٹ بنتے اور امیرالمومنینؑ کے دو۔

خلاصہ یہ کہ عبدالرحمٰن کے ووٹ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔ عالم اسلام میں امیرالمومنین علیہ السلام کی برتری تقریباً ایک واضح اور مسلمہ بات تھی لیکن عبدالرحمٰن نے پہلے امیرالمومنین علیہ السلام کا رخ کیا اور کہا:

> اے علی! اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایئے تا کہ میں آپؑ کی بیعت کروں بشرطیکہ آپ قرآن، سنت رسول اور سیرتِ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کریں۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

> تم اللہ کی کتاب اور سنت رسول پر عمل کی شرط کے ساتھ میری بیعت کرو تو ٹھیک ہے کیونکہ میرے لیے یہی دو چیزیں حجت ہیں۔ شیخین کا طرزِ عمل ان دونوں کا اجتہاد تھا جو میرے لیے حجت نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا:

> نہیں میں یوں بیعت نہیں کروں گا۔

پھر عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا:

میں آپ کی بیعت کرتا ہوں بشرطیکہ آپ اللہ کی کتاب،
رسول اللہ کی سنت اور شیخین کی سیرت پر عمل کریں۔
حضرت عثمان نے کہا:
مجھے منظور ہے۔

اس کے باوجود عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کی بیعت نہیں کی اور دوبارہ امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف پلٹ کر پھر وہی تجویز سامنے رکھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنا سابقہ موقف دہرایا۔ پھر عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کے سامنے وہی تجویز رکھی تو انہوں نے تجویز دوبارہ مان لی۔

عبدالرحمٰن نے تیسری بار امیرالمومنین علیہ السلام کو وہی پیشکش کی تو آپؑ نے فرمایا:
میرے لئے تو صرف اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت
حجت ہیں۔ ان کے علاوہ میرے لیے کوئی چیز حجت نہیں۔
اس کے بعد عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے پھر وہی بات کہی
تو انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ تب انہوں نے حضرت عثمان
کی بیعت کی۔ یوں وہ خلیفہ بن گئے۔ ❁

❁ یعقوبی اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں: عبدالرحمٰن بن عوف نے علی ابن ابی طالب سے کہا: کیا آپ اللہ کے سامنے عہد کریں گے کہ اگر ہم نے خلافت آپ کے سپرد کی تو آپ اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کریں گے؟ علی نے اس کے جواب میں فرمایا: میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور سنت رسول کے مطابق حتی المقدور عمل کروں گا۔ اَسِیرُ فِیکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَ سُنَّۃِ نَبِیِّہٖ مَااسْتَطَعْتُ عبدالرحمٰن نے عثمان کا رخ کیا اور کہا: کیا آپ اللہ کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ اگر ہم نے خلافت آپ کے حوالے کی تو آپ اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے؟ عثمان نے جواب دیا: ہاں میں عہد کرتا ہوں کہ میں کتابِ خدا، سنتِ رسول اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کروں گا۔

عبدالرحمٰن نے دوسری بار علی اور عثمان کے سامنے اپنی پیشکش دہرائی۔ پہلے کی طرح علی نے نفی میں اور عثمان نے اثبات میں جواب دیا۔ عبدالرحمٰن نے تیسری بار علی کے سامنے اپنی بات دہرائی۔ علی نے جواب دیا: اِنَّ کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ لَا یُحْتَاجُ مَعَھُمَا اِلیٰ اَجِیْرِی اَحَد ۔ اَنْتَ مُجْتَھِدٌ اَنْ تَزْوِیَ ھذَا الْاَمْرَ عَنِّیْ کتاب خدا اور سنت رسول اس قدر جامع اور کامل ہیں کہ ان کی تکمیل کے لیے کسی اور ضمیمے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تو اس شرط کے ذریعے مجھے خلافت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے یہ جواب سن کر تیسری بار عثمان کو بیعت کی ←

جس شخص کا اصلی ہدف ہی حکومت کا حصول ہو وہ
اس مقصد تک رسائی کے لیے وقتی طور پر ہر قسم کی شرط
تسلیم کرتا ہے اگر چہ اسے دل سے قبول نہ کرتا ہو۔ وہ
دل میں یہ سوچتا ہے:
ابھی تو بہر حال قبول کرتا ہوں پھر جب اقتدار پر قبضہ کرلوں
گا تو اپنی مرضی کے مطابق عمل کروں گا۔

اس کا اصل مقصد حصول اقتدار ہوتا ہے۔ البتہ میں حضرت عثمان پر الزام لگانا نہیں چاہتا کہ ان کا اصل مقصد اقتدار پر قبضہ جمانا تھا۔ ممکن ہے ان کا عقیدہ ہی یہ ہو کہ شیخین کی سیرت پر عمل ضروری ہے لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا عقیدہ یہ نہ تھا۔ آپؑ حکومت چلانے کے لیے شیخین کی سیرت پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ آپؑ نے اپنے اس عقیدے کو کسی لیپ پوت کے بغیر صریحاً بیان فرمایا۔

یوں آپؑ حکومت سے محرومی پر آمادہ ہوئے۔ آپؑ نے اس اقتدار کو جو آپؑ کی نظر میں آپؑ کا قطعی حق تھا سالہا سال کے لیے کسی اور کے ہاتھوں جاتے دیکھنا گوارا کرلیا جبکہ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ محرومی کتنے سالوں پر محیط ہوگی۔ ممکن تھا کہ حضرت عثمان مزید پچیس سال حکومت کرتے جیسا کہ وہ بارہ سال حکومت کرتے رہے، یہ اور بات ہے کہ وہ قتل ہوگئے۔ اگر وہ قتل نہ ہوتے تو شاید زندہ رہتے اور مزید دس سال حکوت کرتے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا مقصد اقتدار نہیں تھا۔ جو لوگ اقتدار کے پجاری ہوتے ہیں وہ آسانی کے ساتھ اصولوں سے اور اپنے دین سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں دین کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم دنیا میں عام طور پر اس بات کا

← پیشکش کی۔ عثمان نے ابوبکر و عمر کی سیرت پر چلنے کی شرط قبول کر لی۔ یوں وہ خلیفہ بن گئے۔ (دیکھئے تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۱۶۲۔)

مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں اس قسم کے لوگ دین سے دست بردار ہوجاتے ہیں جبکہ غیر اسلامی معاشروں میں لوگ مثبت اقدار سے دست بردار ہوتے ہیں۔(۳۳)

چھٹی فصل

■ خلافت عثمانی کے خلاف بغاوت

امام کی نپی تلی پالیسیاں

حضرت عثمان کے دورِ حکومت کے بارہ سال گزر چکے تو ان پر اعتراضات کی شرح میں اضافہ ہونے لگا۔ سارے مسلمان مورخین نے (خواہ شیعہ ہوں یا سنی) لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے آخری دور میں ان پر اعتراض و تنقید میں اضافہ ہوا تھا۔❁

مخالفین ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔✿ کچھ مخالفین مصر سے، کچھ عراق سے، کچھ بصرہ سے اور کچھ دیگر علاقوں سے مدینہ آئے تھے۔ یوں ان کی کافی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔ انہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور خلیفہ کی جان

❁ طبری لکھتے ہیں: جب لوگ عثمان کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کی اصلاح سے مایوس ہوگئے تو مدینہ میں موجود اصحاب رسول نے دیگر شہروں کے بزرگوں کو خطوط لکھے۔ انہوں نے سرحدی علاقوں میں موجود اصحاب کو بھی اطلاع دی کہ آپ لوگ راہ خدا میں جہاد کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور دور ترین علاقوں میں دین محمد کی نشر و اشاعت میں مشغول ہیں جبکہ شہر مدینہ میں دین محمد متروک ہوچکا ہے اور فساد و خرابی نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا آپ جلد سے جلد مدینہ پہنچ جائیں اور دین محمد کی حفاظت کے لیے چارہ اندیشی کریں۔

ان خطوط کے نتیجے میں عظیم اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مدینہ واپس آئی اور حکومت پر تنقید میں شدت آگئی یہاں تک کہ حضرت عثمان قتل کردیے گئے۔ (تاریخ طبری، جلد ۳، صفحہ ۴۰۰۔)

✿ حضرت عثمان پر کیے گئے اعتراضات ضمیمہ نمبر ۱۸ میں ملاحظہ ہوں۔

خطرے میں پڑ گئی۔

ان حالات میں امیر المومنینؑ کیا طرز عمل اختیار فرماتے؟

وہ شخص جو اپنے آپ کو خلافت کا اصلی حقدار سمجھتا ہو، جسے پچیس سالوں تک اپنے مسلمہ حق سے محروم رکھا گیا ہو اور جسے موجودہ حکمران پر بھی اعتراض ہو وہی شخص اب دیکھ رہا ہو کہ خلیفہ کا گھر محاصرے میں ہے تو آپ سوچئے کہ اس کا موقف کیا ہونا چاہیے تھا۔ عام لوگ بلکہ بڑی بڑی شخصیات ان حالات میں کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں؟ وہی طرزِ عمل جو جناب طلحہ، جناب زبیر اور حضرت عائشہ نے اختیار کیا تھا ❁ یا دیگر لوگوں نے جو قتل عثمان کے واقعے میں کسی نہ کسی طرح دخیل تھے۔

قتل عثمان تاریخ اسلام کے اہم ترین سانحات میں سے ایک سانحہ ہے۔ نہج البلاغہ، اسلامی مآخذ اور تاریخ اسلام سے خوب واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو کن لوگوں نے قتل کیا اور قتل کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما تھے۔ ✿ جن افراد نے بعد میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے حضرت عثمان سے اپنی عقیدت کے اظہار کا سہارا لیا اور ان کی حمایت کا ڈھنڈورا پیٹا انہوں نے ہی لوگوں کو اکسایا اور خلافت کی پشت میں خنجر گھونپ دیا۔

اس سانحے میں امیر المومنینؑ نے کمالِ اخلاص کے ساتھ وہ کردار ادا کیا جسے آپؑ اپنی شرعی اور اسلامی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ تاریخ کی مسلمہ حقیقتوں میں سے ایک یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو (جو رسول ﷺ کے دوگراں بہا گوہر اور یادگار تھے) حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے بھیجا۔ خلیفہ کا گھر محاصرے میں تھا اور کھانے پینے کی چیزیں اندر لے جانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔ ان حالات

❁ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں حضرت عائشہ اور طلحہ کے اہم کردار کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۳۔

✿ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے دو خطوط منقول ہیں جن میں آپؑ نے قتل عثمان میں طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ کے کردار کی وضاحت کی ہے۔ (دیکھئے نہج البلاغہ: مکتوب نمبر ۱ اور مکتوب نمبر ۲۸)

میں امام علیہ السلام نے خلیفہ کے گھر کے اندر سامان خورد و نوش بھیجا۔❁ آپ علیہ السلام نے بار بار ان لوگوں کے ساتھ مذاکرات کیے جو حضرت عثمان سے خشمگین تھے تا کہ ان کے غیظ و غضب کو کم کیا جا سکے۔(۳۴)

شفیق اور مخلص ثالث

مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عثمان کے گھر کے محاصرے کے دوران اور اس محاصرے سے پہلے جب عالم اسلام میں خلیفہ کے خلاف نفرت عروج پر تھی امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک مخلص ایلچی اور ایک ہمدرد مصلح و ثالث کا کردار ادا کیا۔

امام علیہ السلام خلیفہ تک لوگوں کی باتیں منتقل کرنے اور خلیفہ کو نصیحت کرنے والے ثالث کا کردار ادا کرتے رہے۔❁ جن دنوں خلیفہ کا گھر محاصرے میں تھا امیرالمومنینؑ خلوص دل کے ساتھ حضرت عثمان کی مدد کر رہے تھے حالانکہ محاصرہ کرنے والوں میں آپؑ کے چاہنے والے بھی شامل تھے۔ یہ لوگ آپ علیہ السلام سے کچھ اور توقع رکھتے تھے۔ وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ امیرالمومنین علیہ السلام ان کی قیادت سنبھالیں اور مل کر یہ مہم سر کر لیں لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپؑ کو یہ بات قبول نہیں تھی۔❁ آپ علیہ السلام نے اس معاملے میں ایک ایسا مثبت کردار ادا کیا جو عام طور پر انسانی خواہشات کے سو فیصد منافی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کا عظیم باطن ان خواہشات سے کہیں بلند و برتر تھا۔(۳۵)

❁ حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو بھیجنے کا واقعہ تاریخی مآخذ میں مذکور ہے۔ (دیکھئے تاریخ المدینہ: جلد۴، صفحہ۱۲۰۲، الجمل صفحہ ۱۴۵، نیز شرح ابن ابی الحدید، جلد۲، صفحہ۱۴۸، ۱۵۳)

❁ جب لوگوں کے ایک جم غفیر نے امام علیہ السلام کے پاس آ کر حضرت عثمان کی پالیسیوں کی شکایت کی اور آپؑ سے درخواست کی کہ آپؑ ان کی طرف سے حضرت عثمان سے گفتگو کریں اور انہیں لوگوں کو راضی کرنے پر آمادہ کریں تو آپ علیہ السلام حضرت عثمان کے پاس گئے اور انہیں لوگوں کے اعتراضات سے آگاہ کیا۔ خلیفہ اور آپؑ کے درمیان گفتگو کا تبادلہ ہوا۔ (دیکھئے: نہج البلاغہ، کلام نمبر ۱۶۴)

❁ قتل عثمان میں امام علیہ السلام کی عدم دخالت کے بارے میں امام علیہ السلام کی تصریح نہج البلاغہ، خطبہ ۳۰ میں مذکور ہے۔

قتل عثمان کا گھمبیر اور پیچیدہ سانحہ

اگر چہ حضرت عثمان کو ان لوگوں نے قتل کیا تھا جو سچ مچ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق بن چکے تھے اور ان کے درمیان اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی ❁ لیکن سوال یہ ہے کہ اس قتل کا اصلی محرک کون تھا؟

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس حادثے کے پیچھے وہی لوگ تھے جنہوں نے بعد میں امیر المومنین علیہ السلام کا مقابلہ کیا۔ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے والوں میں سے ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ تھیں۔ چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ گئی تھیں۔ بہت سے مورخین نے جناب عائشہ کی زبانی یہ جملہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے کہا:

اُقْتُلُوْا نَعْثَلاً

یعنی اس ''نعثل'' کو قتل کردو۔

یہاں حضرت عائشہ خلیفہ کو ایک غیر مسلم شخص سے تشبیہ دیتے ہوئے لوگوں کو ان کے قتل کی ترغیب دیتی ہیں۔ ✿ جب مصر، بصرہ اور دیگر مقامات کے لوگوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور سامان خورد و نوش تک اندر لے جانے پر بھی پابندی لگادی تو اس وقت خلیفہ نے امیر معاویہ کو خط لکھا اور ان سے مدد کا تقاضا کیا۔

امیر معاویہ اور حضرت عثمان میں رشتہ داری بھی تھی اور دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے تھا۔ امیر معاویہ کو بخوبی معلوم تھا کہ حالات سنگین ہیں۔ وہ ایک لشکر کے ساتھ شام سے مدینہ جا کر حضرت عثمان کی مدد کرنے پر قادر تھے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ امیر معاویہ جان بوجھ کر لیت و لعل سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ قتل عثمان کی خبر

❁ حضرت عثمان کے سخت دشمنوں میں بڑی بڑی شخصیات بھی شامل تھیں، مثال کے طور پر عمار یاسر، زید بن صوحان، جبلہ بن عمرو انصاری، جہجاہ غفاری، عمرو بن حمق، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، محمد بن حذیفہ، حکیم بن جبلہ اور دسیوں دیگر شخصیات جن میں سے ہر ایک کو امت مسلمہ کے درمیان خاص مقام حاصل ہے۔

✿ ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد ۶، صفحہ ۲۱۵ نیز جلد ۲۰، صفحہ ۲۲۔

آ گئی۔ ❁

ادھر جناب طلحہ اور جناب زبیر (جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معروف اور محترم صحابی تھے) اس وقت مدینے میں موجود تھے لیکن انہوں نے بھی لوگوں کو روکنے اور حضرت عثمان کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ بنابریں قتل عثمان کو ایک سیدھا سادا واقعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کچھ لوگ حکومت کے بعض گورنروں اور کارندوں سے تنگ آئے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور ان سے انتقام لیا۔

یہ درست ہے کہ جو لوگ براہ راست کاروائی کررہے تھے وہ عام لوگ تھے لیکن اس واقعے کے اصل محرک خلیفہ کے سیاسی مخالفین، رقباء اور ان سے ذاتی عناد رکھنے والے تھے۔ یہ سب یا ان میں سے اکثر لوگ وہ تھے جنہوں نے بعد میں امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ بھی محاذ آرائی کی۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب اس واقعے میں دخیل تھے، یہاں تک کہ خلیفہ قتل ہو گئے۔ (۳۶)

❁ حضرت عثمان نے امیر معاویہ کے نام خط میں لکھا: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مدینہ والے کفر کی طرف مائل اور اطاعت کے دائرے سے خارج ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی بیعت توڑ دی ہے اور خلیفہ سے جنگ کی ٹھانی ہے۔ پس وقت ضائع کئے بغیر جلد سے جلد جنگجوؤں کو شام سے مدینہ روانہ کرو۔ جب یہ خط امیر معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور خلیفہ کے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ (تاریخ طبری، جلد ۳، صفحہ ۴۰۲)

ساتویں فصل
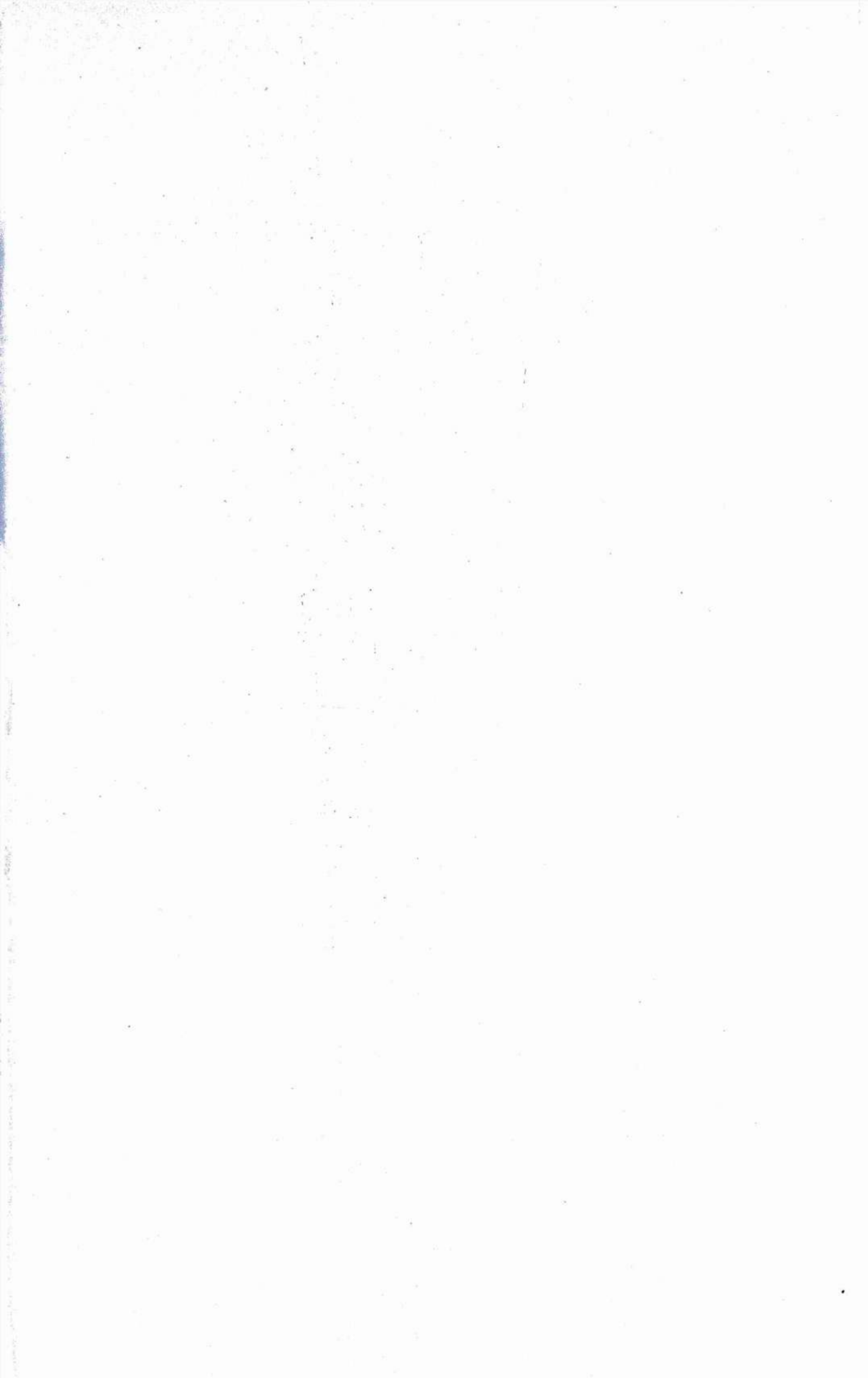
■ بیعت کا ہنگامہ خیز واقعہ

ناقابل بیان جذباتی مناظر

قتل عثمان کے بعد اہل مدینہ مسجد میں جمع ہوئے اور کہنے لگے:

اب جب عثمان زندہ نہیں تو خلیفہ کون ہو؟

مدینہ کے چند معروف روساء جو رسول ﷺ کے صحابی ہونے کے علاوہ لوگوں کے ہاں معتبر اور جانے پہچانے تھے (مثلاً عمار یاسر وغیرہ) کہنے لگے:

جب علی ابن ابی طالب ہمارے درمیان موجود ہیں تو ہمیں کسی اور کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟ علی ابن ابی طالب سب سے بہتر ہیں۔

عمار یاسر نے کھڑے ہو کر کہا:

لوگو! کیا آپ کو علی کی بیعت میں تذبذب محسوس ہوتا ہے؟ کیا آپ علی کو نہیں پہچانتے؟

مسجد کے مختلف حصوں سے لوگوں نے بلند آواز میں کہا:

ہم علی کو خوب پہچانتے ہیں اور ہمیں کوئی تذبذب نہیں۔ آپ نے علی کی شان میں جو چند جملے کہے ہیں وہ بھی علی کے مقام

> سے کہیں کمتر ہیں۔ چلو ہم سب امیر المومنین کی بیعت کرتے ہیں۔ ۞

مدینہ کی مسجدِ رسول میں حاضر اس جم غفیر میں سے ایک شخص نے بھی مخالفت نہیں کی۔ رحلت رسول کے بعد پچیس سالوں پر محیط طویل عرصے میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام کے تینوں پیشرو خلفاء میں سے کسی کی بیعت لوگوں کی اتنی بڑی تعداد نے مکمل اتفاق اور اجتماعی رضامندی سے رضا کارانہ طور پر نہیں کی تھی۔

حضرت ابوبکر کی بیعت یوں ہوئی تھی کہ کچھ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ ان کی تعداد دس سے بیس کے درمیان تھی۔ وہاں کافی اختلاف ہوا اور لمبی چوڑی بحثیں ہوئیں، یہاں تک کہ ہاتھا پائی اور ایک دوسرے کا گریبان پکڑنے اور جھگڑنے کی بھی نوبت آئی۔ پھر چار یا پانچ افراد نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔ پھر یہ لوگ انہیں مسجد لے آئے اور لوگوں سے کہنے لگے:

> آؤ اور ان کی بیعت کرو۔ یوں چند دنوں میں لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ ۞

رہی حضرت عمر کی بیعت وخلافت تو وہ حضرت ابوبکر کی طرف سے منصوب ہوئے تھے۔ یہاں انتخاب، شوریٰ اور مشورے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضرت ابوبکر نے وصیت کی کہ ان کے بعد حضرت عمر کی بیعت کی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کا وصیت نامہ پڑھا گیا اور کہا گیا:

> انہوں نے ہمیں عمر کی بیعت کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے خلیفہ اول کے حکم کے پیش نظر حضرت عمر کی بیعت کر لی۔ ۞

۞ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد ۴، صفحہ ۸۔
۞ سقیفہ بنی ساعدہ کا قصہ اور خلیفہ اول کی تعیین کا طریقہ کار ضمیمہ نمبر ۲۰ میں مذکور ہیں۔
۞ حضرت عمر کی جانشینی کے حق میں حضرت ابوبکر کی وصیت ضمیمہ نمبر ۲۱ میں ملاحظہ ہو۔

ادھر حضرت عثمان کی خلافت کے مسئلے میں حضرت عمر کے حکم سے چھ رکنی کونسل تشکیل دی گئی۔ ان چھ افراد نے بحث و گفتگو کی اور آخر کار عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر ترجیح دی پھر لوگوں سے کہا:

> عمر کی تعیین کردہ چھ رکنی کمیٹی نے عثمان کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔
> اس بار بھی لوگوں نے اس کمیٹی کی خاطر اور حضرت عمر کے حکم کے پیش نظر حضرت عثمان کی بیعت کرلی۔ ❁

خلاصہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے دور تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا کہ خود لوگ مسجد میں جمع ہوں اور کسی کے حکم، کسی کی انگیخت یا کسی طاقت کے جبر کے بغیر ہی عوام رضا کارانہ طور پر اپنی مرضی اور رغبت کے ذریعے کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ یہ صرف امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت کے وقت ہوا۔

اس قدر شوق و رغبت کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی بیعت کا فیصلہ کرنے کے بعد سارے عوام امیرالمومنین علیہ السلام کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام گلی کوچے اور راستے لوگوں سے پر ہوگئے۔ امیرالمومنین علیہ السلام گھر سے باہر نکلے۔ لوگوں نے آپؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

> ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ لوگوں نے پھر اصرار کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

> مجھے نہیں چاہیے۔ لوگوں کا شور بلند ہوا:
> یا علی! آپ ہمیں تنہا مت چھوڑیئے اور حکومت قبول کیجئے۔ ✿ (۳۷)

کوئی اور حاکم ڈھونڈو

❁ تاریخ یعقوبی: جلد۲، صفحہ ۱۶۲ نیز تاریخ طبری: جلد۳، صفحہ ۲۹۴۔

✿ امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت کے وقت لوگوں کے جوش و خروش کے بارے میں آپؑ کا اپنا تبصرہ ضمیمہ نمبر ۲۲ میں ملاحظہ ہو۔

قتل عثمان کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام ایک معروف و معتبر شخصیت، ایک موقع پرست فرد یا ایک نجات بخش لیڈر کے طور پر حصولِ اقتدار کے لیے آگے بڑھ سکتے تھے جبکہ لوگ بھی آپؑ کو چاہتے تھے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے اقتدار کی طرف کوئی توجہ مبذول نہیں کی اور حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے کوئی اوچھااقدام نہیں کیا بلکہ الٹا یہ فرمایا:

دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَیْرِی ۞

مجھے چھوڑ کر کسی اور کو ڈھونڈو۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا باطن کس قدر عظیم ہے! فرماتے ہیں:

لوگو! مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو۔ اگر تم کسی اور کو حکومت کے لیے منتخب کرو گے تو میں اس کے وزیر یا مددگار کے طور پر کام کروں گا۔ ۞

امیرالمومنین علیہ السلام نے اقتدار کو یوں ٹھکرا دیا لیکن لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ حقیقت میں بھی وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو مسندِ اقتدار پر نہیں بٹھا سکتے تھے۔ (۳۸)

خلافت امام کی تلاش میں

جس دن جوش و جذبے سے معمور لوگوں کا جم غفیر امیرالمومنین علیہ السلام کے اردگرد جمع تھا اس دن آپؑ موقع پرستی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک ہیرو کے طور پر

۞ جب لوگوں نے امیرالمومنین علیہ السلام سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپؑ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کی تفصیل کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲۳۔

۞ بلاذری رقمطراز ہے: لوگ بڑے اصرار کے ساتھ امیرالمومنین سے عرض کر رہے تھے: ہمیں ایک خلیفہ کی ضرورت ہے اور خلافت کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ لہٰذا خواہ ناخواہ آپ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنا ہی پڑے گی۔ امام نے فرمایا: مجھے خلافت کے لیے مت چنو۔ آج میں تمہارے لیے ایک وزیر کے طور پر کام کروں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا امیر بنوں۔ (دیکھئے بلاذری کی انساب الاشراف، جلد۲، صفحہ۲۱۰۔)

پیش کر سکتے تھے اور لوگوں کے درمیان اپنا ڈھنڈورا پیٹ سکتے تھے لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ امیر المومنین علیہ السلام خلافت کے پیچھے نہیں لپکے بلکہ خلافت آپؑ کی تلاش میں چلی آئی۔ آپؑ اقتدار کے طالب نہیں ہوئے بلکہ اقتدار آپؑ کے پیچھے آیا۔ اقتدار آپؑ پر فخر کرتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَبَضْتُ يَدِىْ فَبَسَطْتُمُوْهَا وَ نَازَعْتُكُم فَجَذَبْتُمُوهَا ❁

تم لوگوں نے اپنے ہاتھ میری طرف دراز کیے تاکہ میں خلافت قبول کروں لیکن میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ تم نے اصرار کیا لیکن میں نے انکار واجتناب سے کام لیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے یہاں بھی اقتدار سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ نے محسوس کیا کہ اب خلافت کو قبول کرنا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ عالمِ اسلام کو آپ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اب آپؑ کی ذمہ داری ہے کہ زمامِ اقتدار سنبھالیں۔ چنانچہ آپ کا معروف فرمان ہے:

لَوْ لَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَمَا اَخَذَاللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَآءِ اَنْ لَا يُقَارُّوْا عَلٰى كِظَةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَاْسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَيْتُمْ

❁ امیر المومنین علیہ السلام اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں: ''تم لوگ میرے پاس چلے آئے اور مجھ سے بیعت قبول کرنے کی درخواست کرنے لگے۔ میں نے کہا: مجھے قبول نہیں۔ تم لوگوں نے کہا: اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ میں پھر بھی تیار نہیں ہوا۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا لیکن تم لوگوں نے اصرار کے ساتھ میرا ہاتھ کھول دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے لیکن تم انہیں اپنی طرف کھینچتے رہے۔ تم لوگ مجھ پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح پیاسے اونٹ پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسے اونٹ جن کے سروں اور گھٹنوں کے بندھن ساربان نے کھول دیے ہوں۔ تم لوگوں کا دباؤ اس قدر شدید تھا کہ مجھے گمان ہوا تم مجھے مار دو گے اور تم خود ایک دوسرے کو کچل کر ہلاک کردو گے۔ اس قدر اصرار اور دباؤ کے بعد میں نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور تم لوگوں نے اپنے مکمل ارادہ واختیار کے ساتھ میری بیعت کر لی۔'' (دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد: جلد۱، صفحہ ۲۴۴)

دُنْيَا كُمْ هٰذِهِ اَزْهَدَ عِنْدِىْ مِنْ عَفطَةِ عَنْزٍ ❁

اس دن بھی امیرالمومنینؑ نے اپنی شرعی ذمہ داری کے پیش نظر یہ نہیں فرمایا: ''میں حکومت کی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا اور دوسروں نے جو خراب حالات پیدا کیے ہیں ان کی ذمہ داری میں اپنے ذمے نہیں لوں گا۔'' آپؑ کو معلوم تھا کہ آگے کیا مشکلات اور رکاوٹیں منہ کھولے کھڑی ہیں لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود آپؑ نے اپنی ذمہ داری کا احساس فرمایا۔آپؑ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ اپنی عظیم حیثیت اور شخصیت کے ذریعے اسلامی معاشرے اور عالمِ اسلام کی اصلاح کی کوشش کریں۔چنانچہ آپؑ نے حکومت قبول کر لی۔ (۳۹)

مثالی ترین جمہوری حکومت

ایک کاملترین عوامی یا جمہوری حکومت کا نمونہ علی ابن ابی طالبؑ کی حکومت ہے۔ امیرالمومنینؑ پہلے اسلامی حکمران ہیں جنہیں تمام لوگوں نے مل کر رضا کارانہ طور پر حکومت سنبھالنے کی پیشکش کی۔

فَمَارَاعَنِىْ اِلَّا وَالنَّاسُ كَعرف الضَّبُعِ اِلَىَّ يَنْثَالُوْنَ
عَلَىَّ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ حَتّٰى لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ
وَشُقَّ عطفَاىَ

میں نے اچانک دیکھا کہ لوگوں کا جم غفیر میرے اردگرد جمع ہے جو مجھے حکومت سونپنا چاہتے ہیں۔ ✿

❁ یہ امیرالمومنینؑ کے خطبہ شقشقیہ کا ایک حصہ ہے۔ فرمایا: ''اگر لوگوں کا یہ (عظیم) اجتماع نہ ہوتا اور ان مددگاروں کی وجہ سے مجھ پر اتمامِ حجت نہ ہوجاتا نیز اگر اللہ نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالموں کی شکم بارگی اور مظلوم کی گرسنگی پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے تو میں خلافت کی لگام کو رہا کرتا اور اس سے آنکھیں موند لیتا اور اس کے آخر کو اس کے ابتدائی جام سے سیراب کرتا اور تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہاری یہ دنیا میری نظر میں بکری کی ناک سے نکلنے والی گندگی سے بھی حقیر تر ہے۔'' (نہج البلاغہ: صبحی صالح، مطبوعہ دار الہجرۃ قم، خطبہ نمبر ۳، صفحہ ۵۰۔)

✿ یہ امیرالمومنینؑ کے خطبہ شقشقیہ کا ایک حصہ ہے۔ فرماتے ہیں: ''بجو کی گردن کے بالوں کی طرح لوگوں کا زبردست ہجوم تھا۔ وہ مجھے قبولِ خلافت پر آمادہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ہر طرف سے مجھے گھیر لیا۔ قریب تھا ←

اس وقت تک کسی شخص کو خلیفہ بنانے کے لیے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد رضا کارانہ طور پر کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح کی ہمہ گیر پیشکش کسی کو نہیں ہوئی تھی۔ علی علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہیں خلیفہ بنانے کے لیے مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع منعقد ہوا اور سب نے بیک زبان آپؑ کو خلافت کی پیشکش کی۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

> میرے ارد گرد لوگوں کا اتنا اژدحام تھا کہ حسن اور حسین (امیر المومنینؑ کے دو جوان بیٹے) کچلے جانے لگے اور لوگوں کے شدید دباؤ کی وجہ سے میرا لباس پھٹ گیا۔

لوگوں کا دباؤ اس لیے تھا کیونکہ وہ آپؑ کو حکومت چلانے کے لیے سب سے زیادہ موزوں، مناسب اور اہل سمجھ رہے تھے۔ آپؑ شروع ہی سے لوگوں میں زندگی گزارتے اور ان کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی فکر الٰہی اصولوں کے مطابق تھی۔ آپ علیہ السلام کو قبول اسلام میں سبقت کی فضیلت بھی حاصل تھی نیز آپؑ ان فضائل کے بھی حامل تھے جن سے دیگر لوگ محروم تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام ان حالات میں حکومت سنبھالتے ہیں۔ حکومت سنبھالتے ہی آپؑ کی ساری توانائیوں، باتوں، نصیحتوں، فرامین، سرگرمیوں، پالیسیوں اور آپؑ کے اعمال کا محور امتِ مسلمہ اور عام مسلمانوں کے مصالح و مفادات قرار پاتے ہیں۔ (۴۰)

← کہ حسن اور حسین ان کے پیروں تلے کچلے جائیں۔ میرے اوپر ہجوم کا دباؤ اس قدر شدید تھا جس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ میرا لباس دو طرف سے پھٹ گیا۔ لوگوں نے مجھے اس طرح گھیر رکھا تھا جس طرح وہ بھیڑ بکریاں ہوں (جو بھیڑیے کے حملے کے وقت گڈریے کے اردگرد جمع ہو جاتی ہیں۔) (نہج البلاغہ: صبحی صالح، خطبہ ۳، صفحہ ۴۹)

آٹھویں فصل

■ حکومت سنبھالنے کی وجوہات

ظالم ستیزی اور مظلوم پروری

حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت امیرالمومنین علیہ السلام کے مقاصد وہ نہیں تھے جو عام حکمرانوں اور اربابِ اقتدار کے ہوتے ہیں۔ حکومت سنبھالنے کے پیچھے امام علیہ السلام کا کوئی ذاتی غرض کارفرما نہ تھا یہاں تک کہ آپ نے خلافت پر اپنا حق جتانے کے لیے بھی اسے قبول نہیں کیا بلکہ جب قتل عثمان کے بعد لوگوں نے آپؑ کی خدمت میں آ کر اصرار کیا کہ آپؑ حکومت قبول کریں تو آپؑ نے فرمایا:

دَعُوْنِیْ وَ الْتَمِسُوْا غَیْرِی ❀

مجھے معاف رکھو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو۔

جان لو کہ تم جسے بھی منتخب کرو گے میں اس کی اطاعت کروں گا۔ میں مسلمانوں کے خلیفہ اور حکمران کی اطاعت کروں گا۔

اگر میں مشیر اور معاون بنوں تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں براہ راست تمہارا حکمران بنوں۔

❀ نہج البلاغہ: صبحی صالح، مطبوعہ دار الہجرۃ قم، کلام نمبر ۹۲، صفحہ ۱۳۶۔

پھر امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت کیوں قبول کی؟

خلافت قبول کرنے کی کئی وجوہات تھیں جن میں سے ایک وجہ خطبہ شقشقیہ کے آخر میں آپؑ کے ایک معروف جملے میں مذکور ہے:

اَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسْمَةَ لَوْ لَا حُضُورُالْحَاضِرِ وَقِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِوَمَا اَخَذَاللّٰهُ عَلَى الْعُلَمآءِ اَنْ لَا یُقَارُّوْاعَلٰی کِظَةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَلَسَقَیْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ اَوَّلِهَا ❁

یعنی اب چونکہ تم لوگوں کا اصرار ہے اور بہت سے لوگ میری مدد پر تیار ہیں نیز مجھے معلوم ہے کہ خدا نے علماء سے ظالموں کی شکم بارگی اور مظلوموں کی گرسنگی پر آرام سے نہ بیٹھنے کا وعدہ لیا ہوا ہے اس لیے میں حکومت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام اس حقیقت کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ کچھ ظالم لوگ ظلم وستم کی بدولت سیر ہیں جبکہ کچھ مظلوم ظالموں کے ظلم کے نتیجے میں فقر اور بھوک کا شکار ہیں جو قابل برداشت نہیں ہے۔ بنابریں اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا مشاہدہ کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے حکومت قبول کی۔ یہ تھی قبولِ حکومت کی پہلی وجہ۔(۴۱)

پرچمِ دین کی سربلندی اور امورِ مسلمین کی اصلاح

امیر المومنین علیہ السلام کا ایک اور معروف جملہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْ كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِی سُلْطَانٍ وَلَا الْتِمَاسَ شَیْئٍ مِنْ فُضُوْلِ

❁ نہج البلاغہ: خطبہ ۳، صفحہ ۵۰۔

الْحُطَامِ وَلٰكِنْ لِنَرُدَّ الْمَعَالِمَ مِنْ دِينِكَ وَنُظْهِرَ الْإِصْلَاحَ فِي بِلَادِكَ ❁

یعنی اے اللہ! تو خود جانتا ہے کہ ہم نے جو اقدام کیا وہ حصولِ اقتدار کی خاطر یا مال جمع کرنے کے لیے یا دنیوی زرق و برق کے حصول کی خاطر نہ تھا۔ ہمارا اقدام صرف اس لیے تھا کہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ ہدایت کی علامات اور نشانیاں بکھر چکی ہیں۔

ہدایت کی یہ نشانیاں وہ ہیں جن کی طرف جادۂ حق کے مسافروں کی نظریں مرکوز ہوتی ہیں تاکہ وہ اس راستے کو صحیح انداز میں طے کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ لوگوں نے ان علامات کو تبدیل کردیا تھا اور بعض نشانیوں کو اکھاڑ دیا تھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ حکومت اور اقتدار کی باگ ڈور سنبھال کر ان علامات اور نشانیوں کو اپنی اپنی جگہ بحال کردوں۔

امیرالمومنین علیہ السلام اقتدار کی کرسی سنبھال کر اُن انحرافات کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے جو اس سے قبل وجود میں آچکے تھے اور اُس سیدھے راستے کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی تھی۔

وَ نُظْهِرَ الْإِصْلَاحَ فِي بِلَادِكَ

یعنی ہم چاہتے ہیں کہ خرابیوں کی بیخ کنی کریں۔ (۴۲)

حق کو پابرجا اور باطل کو محو کرنا

❁ یہ امیرالمومنین علیہ السلام کا وہ کلام ہے جس میں آپؑ خلافت کی پیشکش قبول کرنے کی وجوہات یوں بیان فرماتے ہیں: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ہم نے حکومت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے جو قدم اٹھایا ہے اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم حکومت و اقتدار کی کرسی پر قبضہ کریں یا دنیا کا حقیر مال حاصل کریں بلکہ یہ اقدام اس لیے تھا کہ ہم تیرے دین کی کھوئی ہوئی نشانیوں کو بحال کریں نیز تیرے شہروں میں اصلاح اور امن کو آشکار کریں تاکہ تیرے ستمدیدہ بندوں کو تحفظ اور امان حاصل ہو اور فراموش شدہ احکام و قوانین دوبارہ نافذ ہوں۔ (نہج البلاغہ: صبحی صالح، خطبہ ۱۳۱، صفحہ ۱۸۹)

اسلامی حکومت کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے اس میں حصولِ اقتدار کی بذاتِ خود کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ دینِ خدا کے اصولوں کا عملی نفاذ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ حکومت سنبھالنے کے بعد جنگ جمل کے لیے جاتے وقت امیرالمومنینؑ ایک خیمے میں بیٹھے اپنے ہاتھوں سے اپنے جوتے سی رہے تھے۔ حضرت ابن عباس آپ سے عرض کرنے لگے:

اے امیرالمومنین! اس جوتے کی قیمت ہی کیا ہے جو آپ اسے سی رہے ہیں؟ اسے دور پھینک دیں اور اپنے لیے جوتوں کا ایک نیا جوڑا خرید لیں۔

امامؑ نے ابن عباس کی اس تجویز کا کوئی جواب نہ دیا۔ اگر آپؑ چاہتے تو نیا جوتا خرید سکتے تھے۔ آپؑ نے ابن عباس کی توجہ ایک بنیادی مسئلے کی طرف مبذول کرتے ہوئے فرمایا:

اس جوتے کی قیمت کیا ہوگی؟

ابن عباس نے کہا:

اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس پھٹے پرانے جوتے کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

امامؑ نے فرمایا:

اے ابن عباس! یہ حکومت اور اقتدار جو میرے ہاتھ میں ہے اس کی قیمت میری نظر میں اس جوتے سے بھی کمتر ہے۔
اِلَّا اَنْ اُقِیْمَ حَقّاً اَوْ اَدْفَعَ بَاطِلاً
مگر یہ کہ اس حکومت کے ذریعے کسی حق کو پابرجا کرسکوں یا کسی باطل کو مٹا سکوں۔ ❁

....

❁ نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ۳۳، صفحہ ۷۶ نیز شیخ مفید کی الارشاد: جلد ۱، صفحہ ۲۴۷، نیز شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد ۲، صفحہ ۱۸۵ نیز مجموعۂ ورام: جلد ۲، صفحہ ۹ نیز بحار الانوار: جلد ۳۲، صفحہ ۷۶، ۱۱۳۔

بالفاظ دیگر حکومت اور اقتدار بذات خود کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ میری نظر میں حکومت ایک وسیلہ ہے اہداف، مقاصد اور اقدار تک رسائی کا۔ یہ برحق حکومت کا خاصہ ہے۔ مقتدر اعلی سے لے کر اقتدار کی سب سے نچلی سطحوں یعنی سرکاری کارندوں تک سب کے اندر اس خصوصیت کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ اس جذبے اور اس طرزِ فکر کی ترویج بھی لازمی ہے۔(۴۳)

عدل کا قیام

اقتدار، سیاست اور حکومت کے میدان میں اترنے اور خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے امیر المومنینؑ کا مقصود صرف یہ تھا کہ عدل و انصاف کا نظام بر پا ہو۔ ❀ آپؑ معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے، معاشرے کی اصلاح کرنے اور خرابیوں کو دور کرنے کے خواہاں تھے۔ آپؑ دین کو اسی طرح دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندہ کر دکھایا تھا۔ آپؑ انحرافات اور تحریفات کا خاتمہ چاہتے تھے جو اقتدار کے بغیر ممکن نہ تھا۔

جب امیر المومنین علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ لوگ آپ کے پاس آکر منت سماجت کر رہے ہیں تو آپؑ نے حکومت کی ذمہ داری قبول کر لی اور اقتدار کے میدان میں قدم رکھا۔(۴۴)

❀ امیر المومنینؑ کا نعرہ یہ تھا: الذَّلِیلُ عِندِی عَزِیزٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَالْقَوِیُّ عِندِی ضَعِیفٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ وہ مظلوم افراد جو لوگوں کی نظروں میں پست ہیں میری نظر میں باعزت اور محترم ہیں یہاں تک کہ میں انہیں ان کا حق دلوا دوں۔ اسی طرح طاقتور ظالم میری نظر میں حقیر اور پست ہیں یہاں تک کہ میں ان کے ہاتھوں سے مظلوموں کا حق لے لوں (اور اسے مظلوموں کے حوالے کروں۔) (نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ۳۷، صفحہ ۸۱)

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے طرز حکومت کا تعارف یوں پیش کیا: وَ ایْمُ اللّٰهِ لَاُنْصِفَنَّ الْمَظْلُوْمَ مِنْ ظَالِمِهٖ وَلَاَقُوْدَنَّ الظَّالِمَ بِخِزَامَتِهٖ حَتّیٰ اُوْرِدَهٗ مَنْهَلَ الْحَقِّ وَاِنْ كَانَ كَارِهًا۔ اللہ کی قسم میں ظالم کے مقابلے میں مظلوم کو انصاف ضرور فراہم کروں گا۔ میں ظالم کی ناک میں نکیل ڈالوں گا اور اسے انصاف کی گھاٹ تک کھینچ کر لے جاؤں گا اگرچہ اسے یہ ناگوار گزرے۔ (نہج البلاغہ، کلام ۱۳۶، صفحہ ۱۹۴)

نویں فصل

■ بیعت نہ کرنے والوں سے امام کا سلوک

جبری بیعت نامنظور

اسلامی تاریخ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی شخص کی بیعت اتنے بڑے پیمانے پر اور رضا کارانہ طور پر نہیں ہوئی جس طرح امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت ہوئی۔ صرف شام والوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں۔ تمام مسلمان علاقوں اور تمام بڑے بڑے صحابہ نے آپ کی بیعت کر لی۔ صحابہ میں سے صرف مٹھی بھر افراد (جو دس سے کم تھے) رہ گئے جنہوں نے بیعت سے انکار کیا۔ ❁ امیرالمومنین علیہ السلام کے حکم پر انہیں مسجد میں حاضر کیا گیا۔ آپؑ نے ان میں سے ایک ایک سے پوچھا کہ اس نے بیعت کیوں نہیں کی۔ ہر کسی نے ایک عذر یا بہانہ پیش کیا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے بعد بعض افراد نے بیعت قبول کر لی لیکن بعض نے پھر بھی بیعت نہیں کی۔ امام علیہ السلام نے انہیں بیعت پر مجبور نہیں کیا بلکہ آزاد چھوڑ دیا۔ (۴۵)

❁ بیعت نہ کرنے والے یہ ہیں: عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، حسان بن ثابت، ولید بن عقبہ، مروان بن حکم، سعید بن عاص، کعب بن مالک اور عبداللہ بن سلام۔

ہدایت آمیز گفتگو

بیعت نہ کرنے والوں میں عبداللہ بن عمر ❁ بھی شامل تھے۔ امام علیہ السلام نے ان سے بیعت نہ کرنے کی وجہ پوچھی۔ عبداللہ نے جواب دیا:

میں اس وقت بیعت کروں گا جب سارے لوگ بلا استثناء بیعت کرلیں گے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

وہ جوانی میں بھی بد اخلاق تھا۔ بوڑھا اور عمر رسیدہ ہونے کے بعد اب زیادہ بد اخلاق ہوگیا ہے۔ اسے جانے دو۔ ✿

بیعت نہ کرنے والوں میں دوسرا شخص سعد ابن ابی وقاص تھے۔ ❁ وہ امام حسین علیہ السلام کے مشہور قاتل عمر سعد کے والد تھے۔ عمر سعد کو آپ سب بخوبی پہچانتے ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: سعد کو لے آؤ۔ جب سعد آیا تو امیرالمومنین علیہ السلام نے پوچھا: تو نے بیعت کیوں نہیں کی؟

سعد نے کہا:

یا علی! میں اس وقت بیعت کروں گا جب میرے علاوہ بیعت نہ کرنے والا کوئی نہ رہے۔

❁ عبداللہ بن عمر کے حالات کے لیے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲۴۔

✿ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: امیرالمومنین نے حکم دیا کہ عبداللہ بن عمر کو حاضر کیا جائے۔ جب عبداللہ امام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''بیعت کرو۔'' عبداللہ نے جواب دیا: '' جب تک سارے لوگ بیعت نہ کریں میں بیعت نہیں کروں گا۔'' امام نے فرمایا: ''پس وعدہ کرو کہ مدینہ سے خارج نہیں ہوگے یا کوئی ضامن لے آؤ جو یہ ضمانت دے کہ تم مدینہ سے خارج نہیں ہوگے۔'' عبداللہ نے کہا: ''یہ کام نہیں کروں گا اور اس قسم کا کوئی عہد بھی نہیں کروں گا۔'' مالک اشتر امام سے عرض کرنے لگے: '' اے امیرالمومنین ! یہ شخص آپ کے تازیانے اور تلوار سے نہیں ڈرتا۔ اسے میرے حوالے کریں تا کہ میں اسے ٹھیک کروں۔'' امام نے فرمایا: '' میں اس سے جبری بیعت لینا نہیں چاہتا۔ یہ جا سکتا ہے۔'' عبداللہ کے جانے کے بعد امام نے فرمایا: '' وہ بچپن میں بھی تند خو اور بد اخلاق تھا اور اب جبکہ بڑا ہوگیا ہے تو مزید تند مزاج اور بد اخلاق بن چکا ہے۔'' (دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد۴، صفحہ۹)

❁ سعد بن ابی وقاص کے حالات ضمیمہ نمبر ۲۵ میں ملاحظہ ہوں۔

گویا سعد نے بھی عبداللہ بن عمر والی بات دہرائی اور مزید کہا:

مطمئن رہیے کہ میری طرف سے آپ کو کوئی برائی نہیں پہنچے گی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

یہ سچ کہتا ہے۔ اس کی طرف سے ہمیں کوئی برائی نہیں پہنچے گی۔

یوں امیر المومنین علیہ السلام نے سعد کو بھی چھوڑ دیا۔ بعد میں سعد نے امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف کسی اقدام میں شرکت نہیں کی۔ ❁

منکرین بیعت میں تیسرا شخص اسامہ بن زید تھا۔ ✿ یہ وہی انیس سالہ جوان ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت کے وقت لشکر کا سردار بنایا تھا اور حکم دیا تھا کہ لشکر کو مدینہ سے خارج کرے پھر ایک جماعت نے اسامہ کے لشکر کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

یہ وہی اسامہ ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اسامہ سے فرمایا:

''تم کیوں بیعت نہیں کرتے ہو؟'' اسامہ نے کہا: ''یا علی! میں آپ کا خانہ زاد غلام ہوں۔ میں آپ کی بیعت سے سرتابی کرنے والا نہیں ہوں لیکن ابھی انتظار کر رہا ہوں کہ حالات پرسکون ہو جائیں ۔اس کے بعد بیعت کرلوں گا۔''

فرمایا: ''ٹھیک ہے تم بھی جاؤ۔'' ❁

❁ عبداللہ کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو اور اسے آزاد چھوڑ دینے کے بعد سعد بن ابی وقاص کو امیر المومنین علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ سعد نے امام سے عرض کی: ''اے ابوالحسن! مجھے آزاد رکھیں۔ جب بیعت نہ کرنے والا صرف میں رہ جاؤں تب میں بھی بیعت کرلوں گا۔ البتہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اور آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے آپ رنجیدہ خاطر ہوں۔'' امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ہاں یہ سچ کہتا ہے اسے چھوڑ دو۔(دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد۴، صفحہ۹)

✿ اسامہ بن زید کے حالات ضمیمہ نمبر ۲۶ میں مذکور ہیں۔

❁ عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے اسامہ بن زید کو بلا بھیجا اور اسے بیعت ←

آپ ذرا ان لوگوں کی نفسیات اور ان کے ماضی کا جائزہ لیں۔ سعد بن ابی وقاص جنگ قادسیہ میں اسلامی لشکر کے سردار تھے۔ یہ سعد آخر کیوں علی کی بیعت نہیں کررہے تھے؟

ادھر عبداللہ بن عمر خلیفہ ثانی کے بیٹے ہیں۔ عبداللہ زہد وعبادت اور گوشہ نشینی میں معروف ہیں لیکن اسے علی کی بیعت قبول نہیں۔ کیوں؟

اسامہ بن زید (خود اپنے بقول) امیرالمومنین علیہ السلام کے خانہ زاد تھے۔ اسامہ کے باپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی سے آزاد فرمایا تھا اور اسے اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی اس سے شادی کرائی تھی۔ گویا اسامہ بن زید رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیرالمومنین علیہ السلام کا رشتہ دار تھا لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کررہا۔ آخر بیعت نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اگر آپ ان کی طرف سے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت نہ کرنے کی علت کو صحیح طور سے سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کو ان لوگوں کے باطنی خصائل اور نفسیات کا جائزہ لینا پڑے گا جہاں چھوٹے بڑے اور عابد و زاہد کا فرق مٹ جاتا ہے۔

جب یہ منفی خصائل کسی کے دامنگیر ہوں تو یہ اسے جہنم کے دہانے تک لے جاتے ہیں۔ انسان کو ان منفی خصائل سے محتاط رہنا چاہیے۔ حسد، آبائی بغض و کینہ، خاندانی دشمنیاں، پرانی عداوتیں اور آرام پسندی کی خواہش وغیرہ اس بات کی موجب بنتی ہیں کہ ایک دن انسان کہے:

"حالات ٹھیک ہوجائیں تو بیعت کرلوں گا۔"

← کرنے کا حکم دیا۔ اسامہ نے جواب دیا: "میں آپ لوگوں کا آزاد کردہ اور خانہ زاد غلام ہوں۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا اور عنقریب جب حالات پرسکون ہوجائیں گے تو بیعت کرلوں گا۔" امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے کسی اور کو نہیں بلایا۔

امیرالمومنین علیہ السلام سے عرض ہوا: کیا آپ حسان بن ثابت، کعب ابن مالک اور عبداللہ بن سلام سے بیعت نہیں چاہیں گے؟ فرمایا: لَاحَاجَةَ لَنَا فِیمَنْ لَا حَاجَةَ لَهُ فِینَا۔ جنہیں ہماری ضرورت نہ ہو ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ (دیکھیے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد۴، صفحہ۹۔)

آخر انکار بیعت کیوں؟ جب آپ علیؑ کو پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ علیؑ حق پر ہے تو پھر آپ حالات کے پرسکون ہونے کے منتظر اور آرام و آسائش کے طالب کیوں ہیں؟ انسان کی زندگی قیمتی اور قابل قدر تب ہے جب انسان کسی گرانقدر ہدف، مقصود، محبوب، معشوق یا نظریے کو پالے اور اسی کی خاطر سرگرم عمل ہو جائے۔

جو شخص ہاتھ پر ہاتھ دھرے کسی کنارے محو تماشا رہے وہ ہرگز قابل قدر اور قابل ستائش نہیں ہوسکتا۔ خود امیرالمومنین علیہ السلام اس منفی نفسیاتی کیفیت کی عین ضد تھے۔ علیؑ اس وقت ایمان لائے جب سارے لوگ اپنے گھروں میں آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے تھے۔ لوگ اپنے لیے کوئی دردسر پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام درد دل کے متلاشی تھے البتہ ایک ایسا درد جو خدا کے لیے ہو اور ایسا درد جو کمالِ انسانیت کا موجب ہو۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ چند افراد نے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کی۔ البتہ ان حضرات نے بعد میں امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف کوئی منفی سرگرمی بھی نہیں دکھائی۔ انہیں ''منکرین بیعت'' کہا جاتا ہے۔ انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام سے صریحاً کہا: ہم بیعت نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسجد نبوی میں جس شخص نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر امامؑ کی بیعت کی تھی وہ جناب طلحہ تھے اور سب سے پہلے آپؑ کی بیعت توڑنے والا بھی طلحہ ہی تھے جنہوں نے مدینہ سے نکل کر جنگ جمل کا راستہ ہموار کیا۔(۴۶)

دسویں فصل

■ پالیسی بیان

بیعت سے پہلے اتمام حجت

امیر المومنین علیہ السلام نے لوگوں سے بیعت لینے سے پہلے فرمایا:

جان لو اگر میں تمہارے اصرار پر حکومت کی ذمہ داری سنبھال لوں اور تمہارا مطالبہ مان لوں تو کہیں تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں کل کلاں مشہور لوگوں یا سرکردہ افراد یا معروف چہروں اور شخصیات کے زیر اثر آؤں گا۔ یہ مت سوچنا کہ میں فلاں فلاں کی متابعت یا تقلید کروں گا اور دوسروں کی روش پر چلوں گا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

وَاعْلَمُوا اَنِّیْ اِنْ اَجَبْتُکُمْ رَکِبْتُ بِکُمْ مَا اَعْلَمُ ۞

میں اسلام کے بارے میں اپنے فہم، اپنے علم و دانش اور اپنی صوابدید کے مطابق تمہیں چلاؤں گا۔

۞ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک خطاب کا حصہ ہے۔ آپؑ نے اس وقت یہ باتیں کیں جب لوگ آپؑ سے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا پرزور مطالبہ کر رہے تھے۔ ”جان لو! اگر میں نے تمہاری درخواست قبول کر لی تو میں اپنے علم کے مطابق تمہیں چلاؤں گا۔ میں لوگوں کی باتوں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت یا سرزنش پر کان نہیں دھروں گا۔“ (نہج البلاغہ: خطبہ ۹۲، صفحہ ۱۳۶)

اس طریقے سے اتمامِ حجت کرنے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے حکومت قبول کر لی۔ البتہ اس موقع پر بھی امیر المومنین علیہ السلام مختلف مصلحتوں اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نرم رویہ اختیار کر سکتے تھے اور لوگوں کے دل موہ لے سکتے تھے لیکن آپؑ نے دوٹوک ارادے کے ساتھ فیصلہ کن طریقے سے اسلامی اصولوں اور دینی اقدار پر عملدرآمد پر زور دیا۔(۴۷)

مستضعفین کی حمایت

جب امیر المومنین علیہ السلام حکومت سنبھال چکے اور مختصر مدت میں نئے نظامِ حکومت کو منظّم و مرتب فرما چکے تو آپؑ نے اپنی پالیسیوں کا اعلان کیا۔ ماضی کے کئی سالوں میں ایسے تحولات وقوع پذیر ہو چکے تھے جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسی شخصیت کے لیے قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں تھے۔ ان افسوسناک تحولات میں زراندوزی، نفسانی خواہشات کی بے محابا پیروی، اقرباپروری نیز ذاتی تعلقات اور اثر و نفوذ کا ناجائز استعمال وغیرہ شامل تھے۔

وہی لوگ جو کسی وقت شعب ابی طالب میں بھوک برداشت کرتے رہے تھے، تپتی دھوپ میں پیاس کا مقابلہ کرتے رہے تھے، آدھی رات کو اپنے بھوکے بچوں کے بلبلانے کی آوازیں سن کر اپنی نیند کو بھول جایا کرتے تھے، وہی لوگ جنہوں نے عصرِ رسول میں راہِ خدا میں تلواریں چلائی تھیں، دشمن کا خوف محسوس نہیں کیا تھا، مالِ غنیمت کی طرف معمولی نظر بھی نہیں ڈالی تھی، آج وہی لوگ مال و دولت کے گرداب میں غرق ہو چکے تھے۔ ان میں سے بعض اتنے مالدار ہو چکے تھے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے چھوڑے ہوئے سونے کی اینٹیں کلہاڑوں کے ذریعے کاٹ کر وارثوں میں تقسیم کی گئیں۔ وراثت پانے والے جلد سے جلد سونا حاصل کرنے کے لیے اتنے بے قرار اور پریشان تھے کہ ان کے پاس کسی زرگر کے پاس جا کر سونے کو پگھلانے کی

بھی فرصت نہیں تھی۔ چنانچہ کلہاڑا لایا گیا اور کلہاڑے سے سونے کے ٹکڑے کیے گئے۔ ❁

ایران اور روم کی فتوحات کے بعد مسلمانوں کے ہاں دولت کا سیلاب اٹڈ آیا۔ قیمتی کنیزوں، سیم و زر، جواہرات، زر بفت کپڑوں، نفیس لباسوں اور قیمتی فرشوں کی ریل پیل ہوگئی جس سے بعض لوگوں کے ارادے متزلزل ہوئے اور قوتِ ارادی کے بند ٹوٹ گئے۔

جب زہد، صبر اور خودداری کا دامن انسان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو اور بھی کئی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔ چونکہ جواہرات سب کو نہیں مل سکتے اس لیے لوگوں میں طبقاتی تقسیم وجود میں آتی ہے۔ ایک طبقہ قیمتی جواہرات کا مالک بن جاتا ہے اور ایک طبقہ ان بیش بہا جواہرات سے محروم رہ جاتا ہے۔ ایک طبقہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں، خوبصورت لونڈیوں، مضبوط اور کار آمد غلاموں سے بہرہ مند ہوتا ہے جبکہ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو ان چیزوں کا صرف نظارہ کر سکتا ہے یا ان کے بارے میں صرف تبصرے سن سکتا ہے۔ یوں معاشرے میں طبقاتی امتیاز وجود میں آتا ہے۔

جب انسان مالِ دنیا، عیش و عشرت، خوبصورت فرشوں، قیمتی قالینوں، زیورات، جواہرات، سیم و زر اور لذیذ کھانوں کا رسیا ہو جاتا ہے تو وہ ان کا اسیر بن جاتا ہے۔ جب معاشرہ خواہشات اور ہوا و ہوس کا اسیر ہو جاتا ہے، زہد و پارسائی کی انقلابی خصلت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور شکم پرستی کے گرداب میں پھنس جاتا ہے تو معاشرے میں امتیازی سلوک، حصولِ دنیا کی دوڑ، مادی رقابت، اور طبقاتی کشمکش کی باری آتی ہے، خواہشات اور لذتوں کی خاطر جھگڑے ہوتے ہیں اور پارٹی بازی وجود میں آتی ہے۔

یوں ایک طبقہ طاقت، دولت، اثر و نفوذ اور معاشرتی حیثیت کا حامل بن جاتا

❁ اس قدر سونا چاندی چھوڑ جانے والے کا نام عبدالرحمٰن بن عوف ہے۔ وہ حضرت عثمان کے داماد تھے۔ ابن عوف کے حالاتِ زندگی ضمیمہ نمبر ۱۲ میں ملاحظہ ہوں۔

ہے۔ اس طبقے کے افراد ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے گناہوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ ادھر دوسرا طبقہ ان کے بالکل برعکس ہوتا ہے ۔یوں عہد جاہلیت کا وہی فرسودہ ماحول زندہ ہوتا ہے۔اسی لیے جب امیرالمومنین علیہ السلام نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو سب سے پہلے یہ فرمایا:

اَلذَّلِیلُ عِنْدِی عَزِیزٌ حَتّٰی آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَالْقَوِیُّ
عِنْدِیْ ضَعِیفٌ حَتّٰی آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ ❁

یعنی ہر کمزور، مظلوم، ستم کش اور لوگوں کی نظروں میں حقیر شخص اس وقت تک میرے نزدیک معزز ہے اور اس کے حق کو تقدم حاصل ہے جب تک میں ظالم سے اس کا حق نہ دلواؤں۔ اس کے برعکس ہر ظالم (اگر چہ وہ معزز ہی کیوں نہ ہو) اس وقت تک میری نظر میں حقیر ہے جب تک میں اس سے (مظلوم کا حق) واپس نہ لے لوں۔ اس کے بعد وہ عام لوگوں کی طرح ہوگا۔

فرمایا: تم لوگوں نے گزشتہ ادوار میں جو اموال (بیت المال سے) ناجائز طریقے سے حاصل کیے ہیں انہیں واپس کرنا ہوگا اگر چہ ان اموال کے ذریعے تم نے لونڈیاں خریدی ہوں یا شادیاں کی ہوں یا انہیں مختلف مصارف میں خرچ کر ڈالا ہو۔ ان اموال کا تعلق بیت المال سے ہے جو لوگوں کا حق ہے۔انہیں واپس کرنا ہوگا۔

یہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی عادلانہ حکومت کی پالیسی۔

اس طرزِ عمل کے مقابلے ان لوگوں کا ردّعمل کیا ہوگا جو اس روش کے بالکل برعکس سوچتے ہیں؟ کچھ لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح انہیں کوئی منصب، مقام یا کسی صوبے کی حکومت سونپیں گے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کا موقف بہت سخت تھا۔ایک رات بعض حضرات امیرالمومنین علیہ السلام سے ڈائیلاگ کرنے آئے۔ اس وقت امام علیہ السلام بیت المال کے اموال کا حساب فرما رہے تھے۔آپؑ نے

❁ دیکھئے نہج البلاغہ: صبحی صالح، خطبہ ۳۷، صفحہ ۸۲۔

چراغ بجھادیا۔ آنے والوں نے پوچھا: یہ کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: یہ چراغ بیت المال کا ہے۔ چونکہ ہماری گفتگو نجی نوعیت کی ہے اس لیے میں نے چراغ بجھا دیا ہے۔ ❁ جب انہوں نے یہ روش دیکھی تو مایوس ہوگئے اور جان گئے کہ اس خلیفہ کے ساتھ ڈیل نہیں ہوسکتا، اس کے ساتھ منفی سمجھوتہ یا نباہ نہیں ہوسکتا۔

کس قسم کے لوگوں کا آپؑ سے نباہ نہیں ہوسکتا تھا؟ عمار کا؟ اویس قرنی کا؟ صعصعہ بن سوحان کا؟ نہیں۔ ان لوگوں کا آپؑ سے نباہ ممکن تھا کیونکہ یہ عام لوگوں کی طرح بے لوث رہتے تھے۔ یہ لوگ عیش وعشرت کے عادی نہ تھے۔ انہیں مراعات یافتہ اشراف کی طرح زندگی گزارنے کی عادت نہ تھی۔ یہ بیت المال لوٹنے والوں میں سے نہ تھے۔ یہ لوگ علیؑ کے ساتھ نباہ کرسکتے تھے۔ جن لوگوں کا ایمان مضبوط تھا، جن کا ماضی بے داغ تھا، جن کے اموال میں بیت المال سے غصب شدہ کوئی مال شامل نہ تھا، جنہیں حلال خوری کی عادت تھی ایسے لوگ علیؑ کے ساتھ نباہ کرسکتے تھے۔

علیؑ کے ساتھ نباہ کرنے سے وہ لوگ قاصر تھے جن کے ہاتھوں کے اوپر بیت المال کی لوٹ مار کے جرم میں انصاف کا خنجر لٹک رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ علیؑ کی کاٹ سخت ہے، علیؑ کا فیصلہ اٹل ہے اور وہ جو کہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ (۴۸)

معاشی عدل وانصاف

امیرالمومنین علیہ السلام اس بات پر ہرگز تیار نہیں تھے کہ اسلام کے احکام وقوانین (یعنی قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات) مصلحت اندیشی اور اجتہاد بالرائے کے

❁ ایک رات امیرالمومنین علیہ السلام بیت المال میں اموال کا حساب فرمارہے تھے۔ اتنے میں جناب طلحہ و زبیر داخل ہوئے۔ امام علیہ السلام نے وہ چراغ بجھا دیا جو آپؑ کے سامنے جل رہا تھا اور حکم دیا کہ گھر سے ایک اور چراغ لایا جائے۔ طلحہ وزبیر نے اس اقدام کی علت پوچھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کَانَ زَیْتُهُ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ نُصَاحِبَکُمْ فِیْ ضَوْئِهِ اس چراغ کا تیل بیت المال کا تھا اور یہ درست نہ تھا کہ ہم اس کی روشنی میں آپ سے ملاقات اور گفتگو کرتے۔ (دیکھئے کشفی حنفی کی المناقب المرتضویہ: صفحہ ۳۶۵ نیز ابن شہر آشوب کی مناقب آل ابی طالب، جلد۲، صفحہ ۱۱۰۔)

نتیجے میں بدل دیے جائیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کے پیشرو خلفاء اجتہاد بالرائے کے قائل تھے۔ ہمارے اہلِ سنت بھائی بھی اس نظریے کے قائل ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کو اجتہاد بالرائے قبول نہ تھا۔ آپؑ اس بات کے معتقد تھے کہ صرف قرآن اور سنتِ نبوی پر عمل ہونا چاہیے۔

عہدِ نبوی میں بیت المال مسلمانوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوتا تھا۔ بیت المال کی تقسیم میں ان باتوں کا کوئی دخل نہ تھا کہ کون پہلے مسلمان ہوا ہے، کون بعد میں مسلمان ہوا ہے، کس نے مکہ سے ہجرت کی ہے، کون مدینے میں مسلمان ہوا ہے، کون زیادہ عالم ہے اور کون جاہل ہے وغیرہ۔ اس دور میں بیت المال سے سب کو مساوی حصہ ملتا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کے امتیازات کی بنیاد پر بیت المال سے کسی کے حصے میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر کے دور حکومت میں بھی (جو دو سال سے کچھ زیادہ عرصے پر محیط رہا) بالکل یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران بھی مسلمانوں کے درمیان بیت المال کی تقسیم میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب کا دور حکومت آیا۔ان کے دور میں بھی ایک عرصے تک یہی طریقہ جاری و ساری رہا لیکن ایک عرصے بعد حضرت عمر نے سوچا کہ بعض مسلمانوں کے اندر جو اضافی خوبیاں ہیں ان کی بنیاد پر بیت المال کی تقسیم میں بھی کچھ امتیاز قائم کرنا چاہیے اور کچھ لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دینی چاہیے۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے سابقین اور لاحقین یعنی پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور بعد میں مسلمان ہونے والوں میں امتیاز قائم کیا تا کہ انہیں برابر حصہ نہ ملے۔

خلیفہ نے پہلے اسلام لانے والوں میں سے بھی مہاجرین اور انصار کو الگ کیا۔ حضرت عمر نے کہا: مہاجرین کو انصار پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ مہاجرین مکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہوں نے سختیاں جھیلیں اور جہاد کیا لیکن انصار مدینہ

میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔

پھر مہاجرین میں سے بھی قریشیوں کو دوسروں پر ترجیح دی۔ عرب کے معروف قبائل میں سے قبیلہ مضر کو قبیلہ ربیعہ پر ترجیح دی۔ مدینہ کے مشہور قبائل میں سے اوس کو خزرج پر ترجیح دی اور ہر ترجیح کی کوئی وجہ بیان کی۔

یہ کام سنہ ۲۰ ھ میں یعنی حضرت عمر کی خلافت کے آغاز کے سات یا آٹھ سال بعد انجام پایا۔ حضرت عمر کہتے تھے:

> میں نے یہ اقدام اس لیے کیا ہے تا کہ الفت پیدا ہو اور لوگوں کے دل موہ لوں۔

خلیفہ ثانی کو اس اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنی صوابدید اور اجتہاد بالرائے کے ذریعے یہ کام انجام دیا۔ البتہ خلیفہ اپنی زندگی کے آخری مہینوں میں اس اقدام سے پشیمان ہوئے اور کہنے لگے:

> میرا اقدام غلط تھا کیونکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ رسول اکرم اور آپ کے بعد ابوبکر کی وہی سابقہ روش ہی بہتر ہے۔ اگر میں زندہ رہوں تو میں ایک بار پھر مسلمانوں کے درمیان مساوات قائم کروں گا۔

لیکن حضرت عمر کو زندگی نے مہلت نہ دی اور انہی ایام یا انہی مہینوں کے اندر وہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کا دور آیا۔ حضرت عثمان میں حضرت عمر والی سخت گیری اور قوت فیصلہ کی کمی تھی چنانچہ ان کے دور میں بھی سابقہ طریقے پر عمل جاری رہا۔ بعض لوگ مختلف حیلوں بہانوں اور ناموں کے بل بوتے پر بیت المال سے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ یوں حضرت عثمان کا بارہ سالہ دور بھی اس نہج پر گزر گیا۔

جب امیرالمومنین علیہ السلام برسر اقتدار آئے تو آپؑ کے اولین فرامین میں سے ایک یہ تھا:

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدتُّهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْإِمَآءُ لَرَدَدْتُهُ ❁

یعنی اللہ کی قسم اگر بیت المال سے بغیر استحقاق کے کسی کو کچھ دیا گیا ہو تو میں اسے واپس لوں گا اگر چہ اس مال کے ذریعے کسی عورت سے شادی رچائی گئی ہو۔ یعنی اسے اس عورت کا مہر قرار دیا گیا ہو یا اس رقم سے کنیزیں خریدی گئی ہوں اور اگر چہ ان کنیزوں نے بچے بھی جنے ہوں۔ میں ان رقوم کو بیت المال میں واپس لوٹاؤں گا اور حکم دوں گا کہ یہ رقوم غصبی ہیں۔ (۴۹)

امتیازی حیثیت کے طلبگاروں کی حوصلہ شکنی

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں طلحہ و زبیر سے ایک بات کی تھی جس سے ہر چیز واضح ہو جاتی ہے۔ طلحہ و زبیر نے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کی:

> اے امیر المومنین! آپ جن گورنروں، حاکموں اور والیوں کو نصب فرماتے ہیں ان کے بارے میں ہم سے مشورہ کیوں نہیں لیتے؟ آپ کو چاہیے کہ ہم سے بھی مشورہ لیں اور ہمارا نقطہ نظر بھی معلوم کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

> مجھے اس خلافت کا کوئی شوق نہیں تھا جس کی تم لوگوں نے میرے ہاتھوں پر بیعت کی ہے۔ اُسے تو تم لوگوں نے میرے

❁ حضرت عثمان نے لوگوں پر بیت المال سے جو عنایات کی تھیں ان کے بارے میں امام علیہ السلام نے صاف صاف فرمایا: ''اللہ کی قسم اگر وہ اموال میرے ہاتھ لگیں جو عثمان نے بلاوجہ لوگوں کو دیے تھے تو میں انہیں حقداروں تک پہنچا دوں گا اگر چہ ان اموال کو عورتوں کا مہر قرار دیا گیا ہو یا ان سے لونڈیاں خریدی گئی ہوں کیونکہ عدل میں فراخی ہے۔ جس شخص پر عدل گراں گزرتا ہو اس کے لیے ظلم و ستم برداشت کرنا زیادہ گراں ہوگا۔ (نہج البلاغہ، کلام نمبر ۱۵، صفحہ ۵۷)

اوپر ٹھونسا ہے۔ تم لوگوں نے خود ہی میری بیعت کی تھی اور مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میں اس سنگین ذمہ داری کو قبول کروں۔ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد میں نے قرآن پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ قرآن نے ہمارے لیے بعض اصول و قوانین وضع کیے ہیں۔ سو میں نے ان اصولوں اور قوانین کی پیروی کی۔

نَظَرْتُ اِلیٰ کِتَابِ اللّٰہِ وَ مَا وَضَعَ لَنَا وَ اَمَرَنَا بِالْحُکْمِ بِہٖ فَاتَّبَعْتُہٗ.

پھر فرمایا:

وَ مَااسْتَنَّ النَّبِیُّ فَاقْتَدَیْتُہٗ

اور میں نے سنت رسول پر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ حکومت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر نظر کی پھر اس کی اقتدا کی۔

فَلَمْ اَحْتَجْ فِی ذَالِکَ اِلیٰ رَاْیِکُمَا وَلَا رَاْیِ غَیْرِکُمَا

پس مجھے تم دونوں کی رائے یا دوسرے لوگوں کی رائے کی ضرورت نہیں رہی۔ ❁

اس فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام مشورہ کرنے کے مخالف تھے۔ آپؑ یقیناً مشورہ فرماتے تھے۔ آپؑ کی زندگی باہمی مشورت والی زندگی تھی۔امیرالمومنین علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ آپؑ خلیفۂ سوم کے دور میں وجود میں آنے والے مراعات یافتہ طبقے کو قبول نہیں کرسکتے تھے کیونکہ یہ طبقہ اپنے آپ کو بیت المال کا حصہ دار اور مسلمانوں کے امور کا ٹھیکیدار سمجھنے لگا تھا۔ یہ طبقہ اپنی رائے اور اپنے نقطۂ نظر کو لازم العمل گردانتا تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ امور مسلمین میں تصرف کا

❁ دیکھیے نہج البلاغہ: کلام ۲۰۵، صفحہ ۳۲۲۔

حق صرف انہیں حاصل ہے نیز مسلمان حکمرانوں کو ان کے اشارے پر چلنا چاہیے۔

اس کے برخلاف امیرالمومنین علیہ السلام صرف قرآن و سنت کو حجت سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو فقط ان دونوں کا تابع گردانتے تھے۔

اس واقعے سے امیرالمومنین علیہ السلام کی قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہ آپؑ ہر قسم کی سودا بازی سے مبرا اور پاک تھے۔ (۵۰)

ظلم کے بل بوتے پر کامیابی نامنظور

امیرالمومنین علیہ السلام کے دور کے مالی قوانین کی رو سے جنگی غنائم اور زکات کی شکل میں بیت المال میں جمع ہونے والی دولت لوگوں کے درمیان فی کس کے حساب سے مساوی تقسیم ہوتی تھی جبکہ آپؑ کے دور حکومت سے پہلے بعض لوگوں کو زیادہ دینے کی امتیازی رسم قائم ہوچکی تھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت آئی تو آپؑ نے فرمایا:

> جو شخص زیادہ مومن اور زیادہ متدین ہو اس کا اجر خدا دے گا نیز جو شخص زیادہ طاقتور ہو وہ اپنی زندگی میں زیادہ محنت کر کے زیادہ کما سکتا ہے لیکن میں بیت المال کو مساوی تقسیم کروں گا۔

کچھ لوگوں نے آکر یوں نصیحت کی:

> اے امیرالمومنین! آپ کا یہ اقدام آپ کی شکست کا موجب بنے گا۔ اس کے باعث بعض لوگ آپ کے مخالف بن جائیں گے۔

آپؑ نے فرمایا:

> اَتَأمُرُونِي اَنْ اَطْلُبَ النَّصرَ بِالْجَوْرِ فِيمَنْ وُلِّيتُ عَلَيْهِ وَاللّٰهِ لَااَطُورُ بِهِ مَا سَمَرَ سَمِيرٌ وَمَا اَمَّ نَجْمٌ فِي السَّمَآءِ نَجْماً❁

❁ امیرالمومنین علیہ السلام کے بعض اصحاب نے بیت المال کی مساوی تقسیم پر آپ پر تنقید کی تو آپؑ نے فرمایا: ←

فرمایا:

کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں اپنی حکومت کو کامیاب بنانے کے لیے ظلم وستم کا سہارا لوں؟ مجھے اس قسم کی کامیابی منظور نہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کو وہ طرفداری اور حمایت منظور نہیں تھی جو ظلم و جور پر مبنی ہو۔

فرمایا:

وَ اللّٰهِ لَا اَطورُ بِهِ مَا سَمَر سَمِيْرٌ
یعنی میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔(۵۱)

بھائی کی حوصلہ شکنی

امیر المومنین علیہ السلام کے بڑے بھائی عقیل آپ ؑ کی خدمت میں آئے۔ بقول امیر المومنین علیہ السلام:

عقیل کے چہرے کا رنگ فقر اور غربت کی وجہ سے متغیر ہو چکا تھا۔ اس نے کہا: آپ کے پاس بیت المال کا جو گندم ہے اس میں سے تھوڑا مجھے دیں تا کہ میرے بچوں کے لیے قوت لا یموت بن سکے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے عقیل سے فرمایا:

''آئیں بازار کوفہ چلتے ہیں اور کسی تاجر کی دکان توڑ کر کچھ رقم ہتھیا لیتے ہیں۔''

عقیل نے کہا:

''یا علی! کیا آپ کہتے ہیں کہ ہم چوری کریں؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا:

← ''کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں اپنی کامیابی کی خاطر ان لوگوں پر ظلم وستم کروں جن کے اوپر میری حکومت قائم ہے؟ اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور لیل و نہار کی گردش باقی ہے نیز جب تک ستارے ایک دوسرے کے پیچھے طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے میں یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔'' (نہج البلاغہ: خطبہ ۱۲۶، صفحہ ۱۸۳۔)

”کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ مجھ سے جو تقاضا کر رہے ہیں یہ
بھی تو چوری ہی ہے۔“ ❁ (۵۲)

گرم لوہے سے عقیل کی تنبیہ

امیر المومنین علیہ السلام کے بھائی عقیل کی زندگی کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ فقر و غربت نے عقیل کی زندگی کو تاریک بنا دیا تھا۔ عقیل کی آمدنی سے گھر کا گزارہ نہیں چل سکتا تھا۔ عقیل کی آنکھیں کمزور یا نابینا تھیں۔ وہ کئی بچوں کا باپ تھے۔ ایک دن وہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے۔ عقیل کے چہرے پر فقر و غربت کے سائے رینگ رہے تھے۔ خود امیر المومنین علیہ السلام اس واقعے کو نقل فرماتے ہیں جسے سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُ عَقِیْلًا وَقَدْ عَمْلَقَ حَتّٰی
اسْتَمَاحَنِیْ مِنْ بُرِّکُمْ صَاعاً

میں نے عقیل کو شدید فقر اور غربت میں مبتلا دیکھا۔ وہ
تمہارے ایک صاع (تقریباً تین کلو) گندم کا محتاج تھا اور
مجھ سے وہی مانگ رہا تھا۔

عقیل اپنے بھائی علی سے کوئی بڑی رقم یا بڑا سرمایہ طلب نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو مٹھی بھر گندم مانگ رہے تھے۔

وَرَاَیْتُ صِبْیَانَهُ شُعْثَ الشُّعُوْرِ غُبْرَ الْاَلْوَانِ مِنْ
فَقْرِهِمْ.

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل اپنے بچوں کو بھی امیر المومنین علیہ السلام کے پاس لے آئے تھے چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

میں نے عقیل کے بچوں کو دیکھا کہ ان کے بال بکھرے

❁ عقیل کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کے سلوک اور ان دونوں کی باہمی گفتگو کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۷۔

ہوئے ہیں نیز بھوک اور فقر کے باعث ان کے چہروں کا رنگ بدل چکا ہے۔

كَاَنَّمَا سُوِّدَت وُجُوْهُهُمْ بِالْعِظْلِمِ.

گویا ان بچوں کے چہروں پر سیاہ رنگ مل دیا گیا ہو۔ بھوک نے ان بچوں کے چہروں کو سیاہ کر دیا تھا۔

وَعَاوَدَنِیْ مُوءَ كِّداً وَكَرَّرَعَلَیَّ الْقَوْلَ مُرَدَّداً.

میرے بھائی نے بار بار میرے پاس رجوع کیااور بار بار مجھ سے مدد مانگی۔

فَاَصْغَیْتُ اِلَیْهِ سَمْعِیْ.

یعنی جب عقیل نے بار بار درخواست کی تو میں نے کان لگا کر ان کی بات سنی۔

فَظَنَّ اَنِّیْ اَبِیْعُهُ دِیْنِیْ وَاَتَّبِعُ قِیَادَهُ مُفَارِقاً طَرِیْقَتِیْ.

چونکہ میں عقیل کی بات خاموشی سے سن رہا تھا اس لیے وہ یہ سمجھے کہ میں نے ان کی بات مان لی ہے اور میں ان کی خاطر اپنا دین بیچ دوں گا۔پس میں نے ایک لوہے کو آگ میں ڈال کر گرم کیا۔

فَاَحمَیت لَه حَدِیدَةً ثُمَّ اَدْنَیْتُهَامِنْ جِسْمِهِ.

یعنی میں نے وہ گرم لوہا عقیل کے جسم کے قریب کیا۔ وہ اس کی گرمی محسوس کرنے لگے۔

فَضَجَّ ضَجِیْجَ ذِیْ دَنفٍ مِنْ اَلَمِهَا.

اچانک عقیل کی فریاد بلند ہوئی۔ لوہے کی گرمی سے وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ میں یہ لوہا ان کے جسم کے ساتھ چپکا دوں گا۔

وَکَادَ اَنْ یَحْتَرِقَ مِنْ مِیْسَمِهَا.

نزدیک تھا کہ وہ اس لوہے کی گرمی سے آگ پکڑ لیں۔

فَقُلْتُ لَهٗ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ.

میں نے عقیل سے کہا: ''رونے والی عورتیں آپ پر روئیں۔''

(قربان جاؤں میرے مولا کے اس مضبوط دل اور اس آہنی عزم کے۔)

اَتَئِنُّ مِنْ حَدِيْدَةٍ اَحْمَاهَا اِنْسَانُهَا لِلَعْبِهٖ وَ تَجُرُّنِيْ اِلٰى نَارٍ سَجَرَهَا جَبَّارُهَا لِغَضَبِهٖ؟

کیا بات ہے آپ ایک ایسے لوہے کے خوف سے فریاد کر رہے ہیں جسے میں نے سچ مچ آپ کو جلانے کے لیے گرم نہیں کیا لیکن آپ علی کو ایک ایسی آگ کی طرف کھینچ کر لے جا رہے ہیں جسے خداوندِ جبار نے ظالموں پر اپنے غیظ و غضب کی وجہ سے سلگایا ہے؟

اَتَئِنُّ مِنَ الْاَذٰى وَلَا اَئِنُّ مِنْ لَظٰى؟

کیا یہ درست ہے کہ آپ تو ایک معمولی تکلیف سے چیخ اٹھیں لیکن میں جہنم کی دہکتی آگ کے عذاب پر نہ چلاؤں؟ ❁

یہ وہ سبق ہے جو تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ امید کا وہ چراغ ہے جو ہر دین، ہر مذہب اور ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مظلوموں کے دلوں میں قیامت تک فروزاں رہے گا۔ (بشرطیکہ وہ علیؑ کو پہچانیں اور اس واقعے سے باخبر ہوں۔) یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ علیؑ کے خدا کو تو نہیں مانتے لیکن علیؑ کے عدل پر ایمان رکھتے ہیں۔ ✿

❁ دیکھئے نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۴، صفحہ ۳۴۶۔

✿ معروف عیسائی مفکر جبران خلیل امیر المومنین علیہ السلام کے عدل کے بارے میں رقمطراز ہے: قُتِلَ عَلِيٌّ فِيْ مِحْرَابِ عِبَادَتِهٖ لِشِدَّةِ عَدْلِهٖ علی اپنے شدید عادلانہ طرزِ عمل کی وجہ سے محراب عبادت میں قتل ہوئے۔ (دیکھئے علامہ جعفری کی تفسیر نہج البلاغہ: جلد ۱۳، صفحہ ۱۷۹)

شبلی شمیل جس کا شمار مادہ پرست دانشوروں کے صف اول میں ہوتا ہے رقمطراز ہے: ''امام علی ابن ابی طالب جو

←

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر یہ مال جو میرے پاس ہے میرا مال ہوتا تب بھی میں اسے لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرتا جبکہ یہ بیت المال میرا نہیں بلکہ خود لوگوں کا ہے۔ ❁ (۵۳)

← دنیا کی عظیم شخصیات کے سرخیل ہیں وہ واحد نسخہ ہیں جس کا ثانی مشرق و مغرب نے نہ ماضی میں دیکھا ہے اور نہ عصر حاضر میں۔" (دیکھئے علامہ محمد تقی جعفری کی تفسیر نہج البلاغہ، جلد۱، صفحہ ۱۷۱۔)

لینن گراڈ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر ایلیا پاولیچ پیٹروشفسکی کا بیان ہے: "علی کی پرورش محمد نے کی تھی۔ وہ محمد اور اس کے دین کا سخت وفادار تھا۔ علی عشق کی حد تک دین کا دلدادہ اور پابند تھا۔ وہ سچا مردِ حر تھا، اخلاقی مسائل میں بہت باریک بین اور محتاط تھا، وہ نام و نمود اور مالِ دنیا کی محبت سے دور تھا، وہ مردِ میدان ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا اور اولیائے الٰہی کی تمام صفات اس میں جمع تھیں۔" (تفسیر نہج البلاغہ، علامہ جعفری، جلد۱، صفحہ ۱۷۶۔)

❁ امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کا متن یہ ہے: لَوْ كَانَ الْمَالُ لِیْ لَسَوَّیْتُ بَیْنَهُمْ فَكَیْفَ وَاِنَّمَا الْمَالُ مَالُ اللّٰهِ۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۱۲۶، صفحہ ۱۸۳۔)

گیارھویں فصل

■ علوی حکومت کو درپیش مشکلات

فتنوں کا طوفان

امیر المومنین علیہ السلام نے چار سال دس ماہ حکومت کی۔ اس دشوار اور کٹھن دور میں پے در پے ایسے حوادث اور مشکل مراحل سامنے آتے رہے جن کے باعث کم فہم، سطحی سوچ کے حامل اور ضعیف الایمان افراد مشکلات کا شکار ہو گئے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ امیر المومنین علیہ السلام کے عہد کے سنگین ترین بحرانوں میں سے ایک یہی مسئلہ ہے۔ حالات اس قدر تیزی سے بدل رہے تھے اور اس قدر پیچیدہ تھے کہ سادہ لوح اور ظاہر بین لوگ جو حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے محروم تھے خس و خاشاک کی طرح فتنوں کے اس متلاطم سیلاب کی نذر ہوتے رہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد کی خاص بات یہ تھی کہ اس دور میں تاریک فتنے لوگوں کی زندگی پر سایہ فگن تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا فتنوں (کے تاریک بادلوں) نے سیاہ رات کی طرح لوگوں کی زندگی کو ڈھانپ لیا تھا۔ ❁

❁ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض الموت کے دوران بقیع میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں مدفون لوگوں کے لیے استغفار کرتے ہوئے ان سے یوں خطاب فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَهْلَ الْقُبُورِ لِیهنکم مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْهِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاس فیه اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یَتْبَعُ اَوَّلُهَا آخِرَهَا اے اہل قبور! تم پر سلام ہو۔ تمہاری ←

فتنہ وہ حادثہ ہے جس کے اندر بادی النظر میں حق و باطل کا فرق واضح نہیں ہوتا۔ البتہ ایسا نہیں ہے کہ فتنوں کے دوران انسان کے لیے حق و باطل کی تشخیص محال ہوجائے ۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کی ذمہ داری ہی ساقط ہوجاتی۔ انسان فتنوں کے دوران بھی حق و باطل میں تمیز کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ نفسانی خواہشات سے ماوراء ہوکر بے لاگ تعقل، تدبر، تفکر اور حالات کے صحیح تجزیہ و تحلیل سے کام لے۔ اگر کوئی شخص سطحی اور ذاتی پسند یا ناپسند کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دل سے حقیقت کا کھوج لگائے تو ایسا شخص فتنوں کے دوران بھی حق کو پہچان سکتا ہے۔ البتہ یہ کام مشکل ہے۔ بہت سے لوگ فتنوں کے دوران سچ مچ جادۂ حق سے پھسل جاتے ہیں۔

فتنہ گرد و غبار کے مانند ہے۔ جب دو فریق آپس میں لڑ پڑیں اور فضا گرد و غبار سے بھر جائے تو نووارد کو پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے اور دشمن کون۔ اس صورتحال میں عام طور پر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر یہی نووارد اپنے ہوش و حواس بحال رکھے، علامات پر خوب نظر کرے اور اپنے طرفداروں کی نشانیوں کا کھوج لگائے تو وہ ان کی شناخت کر سکے گا لیکن بہر حال فتنے کی غبار آلود فضا اور صاف ستھری فضا میں فرق تو ضرور ہوتا ہے۔(۵۴)

جاہلیت کی واپسی، اقدار کی دگرگونی

امیرالمومنین علیہ السلام کا واسطہ ایسے لوگوں اور ایسے زمانے سے تھا جو اس عظیم انسانِ کامل، پیکرِ عدل نیز انسانی و روحانی کمالات کے نمونۂ کامل کے ساتھ نباہ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ رحلت رسول اور امام کی ظاہری خلافت کے درمیانی عرصے پر محیط پچیس سالوں کے دوران بہت سی چیزیں بدل چکی تھیں۔ خود امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے دورِ خلافت کے

← موجودہ حالت تمہارے لیے زیادہ مبارک ہو اس حالت سے جس سے لوگ روبرو ہیں کیونکہ فتنے سیاہ رات کے حصوں کی طرح پہنچ چکے ہیں۔ ان فتنوں کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ باہم پیوستہ ہیں۔ (دیکھو ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۳۔)

ابتدائی خطبے میں فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ الْبَلِيَّةَ عَادَتْ كَهَيْئَتِهَا يَوْمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ ❁

آگاہ رہو کہ بعثت رسول کے وقت جو مصیبت موجود تھی وہ واپس آچکی ہے۔

یہ نہایت درد ناک المیہ ہے۔ اس مصیبت سے کیا مراد ہے؟اس مصیبت سے مراد یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اصول طاقِ نسیاں کی نذر ہو گئے تھے، تقویٰ کی اہمیت ختم ہو چکی تھی، تقویٰ کا خالی نام، دعویٰ اور نعرہ باقی رہ گئے تھے لیکن اس کی حقیقت مفقود تھی، ایمان کی قدر و قیمت ماند پڑ گئی تھی نیز زر پرستی اور حبّ دنیا کو منفی اقدار میں شامل سمجھنے کا دور گزر گیا تھا۔

عصر رسول میں اور اسلامی اقدار کی رو سے مال اندوزی، حبّ مال، حرص وہوس اور لالچ کا شمار منفی اقدار میں ہوتا تھا۔ معاشرے کی بڑی شخصیات اور اسلامی معاشرے کے سرکردہ افراد کے لیے ان منفی اقدار سے پاک رہنا ضروری تھا۔عصر رسول کی معاشرتی شخصیات کن لوگوں سے عبارت تھیں؟ ابوذر، سلمان اور عبداللہ بن مسعود جیسے لوگوں سے عبارت تھیں جن میں سے ہر ایک بلند پایہ زاہد اور بے مثال عابد تھا۔

اَشْرافُ اُمَّتِیْ اَصْحَابُ اللَّیْلِ وَ حَمَلَةُ الْقُرآن ✿

رسول اللہ ﷺ کی امت کی بڑی شخصیات یہی لوگ تھے۔

اقدار کے پاسباں یہی لوگ تھے۔اَصحاب لَیل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی راتیں عبادت یا جہاد میں گزاتے ہیں۔اَصحاب لَیل میں یہ دونوں شامل ہیں۔ یعنی ایک طرف سے رات کو بیدار رہ کر عبادت، تضرع و زاری اور نماز شب میں مشغول

❁ امیر المومنین علیہ السلام نے یہ خطبہ اپنی خلافت کے آغاز میں دیا تھا۔اس خطبے کے مکمل متن سے آشنائی کے لئے دیکھئے: نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۶، صفحہ ۵۷۔

✿ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَشْرافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرآن وَاَصْحَابُ اللَّیْل میری امت کی بزرگ ہستیاں وہ ہیں جو حامل قرآن اور شب زندہ دار ہیں۔ (خصالِ صدوق، جلد۱، صفحہ ۷۔)

رہنے والے اور دوسری طرف سے اپنی راتیں محاذ جنگ پر گزارنے والے دونوں ہی اَصحَاب لَیل ہیں۔

حَمَلَةَ القُرآن سے مراد ہے قرآن کو اٹھانے والے یعنی اس پر عمل کرنے والے۔ آپ ذرا ملاحظہ کریں کہ ان پچیس سالوں کے اواخر میں اس طرح کے برگزیدہ افراد کی کیا حالت تھی۔ ابوذر جلاوطنی کی حالت میں چل بسے، ❁ عبداللہ بن مسعود پر تشدد کیا گیا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ ✿ کسی کو مدینہ سے نکالا گیا، کسی پر اتنا دباؤ ڈالا گیا کہ اس میں بات کرنے کی ہمت نہ رہی اور کوئی درد بھرے دل کے ساتھ گوشہ نشین تھا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اقدار بدل چکی تھیں۔ اس طرح کے حالات میں امیرالمومنین علیہ السلام برسر اقتدار آتے ہیں اور ہر چیز کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام سے پہلے جو لوگ مختلف سطحوں پر اقتدار میں تھے ان میں سے بعض لوگ فاسق و فاجر بھی تھے۔ اسی شہر کوفہ کو لیجیے جہاں کا گورنر ولید بن عقبہ تھا۔ کوفہ وہی شہر ہے جسے بعد میں علی علیہ السلام نے دارالخلافہ قرار دیا تھا۔ اس دور میں وقت کا گورنر امام جمعہ اور امام جماعت کے فرائض انجام دیتا تھا نیز شرعی ذمہ داریاں بھی نبھا تا تھا۔ ولید ایک فاسق و فاجر، شراب خوار اور بدکار شخص تھا جو کوفہ کا حاکم بن گیا تھا۔ ایک رات وہ نشے میں دھت تھا۔ صبح کے وقت وہ نماز پڑھانے مسجد آیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا چنانچہ اس نے صبح کی نماز دو کی جگہ چار رکعت پڑھائی۔ جب اس سے کہا گیا کہ آپ نے صبح کی نماز دو کی جگہ چار پڑھی ہے تو کہنے لگا: آج میں خوش ہوں۔ اگر چاہتے ہو تو اس میں مزید اضافہ کروں؟ ❁

❁ حضرت ابوذر کے حالات، معاویہ اور سرکاری انحرافات کے مقابلے میں ابوذر کے فکر انگیز اور سخت اقدامات، ابوذر کی ربذہ جلاوطنی اور وہاں ان کی رحلت کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۸۔

✿ عبداللہ بن مسعود پر تشدد اور ان کے سینے کی ہڈیاں توڑنے کا واقعہ ضمیمہ نمبر ۲۹ میں مذکور ہے۔

❁ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد۱۷، صفحہ ۲۲۷، تاریخ یعقوبی: جلد۲ صفحہ ۱۶۵ نیز مروج الذہب جلد۲، صفحہ ۲۶۹۔

ولید جیسا بدکار شخص اس شہر کوفہ کا حاکم تھا جہاں اب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تعلیماتِ ربانی سے لوگوں کے دلوں کو دوبارہ منور کرنے کے خواہاں ہیں۔ ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن عاص کوفہ کا گورنر بنا۔ وہ ایک عرصے تک منبر پر نہیں چڑھا۔ اس سے کہا گیا:

آپ منبر پر کیوں نہیں چڑھتے؟

سعید نے کہا:

یہ منبر جس پر ولید چڑھتا تھا نجس اور ناپاک ہے۔ لوگوں نے منبر کو مسجد سے باہر نکالا اور پانی سے دھو کر صاف کیا۔ تب سعید اس منبر پر چڑھنے پر راضی ہوا۔ ❁

ملاحظہ ہو کہ اس قسم کے نامناسب لوگ مسلمانوں پر حکومت کرتے رہے تھے۔ اسی دور میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو گورنر بننے کے لیے سودا بازی کرتے تھے۔ کسی علاقے کی حکومت حاصل کرنے کے لیے پیسے اور وسائل بطور رشوت دیے جاتے تھے۔ اس قسم کے معاشرے میں اسلامی اقدار کا کیا حشر ہوا ہوگا؟ امیرالمومنین علیہ السلام اس قسم کے ناگفتہ بہ دور کے بعد برسر اقتدار آئے تھے۔(۵۵)

حق، ابہام کے پردے میں

ہر انقلاب کا دشوار مرحلہ وہ ہوتا ہے جب حق و باطل آپس میں مخلوط ہو جائیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلٰكِنْ يُؤخَذُ مِنْ هٰذا ضِغْثٌ وَمِنْ هٰذا ضِغْثٌ

فَيُمْزَجَان فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِي الشَّيْطَانُ عَلىٰ

❁ مسعودی رقمطراز ہیں: کوفے کی حکوت سے ولید کی معزولی کے بعد سعید بن عاص کوفے کا گورنر بنا۔ وہ اس بنا پر مسجدِ کوفہ کے منبر پر نہیں چڑھتا تھا کہ ولید اس منبر پر بیٹھتا تھا۔ وہ ولید کو نجس اور پلید قرار دیتا تھا۔ لوگوں نے منبر کو مسجد سے نکال کر پاک کیا۔ اس کے بعد سعید اس منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا۔(دیکھئے مسعودی کی مروج الذہب، جلد۲، صفحہ ۳۷۰)

اَوْلِیَائِہٖ ❁

عصر رسول میں متخاصم گروہ واضح اور روشن تھے۔ آپ ؐ کے مقابلے میں کفار و مشرکین اور اہل مکہ تھے۔ مہاجرین ان میں سے ہر ایک کو پہچانتے تھے اور اپنے ساتھ ہر ایک کے سابقہ سلوک سے باخبر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کس نے ان پر تشدد کیا تھا، کس نے انہیں مارا پیٹا تھا، کس نے انہیں قید میں رکھا تھا یا ان کے اموال چھینے تھے وغیرہ۔

بنابریں ہر چیز واضح تھی اور شکوک وشبہات کی گنجائش موجود نہیں تھی۔ مدینہ میں مسلمانوں کا مقابلہ یہودیوں سے تھا۔ مہاجرین و انصار کے بشمول سارے اہل مدینہ ان سازشی اور مکار یہودیوں کی سازشوں سے آشنا تھے۔ بنی قریظہ کے ساتھ جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا تھا لیکن کسی کی پیشانی پر بل نہیں آیا تھا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ صورتحال واضح تھی اور کوئی ابہام موجود نہ تھا۔اس طرح کے حالات میں (جب مد مقابل کی شناخت آسان ہو) جنگ کرنا آسان ہے اور ایمان کی حفاظت بھی آسان ہے۔لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے دور خلافت میں آپؑ کا مقابلہ کن لوگوں سے تھا؟ آپ کے خیال میں کیا یہ کوئی معمولی بات تھی کہ بڑی بڑی شخصیات نے امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت سے سرتابی کی تھی؟اسی ربیع بن خثیم نے اور عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں نے (جن کا روایت میں ذکر ہے) جنگ صفین کے بارے میں کہا تھا:

> ہم اس جنگ سے مطمئن نہیں۔ آپ ہمیں سرحدوں پر جانے کی اجازت دیں تاکہ اس جنگ میں شرکت کی نوبت نہ

❁ اگر باطل حق سے مکمل طور پر جدا ہوتا تو حق کے متلاشیوں کے لیے حق کی شناخت مشکل نہ ہوتی۔ اسی طرح اگر باطل حق سے جدا ہوتا تو دشمنوں کی زبانیں گنگ ہو جاتیں۔ لیکن جب حق اور باطل دونوں کو مخلوط کر دیا جاتا ہے تو یہاں شیطان اپنے دوستوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور صرف وہ لوگ نجات حاصل کرتے ہیں جن پر اللہ کی خاص رحمت ہو۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۰، صفحہ ۸۸)

آئے۔ ❁

یہ ایک سخت مرحلہ ہے اور جب ابہام کا غبار زیادہ غلیظ ہوتا ہے تو امام حسنؑ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ امیر المومنینؑ کے دور میں پھر بھی ابہام کی شدت کم تھی کیونکہ عمار یاسر (جو امیر المومنینؑ کے طرفدار اور حقائق کا پردہ چاک کرنے والے عظیم صحابی تھے) جیسے لوگ موجود تھے۔ جب بھی کوئی واقعہ ہوتا تو عمار یاسر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ اصحاب لوگوں کے جا کر گفتگو کرتے اور صورتحال کو واضح کرتے تھے۔ یوں کم از کم کچھ لوگوں کی نظروں سے غبار چھٹ جاتا تھا لیکن امام حسنؑ کے دور میں یہ بھی میسر نہ تھا۔

شکوک وشبہات سے لبریز ماحول میں یعنی مبہم اور غیر واضح دشمنوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں حقیقت کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے کیونکہ اس قسم کے دشمن اپنے مفادات اور مقاصد کو خوبصورت نعروں کی آڑ میں چھپا لیتے ہیں۔ اس لیے بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۵٦)

شکوک وشبہات سے لبریز ماحول

امیر المومنینؑ کے دور میں حق و باطل آپس میں خلط ملط ہو گئے نیز حق اور باطل دونوں یکساں لباس میں ملبوس نظر آنے لگے۔ امیر المومنینؑ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حق و باطل کے اختلاط و امتزاج اور ان دونوں میں خلط و اشتباہ سے عبارت ہے۔

❁ وقعة صفینؒ نامی کتاب میں مذکور ہے: ''جس وقت امیر المومنین لوگوں کو معاویہ کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کر رہے تھے تب عبداللہ بن مسعود کے چار سو ساتھی امام کی خدمت میں پہنچے۔ ان میں ربیع بن خثیم بھی شامل تھا۔ انہوں نے امام سے عرض کی: اگر چہ ہم آپ کی فضیلت اور برتری کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم اس جنگ کے بارے میں شک و تردد کے شکار ہیں۔ چونکہ سرحدوں پر بھی عسکری طاقت کی ضرورت ہے اس لیے ہماری تجویز ہے کہ آپ ہمیں کسی سرحد پر بھیج دیں تا کہ ہم وہاں اپنی سپاہیانہ ذمہ داریاں ادا کریں۔ امام نے ان کی تجویز مان لی اور انہیں ''رے'' کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیا۔ (دیکھئے وقعة صفین: صفحہ ۱۱۵)

اسی لئے امیرالمومنین علیہ السلام نے جو جنگیں لڑیں ان میں آپؑ کی کوششوں کا ایک بڑا حصہ لوگوں سے بات کرنے اور انہیں سمجھانے میں صرف ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جنگیں لڑیں ان میں صورتحال کچھ اور تھی ۔وہاں آپ کو زیادہ توضیحات پیش کرنے اور سمجھانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہاں تو صرف جنگ کی ضرورت تھی لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کی جنگوں میں (یعنی جنگ صفین اور جنگ جمل بلکہ جنگ نہروان میں بھی) حالات اتنے پیچیدہ اور مبہم تھے کہ امیرالمومنین علیہ السلام اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ لوگوں کو سمجھانے اور ان سے بات کرنے میں گزارتے تھے۔ آپؑ خود اور آپؑ کے اصحابِ خاص مثلاً عمار یاسر وغیرہ لوگوں سے خطاب اور گفتگو کرتے تھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے عہد میں عمار یاسر حق و باطل کو پہچاننے کی کسوٹی تھے۔ جب بھی لوگوں کے ذہنوں میں کوئی پیچیدہ الجھن پیدا ہوتی تو عمار ایک مرد میدان کے طور پر آگے بڑھتے، اپنا نقطہ نظر بیان کرتے، کھل کر بحث کرتے اور مدلل جواب دیتے تھے۔ ❀ (۵۷)

سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی

اگر امیرالمومنین علیہ السلام کی پانچسالہ حکومت کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو مجموعی طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ لوگوں کی سیاسی سوجھ بوجھ کمزور تھی۔ اگرچہ اس دور

❀ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: يَاعَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (اے عمار! ظالم اور سرکش گروہ تجھے قتل کرے گا۔) چونکہ یہ حدیث متواتر اور قطعی تھی اس لیے مسلمانوں کے درمیان عمار کو ایک خاص مقام حاصل ہوگیا تھا۔ وہ حق و باطل کی کسوٹی محسوب ہوتے تھے۔ البتہ عمار میں کچھ دیگر خصوصیات بھی موجود تھیں، بطور مثال وہ ایک فصیح و بلیغ خطیب تھے، استدلال اور برہان کی زبردست صلاحیت سے مالا مال اور صاف گو تھے۔ ان خصوصیات کے باعث وہ حق پرستوں کے ترجمان کی حیثیت سے ہر ضروری موقع پر حاضر ہوتے تھے، بے لاگ گفتگو کرتے تھے اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھاتے تھے۔ جنگ جمل میں امیرالمومنین علیہ السلام کے ہمراہ عمار کی شرکت نے حریفوں کے دلوں میں زبردست خوف و ہراس پیدا کیا تھا جبکہ امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھیوں کی ثابت قدمی میں اضافہ کردیا تھا۔

جنگ صفین میں بھی عمار کی شرکت بہت مفید اور کارگر ثابت ہوئی۔ عمار کی شہادت نے شامی لشکر کے اندر ایک بڑا بحران پیدا کردیا۔ اس بحران سے نکلنے کے لیے انہوں نے ایک شرمناک مغالطے کا سہارا لیا اور کہا: ''عمار کا ←

کے اجتماعی بحران میں دیگر عوامل بھی کارفرما تھے لیکن سب سے اہم مسئلہ یہی تھا۔ اس دور میں ہر چند بہت سے لوگ ہنوز مومن تھے لیکن کئی ایسے لوگ خلوصِ دل سے اور رضائے الٰہی کی خاطر ام المومنین حضرت عائشہ کی رکاب میں جانشینِ رسول یعنی امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف لڑ رہے اور قتل ہو رہے تھے۔ بنابریں ان کی سیاسی سوجھ بوجھ درست نہیں تھی۔(۵۸)

ولایتِ علی سے انحراف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جن دشمنوں سے مقابلہ تھا وہ آشکار تھے۔ منافقین بھی جانے پہچانے اور واضح تھے۔ مدینہ میں موجود منافقین اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ جانے والے منافقین سب جانے پہچانے تھے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ❁

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں قسم قسم کے منافقین موجود تھے۔ جب منافقین کوئی گڑبڑ کرتے تھے تو ان کے بارے میں فوراً کوئی آیت نازل ہوتی تھی اور حقیقت واضح ہوجاتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا حال سب پر آشکار فرما دیتے تھے اور کوئی اشتباہ یا ابہام باقی نہیں رہتا تھا۔

اس کے برخلاف عصر امیرالمومنین میں سب سے بنیادی مشکل یہ تھی کہ ایک

← قاتل وہ ہے جو اسے میدان جنگ میں لے آیا ہے۔" اس بے بنیاد استدلال کے جواب میں امیرالمومنین علیہ السلام نے صرف یہ فرمایا: "اگر ہم اس بات کو قبول کریں تو یہ کہنا پڑے گا کہ حمزہ (سید الشہداء) کا قاتل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حمزہ کو مشرکین مکہ کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان جنگ میں لے آئے تھے۔"

❁ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا (سورہ نساء: ۸۸) کیا بات ہے کہ تم لوگ منافقین کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو (کیونکہ کچھ لوگ ان سے جنگ کو ممنوع اور کچھ لوگ جائز سمجھتے تھے) حالانکہ اللہ نے (ان کے اعمال کی سزا کے طور پر) انہیں مکمل طور سے سرنگوں کردیا ہے؟ کیا تم ان لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہو جنہیں اللہ نے (ان کے برے اعمال کے باعث) گمراہ کردیا ہے؟ حالانکہ جسے اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی چارہ کار نہیں پاسکتا۔

گروہ نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ دین کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے تھے لیکن دین کی اساسی ترین تعلیمات کے بارے میں انحراف کے شکار تھے۔ دین اسلام کی سب سے بنیادی تعلیمات میں سے ایک ولایت ہے کیونکہ ولایت توحید کی علامت اور اس کا پرتو ہے۔ ولایت سے مراد حکومت ہے۔ اسلامی معاشرے میں اللہ کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ حکومت اللہ کی طرف سے رسول اور رسول کے بعد اولو الامر کو ملتی ہے۔ مذکورہ لوگوں کو اس بات میں شک تھا۔ چنانچہ وہ انحراف کے شکار اور حقیقت سے ناآشنا تھے اگرچہ وہ عبادت گزار اور طویل سجدہ کرنے والے ہی کیوں نہ ہوں۔

وہ لوگ جو جنگ صفین میں امیرالمومنین علیہ السلام کو چھوڑ کر خراسان اور دیگر دور دراز علاقوں میں سرحدوں کی حفاظت کے نام پر چلے گئے تھے وہ پوری پوری رات یا مسلسل کئی کئی گھنٹے سجدوں میں گزار دیتے تھے لیکن اس کا کیا فائدہ کیونکہ انہیں امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت کی معرفت نہیں تھی۔ وہ توحید اور ولایت کے صراطِ مستقیم سے نابلد تھے لیکن طویل سجدے کیا کرتے تھے۔ ان سجدوں کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟

ولایت سے مربوط بعض احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس قسم کے افراد جو اللہ کے اس ولی کو نہ پہچانتے ہوں جس کی اطاعت اور تمام اعمال میں اس کی پیروی ضروری ہے کسی نتیجے تک نہیں پہنچتے اگرچہ وہ پوری زندگی عبادت میں گزار دیں۔

وَلَـمْ يَعْرِفْ وِلَايَةَ وَلِيِّ اللّٰهِ فَيُوَالِيَهُ وَيَكُونَ جَمِيْعُ
اَعْمَالِهِ بِدَلَالَتِهِ

اس قسم کی عبادت کس کام کی؟ ❁

❁ زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: اما لو ان رجلا قام ليله وصام نهاره وتصدق بجميع ماله و حج جميع دهره وَ لَمْ يَعْرِفْ وِلَايَةَ وَلِيِّ اللّٰهِ فَيُوَالِيَهُ وَيَكُونَ جَمِيْعُ اَعْمَالِهِ بِدَلَالَتِهِ اِلَيْهِ مَا كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ حَقٌّ فِيْ ثَوَابِهِ وَلَا كَانَ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ. ''اگر کوئی شخص رات بھر عبادت کرتا رہے، دن بھر روزہ رکھتا رہے، اپنا پورا مال راہِ خدا میں خرچ کرے، زندگی بھر ہر سال حج کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی ولایت کو نہ پہچانے، اس کی اطاعت نہ کرے اور اس کے اعمال اللہ کے ولی کی رہنمائی میں انجام نہ پائیں تو وہ اپنے اعمال پر کسی ثواب کا حقدار نہ ہوگا اور اس کا شمار ایمان والوں میں نہ ہوگا۔'' (اصول کافی: جلد۲، صفحہ۱۹)

خلاصہ یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام اس قسم کے ناسمجھ افراد سے روبرو تھے۔(۵۹)

مسلمانوں سے جنگ

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد تک اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی تھی۔ عہد رسول میں ایسا نہیں ہوا تھا۔حضرت ابوبکر کے دور میں بھی مسلمانوں کے درمیان باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی نیز حضرت عمر کے عہد میں بھی یہ نوبت نہیں آئی تھی ۔حضرت عثمان کے دور میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ سابقہ تین خلفاء کے دور میں مسلمانوں کی جنگیں کافروں کے ساتھ ہوتی رہی تھیں۔ چنانچہ مسلمان اطمینان خاطر کے ساتھ کفار سے لڑتے تھے۔ یہ اتفاق تو صرف امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں پیش آیا کہ آپس میں لڑنے والے دونوں گروہ مسلمان ہوں، دونوں نماز پڑھتے ہوں، دونوں روزہ رکھتے ہوں، دونوں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہوں، دونوں کا قبلہ ایک ہو، دونوں قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوں اور دونوں قرآن کی تلاوت کرتے ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے علاوہ کسی میں اُن لوگوں کے ساتھ جنگ لڑنے کی ہمت اور جرأت نہیں تھی جنہوں نے اپنی باطنی خرابیوں کو چھپانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ کسی میں ان لیڈروں سے جنگ کی جرات نہ تھی جو بعض سادہ لوح مسلمانوں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ کارنامہ صرف امیر المومنین علیہ السلام نے انجام دیا۔ یہ آپؑ کی قوت فیصلہ اور شجاعت کی انتہا تھی۔(۶۰)

امامت کی ملوکیت میں تبدیلی

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی تمام جنگیں اس لیے تھیں کہ امامت اور ولایت کے اسلامی اصول کو انحرافات سے محفوظ رکھا جائے، یعنی امامت کو ملوکیت میں تبدیل ہونے اور علم و معرفت کی حکمرانی کو جہل کی حکمرانی میں تبدیل ہونے سے روکا جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام چاہتے تھے کہ ذاتی اغراض سے پاک بے لوث حکمرانی کی لگام مفاد پرستوں اور مال و دولت کے پجاریوں کے حوالے نہ کی جائے۔ اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں امیر المومنین علیہ السلام کی جنگیں زیادہ تر اسی مقصد کے لیے تھیں۔ (٦١)

دنیا پرست روساء

امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے والے وہ تھے جو اقتدار اور جاہ و مقام کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ رحلت رسول کے بعد پچیس سالوں پر محیط طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اشتباہات، خطاؤں اور غلطیوں کا طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اگر پچیس سالوں پر محیط یہ فاصلہ آڑے نہ آتا تو امیر المومنین علیہ السلام کو جو نفس رسول تھے اس معاشرے کو بنانے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

بدقسمتی سے امیر المومنین علیہ السلام کا واسطہ ایک ایسے معاشرے سے پڑا جس کے اندر اسلامی اصولوں اور مثبت اقدار پر دنیا پرستی کا گردوغبار جم چکا تھا۔

يَأْخُذُوْنَ مَالَ اللّٰهِ دُوَلًا وَعِبَادَ اللّٰهِ خِوَلًا وَدِيْنَ اللّٰهِ دَخَلًا بَيْنَهُمْ. ❁

اس معاشرے میں جب امیر المومنین علیہ السلام لوگوں کو جہاد کے لیے بلاتے ہیں تو آپ کو زبردست مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عہد امیر المومنین کے اکثر خواص (یعنی وہ لوگ جو حق کو پہچانتے تھے) دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے تھے جس کے نتیجے میں امیر المومنینؑ کو تین جنگیں لڑنی پڑیں۔ یوں چار سال اور دس مہینوں پر

❁ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک مکتوب کا حصہ ہے جو آپؑ نے مالک اشتر کے ہاتھوں مصر کے لوگوں کو بھیجا تھا۔ فرماتے ہیں: ''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں امتِ مسلمہ کی حکومت ان بے خرد اور نابکار لوگوں کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے جو بیت المال کو لوٹ لیں، بندگان خدا کی آزادی سلب کرلیں، انہیں اپنا غلام بنالیں، نیک لوگوں سے جنگ کریں اور فاسقوں کو اپنا ہم کاسہ و ہم نوالہ بنالیں۔ ان لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جس نے شراب نوشی کی تھی اور اس پر حد جاری ہوئی تھی اور بعض وہ ہیں جنہوں نے اس لیے اسلام قبول کیا تھا تاکہ اسلام کے نام پر اپنے مفادات حاصل کریں۔ (نہج البلاغہ: صبحی صالح، مکتوب نمبر ٦٢، صفحہ ٤٥٢)

مشتمل آپ کا دورِ حکومت ان جنگوں کی نذر ہو گیا۔(۶۲)

منافقانہ چہرے

امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت کی ایک واضح ترین خصوصیت ان لوگوں کے ساتھ آپؑ کی مخاصمت ہے جو اپنے تابناک چہروں کے پیچھے منافقت چھپائے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کے نام پر اسلام کے خلاف برسرپیکار تھے۔ یہ اسلام کے نام پر ''کل ایمان'' کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس گروہ میں طاقتور ترین لوگوں سے لے کر عام لوگوں تک ہر قسم کے افراد شامل تھے۔

ہم صدر اسلام کی تاریخ کے کسی دور کو امیر المومنین علیہ السلام کے دور کی طرح اس عظیم مشکل سے روبرو نہیں دیکھتے۔ اگر چہ امیر المومنین علیہ السلام اسلام و قرآن کی مجسم تصویر اور ''کل ایمان'' تھے لیکن بعض ایسے لوگ آپؑ سے برسرپیکار تھے جو خود بھی اسلام کا دم بھرتے تھے حالانکہ ان کے اسلام اور علیؑ کے اسلام میں ۱۸۰ ڈگری کا فرق تھا۔

وہ چہرے جو اسلام کے نام پر اور اسلام کی بدولت طاقتور بنے تھے آج وہ حقیقی اسلام اور ''کل ایمان'' کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح خوارج جیسے کچھ کمزور عناصر بھی اسلام کے نام پر اور اسلام کے لبادے میں علیؑ کے اسلام کے مقابلے میں برسرپیکار تھے۔(۶۳)

بارہویں فصل

■ جنگ جمل: ناکثین کے ساتھ ٹکراؤ

ایک عظیم اور خطرناک فتنہ

جنگ جمل ''فتنہ'' کا ایک واضح مصداق ہے۔ حضرت عائشہ ❁ اور طلحہ و زبیر معمولی شخصیات نہیں ہیں۔ زبیر وہ تھے کہ جب وہ قتل ہوئے تو امیرالمومنین علیہ السلام نے ان کی شمشیر دیکھ کر فرمایا:

اس تلوار نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے غم کا غبار دور کیا تھا۔

جنگ جمل اور جنگ بدر قابل مقایسہ نہیں ہیں۔ جنگ بدر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو علم تھا کہ ان کے دشمن کون ہیں۔ یہ دشمن کافر تھے اور کہتے تھے:

اعل ھُبل اعل ھُبل

یعنی ہبل سربلند رہے، ہبل سربلند رہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں ہبل اور بتوں کے نام کا نعرہ لگانے والوں اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے مابین جنگ تھی۔ یہاں فرق واضح، صاف اور عیاں تھا۔ اس کے

❁ حضرت عائشہ کے مختصر حالات زندگی ضمیمہ نمبر ۳۰ میں ملاحظہ ہوں۔

برعکس جو لوگ طلحہ و زبیر کے ہمراہ امیر المومنین علیہ السلام سے جنگ لڑ رہے تھے وہ ہبل کے حق میں تو نعرہ نہیں لگا رہے تھے۔ یہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ زبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کا بیٹا ہے جبکہ طلحہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرانے ساتھیوں اور ان ابتدائی مسلمانوں میں سے ایک ہے جو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر چکے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں جنگیں لڑ چکے تھے اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔

جب اس طرح کے چیدہ چیدہ لوگ علی علیہ السلام کے مقابلے میں صف آرا ہوں تو واضح بات ہے کہ سادہ لوح اور سطحی سوچ رکھنے والے افراد جو حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوں اس مقام پر اشتباہ کا شکار ہو جاتے۔

یہ لوگ اگر علی علیہ السلام کے دشمنوں کے دام میں نہ بھی پھنستے تو کم از کم گوشہ نشین یا کنارہ کش ضرور ہو جاتے۔ سادہ لوح افراد کی خاصیت یہی ہے لیکن کیا حقیقت تک رسائی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا؟ کیوں نہیں۔

اس سلسلے میں جن اصول و قواعد کی طرف توجہ ضروری ہے وہ بیان ہو چکے ہیں۔ طلحہ و زبیر کے ساتھ علی کی شخصیت کا موازنہ کرنا ہوگا تا کہ حق کا پتہ چلے۔ جناب طلحہ اور جناب زبیر اپنے بے حساب اموال کو شمار کرنے سے عاجز ہیں ❁ جبکہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے دور حکومت میں بھی عصر رسول والی سیدھی سادھی اور سپاہیانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا یہ ان کی شناخت کا ایک معیار نہیں ہے؟

علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہ شخصیت ہیں کہ جب لوگ آپؑ کے پاس آتے ہیں اور خلافت کی پیش کش کرتے ہیں تو آپؑ قبول نہیں کرتے اور فرماتے ہیں: کسی اور کو خلیفہ بناؤ۔ مجھے گزشتہ پچیس سالوں کی طرح اب بھی خلفاء کا مشیر رہنے دو۔ آپؑ کو

❁ حضرت طلحہ و حضرت زبیر کی شاہانہ زندگی اور بے تحاشا دولت کے بارے میں ضمیمہ نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں کچھ وضاحت پیش کی گئی ہے۔

جاہ و مقام کی کوئی خواہش نہیں۔ آپؑ اقتدار اور مقام و منصب کے پیچھے نہیں بھاگتے لیکن طلحہ و زبیر اقتدار اور مقام کی تلاش میں مدینہ سے مکہ اور وہاں سے بصرہ کی طرف لپکتے ہیں اور ہزاروں لوگوں کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ کیا یہ بھی ان کی پہچان کی ایک کسوٹی نہیں؟

علی وہ ہے جس نے اقتدار، حیثیت اور محبوبیت و شہرت تک رسائی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس جب طلحہ و زبیر بصرہ پہنچے تو دونوں اس بات پر لڑ پڑے کہ نماز جماعت کی امامت کون کرے۔ یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ حضرت عائشہ کو لشکر میں پھوٹ پڑنے کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس واقعے کو لوگ دیکھ رہے تھے۔ پھر کیا لوگوں کو سوچنا اور سمجھنا نہیں چاہیے تھا؟ (۶۴)

قتل عثمان کے انتقام کا بہانہ

طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے امیر المومنینؑ سے جدائی اختیار کر لی۔ وہ مدینہ سے مکہ چلے گئے اور ام المومنین حضرت عائشہ کے ہم خیال اور اتحادی بن گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کی تحریک چلائیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب تک وہ مدینہ میں تھے حضرت عثمان کی مدد سے اجتناب کرتے رہے اور اطمینان وسکون کے ساتھ مکمل طور پر کنارہ کش رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان قتل کردیے گئے ۔لیکن جب خلیفہ قتل ہوگئے تو یہ لوگ مکہ چلے گئے اور قتلِ عثمان کے انتقام کا ڈھنڈورا پیٹنے اور کہنے لگے: ہمیں خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے قیام کرنا اور علی کے ساتھ لڑنا چاہیے۔ (۶۵)

بے مثال قوت فیصلہ

علیؑ کے عزمِ راسخ اور مضبوط قوتِ ارادی کا ایک نمونہ ان لوگوں کے ساتھ آپؑ کی جنگ ہے جن کے ساتھ ٹکرانا آپؑ کے علاوہ کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔

طلحہ و زبیر اور ان دونوں سے بھی بڑھ کر حضرت عائشہ کو معاشرے میں خاص حیثیت حاصل تھی لیکن جب امیر المومنین علیہ السلام سے کہا گیا کہ حضرت عائشہ نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے تو نہ آپ کے قدم ڈگمگائے، نہ آپ شک و تردد کے شکار ہوئے، نہ آپؑ نے پسپائی اختیار کی اور نہ آپ نے سودا بازی، ڈیل یا ساز باز سے کام لیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کا طرزِ فکر یہ تھا کہ آپ حق پر ہیں اور مد مقابل غلطی پر لہٰذا بغیر کسی پروا کے آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہیے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ ❁ یہ ہے امامؑ کا طرزِ فکر۔ کوئی شخص آپ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ آپؑ کے اس طرزِ فکر اور جذبے کی بنیاد اقتدار کی ہوس تھی۔

امیر المومنینؑ کو اس دنیوی حکومت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایک دن آپؑ زمین پر بیٹھے اپنے ہاتھ سے اپنا پھٹا پرانا جوتا سی رہے تھے۔ اس وقت آپؑ نے ابن عباس سے پوچھا:

اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟

ابن عباس نے دیکھا کہ یہ تو ایک پیوند لگا ہوا پھٹا پرانا جوتا ہے جو کسی کام کا نہیں۔ چنانچہ وہ بولے:

غالباً اس کی کوئی قیمت نہیں۔

امامؑ نے فرمایا:

جان لو کہ میری نظر میں تمہاری یہ حکومت بذات خود اس جوتے کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی مگر یہ کہ اس کے ذریعے کوئی حق پا برجا کرسکوں اور کسی حقدار کو اس کا حق دلا سکوں۔

یعنی صرف اس زاویے سے اقتدار کی بڑی اہمیت ہے لیکن حکومت برائے حکومت کی میری نظر میں کوئی قیمت نہیں۔ ✿ (٦٦)

❁ طلحہ و زبیر کے ساتھ امام علیہ السلام کے فیصلہ کن اور قاطعانہ طرزِ عمل کے بارے میں ملاحظہ ہو نہج البلاغہ صبحی صالح: کلام نمبر ٦، صفحہ ٥٣ نیز خطبہ ١٣٧، صفحہ ١٩٤۔

✿ حضرت عبداللہ بن عباس اور امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو سے آشنائی کے لیے دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ٣٣، ←

شہرِ بصرہ: لشکرِ جمل کا میزبان

لشکرِ جمل کے سرداروں نے مدینہ سے دور ایک مقام کا انتخاب کیا۔ یہ مقام بصرہ تھا۔ یہ رؤسا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بصرہ میں داخل ہوئے۔ اس لشکر کے معاملے میں اہل بصرہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے کہا:

ہم آپ کو قبول نہیں کرتے لہٰذا اس شہر سے نکل جائیں۔

دوسرے گروہ نے کہا:

ہم آپ کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ آپ پیغمبر کے اصحاب ہیں۔

اس لشکر نے بصرہ میں امیر المومنینؑ کے گورنر عثمان بن حنیف کو گرفتار اور ان پر تشدد کیا، ان کے چہرے کے بالوں کو کھینچ کھینچ کر اکھاڑا اور عجیب قسم کی وحشیانہ کاروائیاں کیں۔ ❀ ایک شخص نے مزاحمت کی تو اسے بھی قتل کر ڈالا۔ ✿

خلاصہ یہ کہ انہوں نے ایسے اقدامات کیے جو آج کل حکومتوں کا تختہ الٹنے والے انجام دیتے ہیں۔ حصولِ اقتدار کے لیے انہوں نے کوئی رو رعایت روا نہیں رکھی اور خونریزی سے بھی احتراز نہیں کیا۔ آخر کار وہ بصرہ پر قابض ہو گئے۔ (۶۷)

نماز کی امامت کے لیے نزاع

حضرت طلحہ و زبیر شہر بصرہ میں داخل ہو گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ نماز کی امامت کون کرے۔ طلحہ کی امامت زبیر کو قبول نہیں تھی اور زبیر کی امامت طلحہ کو۔ یہ اختلاف جھگڑے میں بدل گیا۔ مروان بن حکم نے آگے بڑھ کر کہا:

آپ دونوں میں سے کون نماز پڑھائے گا؟

← صفحہ ۶۷ نیز شیخ مفید کی الارشاد: جلد۱، صفحہ ۲۴۷ اور بحار الانوار: جلد ۳۲، صفحہ ۶۷، ۱۱۳۔

❀ بصرہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے گورنر عثمان بن حنیف کے ساتھ لشکر جمل کا سلوک ضمیمہ نمبر ۵۶ میں ملاحظہ ہو۔

✿ یہ عظیم شخصیت جو مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہوئے حکیم بن جبلہ ہیں۔ ان کا شمار بصرہ کے رؤسا اور امیر المومنین علیہ السلام کے خاص دوستداروں میں ہوتا تھا۔ اس بڑی شخصیت کی مزاحمت اور شہادت کے بارے میں دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۹، صفحہ ۳۲۲ نیز مروج الذہب: جلد ۲، صفحہ ۳۹۵۔

آخر کار آپ دونوں میں سے ایک کو امامت کرنی ہوگی۔ طلحہ کے بیٹے نے کہا: ابو محمد یعنی خود اس کا باپ (طلحہ) نماز پڑھائے گا لیکن عبداللہ بن زبیر نے کہا:

ابو عبداللہ یعنی اس کا اپنا باپ (زبیر) پڑھائے گا۔

یوں یہ دونوں جوان باہم لڑ پڑے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے باپ کو امامت کا حقدار قرار دے رہا تھا۔ آخر کار حضرت عائشہ نے مداخلت کی اور مروان سے کہا:

> تم اس طریقے سے ان دونوں کے درمیان اختلاف ڈال رہے ہو۔ تم ہٹ جاؤ۔ ایک دن یہ نماز پڑھائے گا اور ایک دن وہ۔

آخر میں یہ جھگڑا یوں ختم ہوا کہ ایک دن طلحہ نماز پڑھائے اور ایک دن زبیر۔❁ (٦٨)

اہل کوفہ امام علیہ السلام کی رکاب میں

جب امیر المومنین علیہ السلام کو خبر ہوئی کہ لشکرِ جمل بصرہ کی طرف بڑھ چکا ہے تو آپؑ نے کوفہ والوں کو خط لکھا کہ آؤ بیعت توڑنے والوں سے جنگ کریں۔ کوفہ والوں نے تعمیل کی اور وہ امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر سے آملے۔ اہل کوفہ نے اس آزمائش میں اچھی کارکردگی دکھائی، چنانچہ بہت سے قبائل نے امیر المومنین علیہ السلام کا ساتھ دیا۔✿ (٦٩)

❁ حضرت عائشہ کا لشکر بصرہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے عثمان بن حنیف کو شہر سے نکال دیا نیز حکیم بن جبلہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد طلحہ و زبیر میں نماز کی امامت کے مسئلے میں اختلاف پیدا ہوا کیونکہ ان حالات میں نماز کی امامت ایک قسم کی برتری محسوب ہوتی تھی اور جنگ میں فتح کے بعد امامت کرنے والے کے خلیفہ بننے کا امکان بڑھ جاتا تھا۔ اختلاف شدید ہونے لگا تو حضرت عائشہ کو اس کے عواقب سے خوف لاحق ہوا۔ چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ ایک دن زبیر کا بیٹا امامت کرے اور ایک دن طلحہ کا بیٹا۔ (دیکھئے: مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۳۹۵، نیز ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۹، صفحہ ۱۱۰، ۳۲۲)

✿ کوفہ والوں کے نام امام علیہ السلام کے خط کے متن، کوفہ والوں کی طرف سے امام علیہ السلام کے پیغام کے مثبت جواب اور امام علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہونے والے کوفی سپاہیوں سے امام علیہ السلام کے خطاب سے آشنائی کے لیے ملاحظہ ہو ←

زبیر سے امام علیہ السلام کی ملاقات

جب امیرالمومنینؑ کو اطلاع ملی کہ طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ دی ہے اور حضرت عائشہ بھی ان کی اتحادی بن چکی ہیں نیز ان کا لشکر بصرہ کی جانب حرکت کر چکا ہے تو آپؑ مدینہ سے ایک لشکر لے کر بیعت شکنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بصرہ کی طرف بڑھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام صلح و صفائی اور امن و آشتی کے داعی تھے۔ آپؑ مسلمانوں کے درمیان خونریزی سے بچنا چاہتے تھے چنانچہ آپؑ نے حریفوں کے ساتھ صلح آمیز اور نرم رویہ اختیار کیا۔ اسی لیے آپؑ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو زبیر کے پاس بھیجا۔

امام علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا: طلحہ کے پاس مت جانا کیونکہ وہ قدرے تند مزاج ہے بلکہ زبیر کے پاس جانا۔ امیرالمومنین علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں:

وَ لـٰكِـن الْـق الـزُّبَیرَ فَاِنَّهُ اَلْیَنُ عَرِیكَةً فَقُلْ لَهُ یَقُولُ لكَ ابْنُ خَالِكَ.

زبیر سے ملیں کیونکہ وہ نسبتاً زیادہ نرم مزاج ہے پس اس سے کہیں: آپ کا ماموں زاد بھائی آپ سے کہتا ہے....

زبیر امیرالمومنین علیہ السلام کے پھوپھی زاد جبکہ امیرالمومنین علیہ السلام زبیر کے ماموں زاد بھائی تھے۔ یہ دونوں پرانے ساتھی بھی تھے۔ بعثت نبوی کی ابتدا سے ہی ان دونوں کی رفاقت تھی۔ مکہ اور مدینہ میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ جنگوں میں بھی ساتھ ہوتے تھے۔ قتل عثمان کے بعد طلحہ و زبیر نے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ اب امامؑ نرم اور برادرانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

یَقُولُ لكَ ابْنُ خَالِكَ.

آپ کا ماموں زاد آپ کو پیغام دیتا ہے۔

← نہج البلاغہ صبحی صالح: مطبوعہ دار الہجرۃ قم، مکتوب نمبر ۱، صفحہ ۳۶۳ نیز شیخ مفید کی الارشاد: جلد ۱، صفحہ ۲۴۹۔

پھر فرمایا:

عَرَفْتَنِی بِالْحِجَازِ وَاَنْکَرْتَنِیْ بِالْعِرَاقِ.

حجاز میں آپ نے مجھے پہچانا لیکن عراق میں انجان بن گئے؟

یعنی وہاں آپ نے میری بیعت کی تھی اور یہ جان لیا تھا کہ میں مسلمانوں کا خلیفہ اور امیرالمومنین ہوں لیکن عراق میں آپ اس بات کو فراموش کر رہے ہیں؟ فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا یعنی اب کیا ہوا کہ آپ میری بیعت توڑ رہے ہیں، میرے ساتھ جنگ لڑ رہے ہیں؟ امیرالمومنین علیہ السلام نے زبیر کے ساتھ اس نرم لہجے میں گفتگو فرمائی۔ ❁

حضرت ابن عباس نے زبیر سے ملاقات اور گفتگو کی لیکن یہ گفتگو نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوئی۔ بعد میں خود امیرالمومنین علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں زبیر کو آواز دی اور ان سے گفتگو فرمائی جو مفید واقع ہوئی چنانچہ حضرت زبیر میدان جنگ سے نکل گئے اور امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف جنگ سے دستبردار ہو گئے۔ ✿ (۷۰)

طلحہ اور زبیر پر اتمامِ حجت

امام علیہ السلام کے لشکر نے بصرہ کا محاصرہ تو کر لیا لیکن آپؑ جنگ کے خواہاں نہیں

❁ جنگ جمل سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس کو طلحہ و زبیر سے گفتگو کے لئے بھیجتے وقت امامؑ نے ابنِ عباس سے فرمایا: "طلحہ سے ملاقات مت کریں۔ اگر آپ اس سے ملاقات کریں گے تو اسے اس بیل کی طرح پائیں گے جس کی سینگیں اس کے کانوں کی طرف مڑی ہوئی ہوں۔ وہ ہوا وہوس کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کہے گا: "کتنی آرام دہ سواری ہے۔" طلحہ سے ملنے کی بجائے زبیر سے رابطہ کریں جو نسبتاً زیادہ نرم خو ہے۔ اس سے کہیں: آپ کا ماموں زاد کہتا ہے: حجاز میں آپ نے مجھے پہچان لیا لیکن عراق میں آپ انجان بن گئے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنا عہد توڑ دیا؟" (نہج البلاغہ: خطبہ ۳۱، صفحہ ۴۷)

امام صادق علیہ السلام اپنے جد حضرت سجاد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: "میں نے امیرالمومنین کے پیغام پر زبیر کے تبصرے کے بارے میں عبداللہ ابن عباس سے پوچھا تو ابن عباس نے جواب دیا: میں نے امام کا پیغام زبیر کو پہنچا دیا لیکن اس نے جواب دیا: "میں بھی وہی چاہتا ہوں جو علی چاہتے ہیں۔" گویا زبیر کا مقصود خلافت اور حکومت تھی۔ اس نے مزید کچھ نہ کہا۔ میں وہاں سے لوٹا۔ میں نے زبیر کے جواب سے امام کو آگاہ کیا۔" (دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۲، صفحہ ۱۶۵)

✿ زبیر کے ساتھ امیرالمومنین علیہ السلام کی براہِ راست گفتگو، زبیر کے ردِّعمل اور جنگ سے زبیر کی کنارہ کشی کے بارے میں دیکھئے ضمیمہ نمبر ۳۲۔

تھے۔ آپؑ مخالفین کو پند و نصیحت کے ذریعے سمجھانا بجھانا چاہتے تھے۔ آپؑ نے طلحہ و زبیر کو بلایا، انہیں قول رسول کا واسطہ دیا، پھر انہیں ان کی بیعت یاد دلائی اور پوچھا:

> کیا آپ نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ پھر آپ کی جانب سے میری بیعت کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی نہیں ہوا تھا اور اگر کوئی تلخ واقعہ ہوا بھی تھا تو وہ بیعت سے پہلے کا ہے۔ پس (اگر کوئی مسئلہ تھا تو) آپ نے بیعت ہی کیوں کی تھی؟ ❁

امیر المومنین علیہ السلام کی باتوں کا یہ اثر ہوا کہ زبیر (جو فطرتاً کچھ بہتر تھے) پشیمان ہوئے اور میدان جنگ سے نکل گئے۔ البتہ یہ اقدام کافی نہ تھا۔ زبیر کو میدان چھوڑ کر جانا نہیں چاہیے تھا بلکہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آ کر مردانہ وار اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے مسئلے کو سلجھانا چاہئے تھا لیکن زبیر نے ایسا نہیں کیا بلکہ دونوں لشکروں کو ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مصروف چھوڑ کر بھاگ گئے۔ طلحہ بھی تردّد کا شکار ہو چکے تھے لیکن اچانک ایک تیر نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ یوں حضرت عائشہ کا لشکر شکست کھا گیا۔ (۷۱)

میدانِ جنگ میں شجاعتِ حیدری

جنگ جمل میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد حنفیہ کو پرچم عطا کیا اور انہیں جنگی ہدایات پر مشتمل عجیب نکات بتائے۔ آپؑ نے فرمایا:

> ثابت قدم رہو، اپنی کھوپڑی اللہ کی راہ میں ہدیہ کرو، اپنی نگاہ دشمن کی آخری صفوں پر مرکوز رکھو اور آگے کی جانب پیش قدمی کرو۔ ✿

❁ امام علیہ السلام نے طلحہ اور زبیر کے نام ایک خط لکھا اور عمران بن حصین خزاعی کے ہاتھ ان کے پاس بھیجا۔ اس خط میں امام علیہ السلام نے صاف اور صریح نکات بیان کئے ہیں اور بہترین انداز میں ان پر اتمام حجت فرمایا ہے۔ (دیکھئے: نہج البلاغہ: مکتوب نمبر ۵۴، صفحہ ۴۴۵)

✿ جنگِ جمل میں محمد بن حنفیہ کو پرچم سپرد کرتے وقت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''پہاڑ اپنی جگہ سے ہل ←

امام نے محمد حنفیہ کو پرچم دے کر میدان میں بھیج تو دیا لیکن گویا آپؑ کو محمد کا اندازِ جنگ پسند نہیں آیا ❁ حالانکہ محمد حنفیہ اس زمانے کے بہادرترین سورماؤں میں سے ایک تھے۔ وہ ایک زبردست طاقتور اور شجاع جوان جبکہ امامؑ ایک ساٹھ سالہ سالخوردہ شخص تھے۔

آپ علیہ السلام نے محمد کے ہاتھ سے پرچم لے لیا اور فرمایا:

"یوں جنگ کرو۔" راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ امیرالمومنین دشمنوں کے لشکر کی طرف بڑھے۔ آپ نے ان کی صفوں میں گھس کر انہیں اس طرح الٹ پلٹ دیا جس سے ایک شوروغوغا برپا ہوگیا۔

راوی کا بیان ہے:

میں نے دیکھا کہ جس طرح مٹی کے ذرات سورج کی روشنی میں اوپر نیچے جاتے ہیں اسی طرح دشمنوں کے بدن گھوڑوں کی پشت سے اچھالے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے کے

← جائیں لیکن تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ اپنے دانتوں کو سختی سے بھینچ لو، اپنی کھوپڑی اللہ کو عاریہ دو، اپنے قدم زمین میں گاڑ دو، اپنی نگاہ ہمیشہ دشمن کی آخری صفوں پر مرکوز رکھو تا کہ وہاں تک پیش قدمی کرو، دشمن سے خوب محتاط رہو، خوف کے اسباب سے چشم پوشی کرو اور جان لو کہ فتح و نصرت اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔" (نہج البلاغہ: خطبہ ۱۲، صفحہ ۵۵)

❁ مسعودی لکھتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد کو بلایا اور لشکر کا علم انہیں دیتے ہوئے فرمایا: "حملہ شروع کرو۔" محمد نے اپنے سامنے بہت سے تیراندازوں کو دیکھا جن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ لہٰذا وہ کچھ دیر تک رکے رہے تا کہ تیر تھم جائیں تو حملہ شروع کر دیں۔ علی علیہ السلام پیچھے سے آ دھمکے اور تندی سے پوچھنے لگے: "حملہ کیوں نہیں کیا؟" محمد نے کہا: "تیروں اور نیزوں کی بارش میں آگے بڑھنے کا راستہ نہیں پا سکا۔ میں ان کی طرف سے تیراندازی ختم ہونے کا منتظر ہوں تا کہ حملہ کرسکوں۔" امام علیہ السلام نے فرمایا: "نیزوں کے درمیان گھس کر حملہ کردو اور مطمئن رہو کہ تجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔" محمد نے حملہ کر دیا لیکن نیزہ برداروں کے درمیان رک گئے۔ امام علیہ السلام محمد کی پچھلی طرف سے آ پہنچے اور اپنی تلوار کا دستہ محمد کو مارتے ہوئے فرمانے لگے: "یہ کمزوری تجھے اپنی ماں کی طرف سے ملی ہے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے پرچم اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور حملہ حیدری کا آغاز کیا۔ آپ کے پیچھے دوسرے لوگوں نے بھی ہلہ بول دیا اور دشمن کی یہ حالت بنا دی گویا وہ طوفانی ہواؤں میں اڑنے والا گرد وغبار ہوں۔ (دیکھئے: مروج الذہب: جلد ۲، صفحہ ۴۰۵ نیز ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۱، صفحہ ۲۴۳)

ساتھ الجھ رہے ہیں۔ گویا لشکرِ اعداء کے درمیان کوئی بگولا گھس گیا ہو جو انہیں تہس نہس کر رہا ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام کافی دیر تک دکھائی نہیں دیے۔ آپ نے طلحہ اور زبیر کے اردگرد موجود ہزاروں بصریوں کے درمیان چکر لگایا، انہیں درہم برہم کر دیا اور ان کی صفوں کو مکمل طور پر تتر بتر کر دیا۔

اچانک ہم نے امیر المومنین علیہ السلام کو دشمن کی صفوں سے نکل کر ادھر آتے دیکھا۔ آپؑ پیاسے تھے اور بلند آواز سے فرما رہے تھے:

المآء المآء یعنی پانی لاؤ، پانی لاؤ۔

ایک شخص شہد کا ظرف لے کر آپ کی طرف بڑھا اور آپ کو دیتے ہوئے عرض کرنے لگا:

اس حالت میں پانی پینا مناسب نہیں ہے (شہد نوش فرمایئے) یعنی تھکے ہوئے، پسینے میں شرابور اور گرم جسم کے لئے پانی اچھا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے شہد لے کر اس میں سے تھوڑا سا نوش کیا اور فرمایا:

یہ شہد طائف کا ہے۔

اس شخص نے کہا:

اے امیر المومنین! تعجب ہے کہ اس معرکہ ٔ گیرودار میں بھی آپ نے ایک دم طائف کے شہد کو پہچان لیا۔

فرمایا:

اے برادر زادہ! جان لو کہ تیرا چچا کسی بھی مشکل میں حواس باختہ اور کسی خطرے سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ ❀(۷۲)

❀ امامؑ کے اس حملے کی روئیداد ضمیمہ نمبر ۳۳ میں ملاحظہ ہو۔

میدان جنگ میں بھی عقیدے کی بحث

جب جنگ زوروں پر ہو تو ہر سپاہی کی توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ وہ کیسے حملہ کرے اور کس طرح اپنا دفاع کرے۔ جنگ جمل میں زوردار جنگ کے عین درمیان ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آکر توحید کے بارے میں ایک سوال پوچھا۔ اس کا سوال یہ تھا کہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ میں لفظ اَحَدٌ سے کیا مراد ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام کے پاس موجود لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ اس طرح کے سوالوں کا کون سا موقع ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں اسے موقع دو تاکہ میں اسے جواب دوں۔ ہماری جنگ اسی لیے ہی تو ہے۔ ❁

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی سیاست، آپؑ کی جنگ، آپؑ کے افکار اور آپؑ کی تمام اہم سرکاری پالیسیوں کا محور یہ ہے کہ دینِ خداوندی پر عملدرآمد ہو۔ (۷۳)

زبیر کا اسلحہ امام علیہ السلام کے ہاتھ میں

جب زبیر قتل ہو گئے تو قاتل نے ان کی تلوار اٹھالی اور امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی۔ امام علیہ السلام کی نظر زبیر کی تلوار پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا:

اس تلوار نے کتنی بار رسول کے چہرے سے پریشانیوں کا گردوغبار دور کیا تھا۔ ✿ (۷۴)

❁ اس اعرابی کے سوال اور امیر المومنین علیہ السلام کے جواب کے بارے میں ملاحظہ ہو: ضمیمہ نمبر ۳۴۔

✿ جب زبیر اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلے ہی مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو وادیٔ سباع میں عمرو بن جرموز سے ملاقات ہوگئی۔ عمرو نے پہلے زبیر کا اعتماد حاصل کیا پھر انہیں قتل کرنے کے بعد ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر عمرو زبیر کی تلوار لے کر امیر المومنین علیہ السلام کی لشکر گاہ میں آیا۔ اس نے امامؑ کے خیمے کے پاس موجود اہلکاروں سے کہا: ''امیر المومنین کو اطلاع دے دو کہ عمرو بن جرموز زبیر کی تلوار اور اس کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ حاضر ہے۔''

امام علیہ السلام نے کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر قاتل سے پوچھا: ''کیا سچ مچ تو نے زبیر کو قتل کیا ہے؟'' جب ابن جرموز نے کہا: ''ہاں'' تو امامؑ نے فرمایا: ''زبیر پست اور بزدل شخص نہیں تھا لیکن بدقسمتی سے بدترین طریقے سے قتل ←

شکست کے بعد ام المومنین عائشہ کے ساتھ امیر المومنین کا سلوک

جب امیر المومنین علیہ السلام کا لشکر فتح یاب ہو چکا، باغیوں کا لشکر شکست کھا چکا اور ام المومنین عائشہ اکیلی رہ گئیں تو امامؑ نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر سے فرمایا:

جاؤ اور اپنی بہن کی خبر لو۔

محمد امامؑ کے قریبی اور مخلص ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ وہ اپنی بہن عائشہ کے پاس گئے۔ حضرت عائشہ نے کہا:

یہ کون ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم کے ہاں آنے جرأت کر رہا ہے؟

محمد نے کہا:

"اے بہن! میں ہوں۔ پریشانی کی ضروت نہیں۔ آپ نے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم کو باہر نکالا ہے۔ آپ کو اپنے گھر کے اندر رہنا چاہیے تھا۔ کیا قرآن نے نہیں کہا:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْ تِکُنَّ

رسول کی بیویو! اپنے گھروں میں بیٹھی رہو؟ ❁

اس کے بعد امام علیہ السلام نے ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ جناب عائشہ کو پورے

← ہوا۔" اس کے بعد امام علیہ السلام نے زبیر کی تلوار ہاتھ میں لی اور اسے ہلاتے ہوئے فرمایا: "اس تلوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی پریشانیوں کو دور کیا تھا۔" (دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد۱، صفحہ:۲۳۵، الجمل: صفحہ ۳۹۰ اور مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۴۰۳۔)

❁ جناب محمد بن ابی بکر امامؑ کے وفادار ترین اصحاب میں سے ایک تھے۔ جنگ جمل میں وہ امام علیہ السلام کے لشکر کے ایک حصے کے پرچم دار تھے۔ جب حضرت عائشہ کی اونٹنی ماری گئی اور ان کی عماری جس میں بیٹھ کر وہ لشکر کی کمان کر رہی تھیں گر گئی تو امیر المومنین علیہ السلام نے ام المومنین کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ بہن کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور احتیاج کی صورت میں ان کی مدد کا سامان کریں۔ جناب محمد بن ابی بکر امامؑ کے حکم سے حضرت عائشہ کی عماری کے پاس آئے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: "کون ہو؟" محمد نے کہا: "تیرا نزدیک ترین ←

احترام کے ساتھ مدینہ لوٹائیں۔ جوانوں کی ایک جماعت نے اپنے چہروں کو چھپا کر حضرت عائشہ کی سواری کے گرد حصار بنا لیا اور اپنا سفر شروع کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا:

دیکھو علی ابن ابی طالب زوجۂ رسول کو اتنے مردوں کے ساتھ اکیلی سفر پر روانہ کر رہا ہے۔

جوانوں نے حضرت عائشہ کے پاس آکر اپنے چہرے کھول دیے۔ حضرت عائشہ نے دیکھا کہ یہ سب تو جوان عورتیں ہیں جنہیں امیرالمومنین نے جنگی لباس پہنا کر انہیں مدینہ پہنچانے پر مامور فرمایا ہے۔❁ (۷۵)

جنگ جمل میں امویوں کا کردار

جنگ جمل میں لشکرِ جمل کے بہت سارے لوگ مارے گئے، بہت سے بھاگ گئے جبکہ ان میں سے بعض اسیر ہوئے۔ جب اسیروں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ جنگ

← رشتہ دار ہوں۔ لیکن تجھ پر سب سے زیادہ غضبناک ہوں۔ میں تیرا بھائی محمد ہوں۔ امیرالمومنین نے مجھے تیرے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا ہے کہ کہیں جنگ میں تجھے کوئی گزند تو نہیں پہنچا۔" حضرت عائشہ نے جواب دیا: "مجھے صرف ایک تیر لگا ہے جس کا زخم ہلکا ہے اور پریشانی کی بات نہیں۔" امیرالمومنین علیہ السلام کے حکم پر محمد نے بصرہ کے ایک گھر میں حضرت عائشہ کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا اور انہیں وہاں منتقل کیا۔ (الجمل: صفحہ ۳۶۸ نیز مروج الذہب: جلد ۲، صفحہ ۴۰۶)

❁ مسعودی لکھتے ہیں: امیرالمومنین نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد ابن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کو مدینہ لوٹانے کا بندوبست کریں۔ ساتھ ہی آپ نے قبیلہ عبدالقیس کے تیس مردوں اور بیس عورتوں کو جو دینداری میں معروف تھے ام المومنین کی حفاظت کے لئے عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیجا اور عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مردوں کا لباس زیب تن کریں، ہاتھوں میں تلواریں لیں اور اپنے چہروں کو چھپا رکھیں، یہاں تک کہ حضرت عائشہ کو بھی معلوم نہ ہو کہ وہ عورتیں ہیں۔ آپ نے تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ سفر کے دوران یہی عورتیں حضرت عائشہ کے ساتھ رابطہ رکھیں اور ان کی ضروریات کو برطرف کریں۔

جب ام المومنین مدینہ پہنچیں تو لوگوں نے ان سے سفر کا حال پوچھا۔ جواب دیا: "خدا علی کا بھلا کرے۔ اس نے میرے ساتھ نیکی کی البتہ مجھے اس سے یہ شکایت ہے کہ میرے مرتبے کا خیال نہ کرتے ہوئے مجھے کچھ مردوں کے ساتھ بھیجا۔" یہاں ان عورتوں نے اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور حضرت عائشہ کو اصل صورتحال کا علم ہوا۔ (دیکھئے مروج الذہب: جلد ۲، صفحہ ۴۱۰)

جمل میں بھی اموی ٹولے کا ہاتھ ہے۔ ❁

مروان بن حکم اموی تھا۔ وہ امویوں اور معاویہ کا دوست اور ہمنوا تھا۔ وہ جنگ جمل میں پکڑا گیا۔ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نے مہربانی اور شفقت فرماتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اس کی سفارش کی اور آپؑ نے مروان بن حکم کو آزاد کر دیا۔ ✿ (۷۶)

جریر کے نام امام کا خط

جریر بن عبداللہ عہد عثمانی میں ہمدان کا گورنر تھا۔ بعد میں جب امیر المومنین علیہ السلام برسر اقتدار آئے تو آپ نے بھی اسے اسی عہدے پر برقرار رکھا۔ امام علیہ السلام نے جنگ جمل کے بعد اسے ایک خط لکھا جو کچھ یوں ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ اَمَّا بَعدُ : اِنَّ اللّٰہَ لا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنفُسِهِمْ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے (خواہ اچھائی میں یا برائی میں۔)

وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً ا فَلا مَرَدَّ لَهُ ❁

اور جب (لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث) اللہ ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اسے ٹالنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

وَاِنِّی اُخْبِرُكَ عَنْ نَبَاِ مَنْ سِرْنَا اِلَیهِ مِنْ جُمُوعِ

❁ جنگ جمل میں بنی امیہ کا کلیدی کردار تھا۔ اس جنگ کا سب سے زیادہ فائدہ بھی انہیں ہی نصیب ہوا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ذیقار میں اپنے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے طلحہ اور زبیر کو اکسانے میں معاویہ کے کردار کی طرف اشارہ فرمایا۔ آپؑ نے معاویہ کی طرف سے زبیر کے نام خط لکھے جانے کی بھی خبر دی۔ (دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۱، صفحہ ۲۳۱، ۳۱۰)

✿ نہج البلاغہ: کلام ۷۳، صفحہ ۱۰۲۔

❁ سورہ رعد، آیت نمبر ۱۱۔

طَلْحَة وَالزُّبَير میں تمہیں طلحہ اور زبیر (کے لشکر) کی خبر دیتا ہوں جن کے ساتھ جنگ کے لئے ہم گئے تھے۔

عِنْدَ نَكْثِهِم بَيعَتَهُم جب انہوں نے اپنی بیعت توڑ ڈالی تھی۔

پھر امام علیہ السلام حالات کی تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَاَعْذَرتُ فِی الدُّعآء میں ایک بڑا لشکر لے کر ان کے پیچھے گیا۔ میں نے انہیں دعوت دے کر ان پر اتمامِ حجت کیا اور انہیں پیغام دیا کہ وہ ان کاموں سے دست بردار ہو جائیں۔

وَاَقَلْتُ الْعَثْرَةَ میں نے ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کی۔

وَنَاشَدتُّهُمْ عَقْدَ بَيعَتِهِمْ. میں نے انہیں یاد دلایا کہ انہوں نے میری بیعت کی تھی اور بیعت توڑنا حرام ہے۔

فَاَبَوْ اِلَّا قِتَالِیْ. لیکن انہوں نے میرے ساتھ جنگ کے علاوہ کسی اور راستے کو قبول نہیں کیا۔

فَاسْتَعَنْتُ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ پس میں نے ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگی۔

فَقُتِلَ مَنْ قُتِلَ پس ان میں سے جو قتل ہوئے سو ہوئے۔

وَوَلَّو مُدْبِرِيْنَ اِلیٰ مِصْرِهِمْ اور کچھ لوگ اپنے شہروں کی طرف بھاگ گئے۔ پھر جب وہ شکست کھا گئے تو مجھ سے کہنے لگے "اب ہمیں آپ کی سابقہ بات قبول ہے۔" میں نے بھی یہی کہا کہ تم نے قبول کر لیا ہے تو ٹھیک ہے۔

فَقَبِلْتُ الْعَافِيَةَ وَرَفَعْتُ السَّيْفَ

پس میں نے بھی امن وعافیت کو قبول کر لیا اور تلوار نیام میں ڈال کر مسئلہ ختم کر دیا۔ ❁

❁ وقعة الصفين: صفحہ ۱۵۔

جریر بن عبداللہ اس خط کو پڑھ کر مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ اس نے منبر پر چڑھ کر لوگوں سے کہا:

> مہاجرین و انصار نے امیرالمومنین کی بیعت کی ہے۔ امیر المومنین نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔ آپ کی باتیں اطمینان بخش ہیں۔ آپ دین و دنیا کے امین ہیں۔ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

یوں ہمدان کے تمام لوگوں اور اس علاقے کے باسیوں نے امامؑ کی بیعت کرلی۔ اس طرح کا منطقی طرزِ عمل اختیار کرنا نیز دلیل و برہان سے قانع کرنا اور لوگوں کو سمجھانا امیرالمومنین علیہ السلام کی ہی خصوصیت ہے۔ (۷۷)

کوفہ میں امام علیہ السلام کا پہلا خطبہ

فتح کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام کا طرزِ عمل سچ مچ تعجب خیز ہے۔ آپ کس قدر عظیم اور پاکیزہ روح کے مالک تھے۔ ۱۲ رجب ۳۶ ہجری کو امیرالمومنین علیہ السلام جنگ جمل میں فتحیابی کے بعد واپس لوٹے اور کوفے میں داخل ہوئے۔ تب سے آپ نے شہر کوفہ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔

کوفہ کے لوگ امیرالمومنین علیہ السلام کو چاہتے تھے۔ وہ آپ کے استقبال کے لیے نکلے اور آپ کو احترام و تعظیم کے ساتھ شہر لے آئے۔ لوگوں نے کہا:

> اے امیرالمومنین! یہاں دو محلات ہیں۔ آپ کس محل میں نزول اجلال فرمائیں گے؟ فرمایا: پہلے مسجد جاؤں گا۔ ❁

پھر سب کوفہ کی جامع مسجد گئے۔ یہ وہی مسجد ہے جو آج بھی موجود ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور وہ بھی علی ابن

❁ ۱۲ رجب ۳۶ھ بروز سوموار علی ابن ابی طالب علیہ السلام شہر کوفہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بصرہ کے روساء اور آپ کے اصحاب و انصار آپؑ کے ہمراہ تھے۔ کوفہ کے لوگوں نے آپؑ کا استقبال اس انداز سے کیا کہ شہر کے رؤسا اور قرآن کے قاری لوگوں کے آگے چل رہے تھے۔ انہوں نے جنگ میں فتح پر امام علیہ السلام کو مبارک باد دی اور شہر ←

ابی طالب علیہ السلام کی نماز جس کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔اس کے بعد آپ زیبِ منبر ہوئے اور ایک ایسا خطبہ دیا جو بہت حیرت انگیز ہے۔

آپ ذرا سوچئے کہ اس قدر عظیم فتح و نصرت کے بعد لوٹنے والا شخص تقریر کرتے وقت کن موضوعات کو چھیڑتا؟ کوئی اور ہوتا تو وہ دشمن کی چالوں کا ذکر کرتا، دشمن کی فوجوں اور ان کے ساز و سامان کی تشریح پیش کرتا، پھر اپنی اور اپنے لشکر کی شجاعت و بہادری کا تذکرہ کرتا اور کہتا:

ہم نے دشمن کو اس طرح تہس نہس کر دیا اور.......

اگر عفوو درگزر سے کام لیا ہوتا تو اس کا تذکرہ کرتا پھر یاد دہانی کرتا کہ اگر آئندہ بھی کوئی اس قسم کی گستاخی کرے تو اس بھی یہی حشر ہوگا۔

جی ہاں اللہ کی یاد سے غافل لوگ فتح و نصرت پانے کی صورت میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ یقیناً بڑی بڑی کامیابیاں انسان کو غافل بنا دیتی ہیں اور انسان اس قول خداوندی: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ❀ کا مصداق بن جاتا ہے۔ یعنی جب انسان اپنے آپ کو غنی اور بے نیاز پاتا ہے تو سرکش اور غافل ہو جاتا ہے۔

آج امیر المومنین علیہ السلام اپنے بڑے بڑے رقیبوں کو شکست دینے کے بعد نیز ان کے دو سب سے بڑے سرداروں یعنی طلحہ اور زبیر کے قتل ہو جانے کے بعد زبردست قوت و طاقت کے ساتھ اپنے عقیدت مندوں کے درمیان شہر کوفہ میں جہاں کے لوگ آپ کو چاہتے ہیں خطاب کرنے والے ہیں۔ دیکھئے آپ کا اندازِ سخن کیسا ہے۔ امام علیہ السلام زیبِ منبر ہوئے۔ آپؑ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

يَآاَهْلَ الْكُوْفَةِ ! فَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاِسْلَامِ فَضْلاً ✿

➜ کوفہ میں آمد پر خوش آمدید کہا۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ کہاں ٹھہریں گے؟ کیا محل میں تشریف فرما ہوں گے؟ فرمایا: نہیں میں رحبہ میں ٹھہروں گا۔ پھر آپ وہیں اترے اور کسی توقف کے بغیر کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ (وقعة صفین: صفحہ۳)

❀ یقیناً جب انسان اپنے آپ کو بے نیاز پاتا ہے تو سرکشی اختیار کرتا ہے۔ (سورہ علق، آیت نمبر ۶، ۷)

✿ کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے کا مکمل متن ضمیمہ نمبر ۳۵ میں مرقوم ہے۔

اے اہل کوفہ! آپ لوگوں نے اسلام کے اندر ایک مقام
ومرتبہ حاصل کرلیا ہے۔

مَا لَمْ تُبَدِّلُوْا وَ تُغَيِّرُوْا. یعنی یہ مقام اور مرتبہ اس وقت
تک حاصل رہے گا جب تک آپ لوگ خود اپنی حالت کو
(غلط سمت میں) تبدیل نہیں کرتے۔

یہاں امامؑ نے لوگوں کی خوشامد نہیں کی اور یہ نہیں فرمایا:

آپ آج اس جہاں کے عظیم ترین لوگ ہیں۔

بلکہ آپ نے اصل حقیقت بتا دی یعنی یہ کہ جب تک آپ لوگ اس مثبت موقف اور درست راستے پر قائم رہیں گے خدا کے ہاں آپ کا یہ مقام برقرار رہے گا لیکن اگر آپ اپنی حالت بدل دیتے ہیں تو آپ کا کوئی مقام نہیں ہوگا۔

دَعَوْتُكُمْ اِلَى الْحَقِّ فَاَجَبْتُمْ. میں نے آپ لوگوں کو
حق کی طرف دعوت دی تو آپ نے مثبت جواب دیا۔

وَبُدِءْتُمْ بِالْمُنكَرِ فَغَيَّرْتُمْ. آپ کے سامنے برا راستہ
رکھا گیا تو آپ نے اسے ٹھکرا دیا اور تسلیم نہیں کیا۔

بصرہ کے واقعات کوفہ میں بھی پیش آئے تھے۔ کوفہ میں حضرت عثمان کے زمانے سے موجود گورنر نے لوگوں کو امیرالمومنینؑ کے خلاف اکسایا تھا لیکن کوفیوں نے مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے نکال دیا اور کہا:

ہم علی کو مانتے ہیں اور ان کی بیعت کریں گے۔ ہم تیری
بات نہیں سنیں گے۔

یہاں امامؑ اس اقدام کی تعریف فرماتے ہیں۔ اہل کوفہ کے بارے میں مذکورہ دو نکات کا تذکرہ کرنے اور اس سیاسی مسئلے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد آپ فوراً معنویات، اخلاقیات اور وعظ ونصیحت کا رخ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُم اِتِّبَاعُ الْهَوَىٰ
وَطُولُ الْاَمَلِ. مجھے تمہارے بارے میں جن چیزوں کا

خوف ہے ان میں سب سے خطرناک چیز خواہشاتِ نفسانی
کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں ہیں۔ یہ دونوں تمہارے لئے
سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔
فَاَمَّااِتِّبَاعُ الْهَوىٰ فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ. خواہشاتِ نفسانی
کی پیروی انسان کو حق سے باز رکھتی ہے اور ہر قسم کی ہوسرانی
انسان کے اندر حق پرستی کے جذبے کو کمزور بناتی ہے۔

جہاں ہوس پرستی اور ہوسرانی کا عمل دخل ہو وہاں واضح ترین حقائق بھی ماند
پڑ جاتے ہیں۔

وَاَمَّا طُوْلُ الاَمَلِ فَيُنْسِي الآخِرَةَ . لمبی لمبی آرزوئیں
آخرت کی یاد کو طاقِ نسیاں کی نذر بنا دیتی ہیں۔

طُول الْاَمَل کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے: لمبی آرزوئیں لیکن طُول اَمل
صرف اس بات سے عبارت نہیں ہے کہ انسان کی کوئی آرزو ہو۔ آرزو بری چیز نہیں ہے
بلکہ طُول اَمل وہ تخیلات و تفکرات ہیں جو حقیقت سے دور اور شیرین ہوتے ہیں اور
انسان ان میں غرق رہتا ہے۔ گاہے انسان دیر تک ان میں کھو جاتا ہے اگرچہ عملی دنیا
میں اس کے لئے ایک قدم بھی اٹھایا نہ گیا ہو۔ طول امل ایک زہر ہلاہل ہے۔ اسے
پینے کی عادت جس قدر تیز ہو جائے اسی قدر اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔

فَيُنسِي الآخِرَةَ. آخرت کیا ہے؟ آخرت موت کے بعد کے اخروی عالم سے عبارت
ہے۔ آخرت اس محسوس اور ملموس دنیوی زندگی کے بعد کا مرحلہ ہے جس کے لئے
جدوجہد اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ سعی اور کوشش موجبِ زحمت ہوتی ہے اس
لئے انسان کا ذہن حصولِ آخرت کے لئے جدوجہد اور سخت کوشی پر توجہ دینے کی بجائے
زیادہ تر انہی پر کیف تخیلات و توہمات کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ تخیلات
آخرت کی فراموشی کا باعث بنتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں ان لوگوں کے پرجوش اجتماع سے یہ باتیں

کررہے ہیں جن کے دل آپ کی محبت سے لبریز ہیں۔ بعض لوگ جذبہ ایمانی کی وجہ سے آپ سے محبت کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ آپ کے اقتدار کی وجہ سے، کیونکہ عام طور پر لوگ اربابِ اقتدار سے محبت کیا کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام لوگوں کو چکنی چپڑی باتوں اور بے بنیاد وعدوں سے خوش کرنے کی بجائے انہیں تلخ حقائق بتا دیتے ہیں۔ گویا آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

ٹھیک ہے کہ تم لوگوں نے علی سے محبت کا ثبوت دیا اور بصرہ والوں کی طرح غلط طرزِ عمل اختیار نہیں کیا لیکن کہیں یہ امر اس بات کا موجب نہ بنے کہ اب تم شترِ بے مہار بن جاؤ اور خواہشات نفسانی کی لگام ڈھیلی چھوڑ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لمبی لمبی بے جان آرزوؤں اور بے بنیاد توہمات کے پیچھے پھرو جو تمہیں حقیقی اور درست اہداف سے دور کردیں۔

اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ تَرَحَّلَتْ مُدْبِرَةً . جان لو کہ دنیا واپسی کے لیے رخت سفر باندھ چکی اور واپس جارہی ہے۔

وَالآخِرَةُ تَرَحَّلَتْ مُقْبِلَة. اور آخرت (ہماری جانب) آگے بڑھ رہی ہے۔

درحقیقت لحظہ بہ لحظہ دنیا کی عمر گھٹ رہی ہے۔ ہمارا ہر لحظہ ہمیں دنیا سے دور اور آخرت سے نزدیک کر رہا ہے۔ اگر کوئی انسان اس حقیقت کو سمجھ لے تو اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہوجائے گا۔

وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنهُمَا بَنُونَ . ان دونوں (دنیا و آخرت) کے کچھ بیٹے ہیں۔

فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَآءِ الآخِرَةِ پس تم آخرت کے بیٹے بنو۔

اَلْیَومَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابٌ. آج عمل کا دن ہے حساب کا نہیں۔

دنیا حساب کی جگہ نہیں۔ ممکن ہے ہماری دنیوی زندگی کے ایک مختصر سے حصے

کا یہیں حساب و کتاب ہو جس طرح عدالتوں میں لوگوں کا محاسبہ ہوتا ہے لیکن یہ محاسبہ بہت محدود ہے۔ ہمارے اکثر کام وہ ہیں جنہیں ہم دنیا میں انجام دیتے ہیں لیکن ان کا کوئی حساب و کتاب نہیں ہوتا۔

وَغداً حِسابٌ وَلَا عَمَلٌ.

لیکن کل حساب ہوگا اور عمل کی گنجائش نہیں رہے گی۔

یعنی اگر وہاں تمہارے اعمال کم پڑ جائیں اور تم اپنے اعمال میں ذرہ برابر اضافہ کرنا چاہو تو یہ ہرگز ممکن نہ ہوگا۔ وہاں کوئی شخص عمل پر قادر نہ ہوگا۔

امیر المومنین علیہ السلام کا یہ طرزِ فکر سچ مچ تعجب خیز ہے۔ اس عظیم فتح و کامرانی، سربلندی اور قابل فخر کامیابی کے بعد لوگوں کے آگے فخر و مباہات کا اظہار کرنے اور انہیں اپنی طاقت و جبروت کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے آپ علیہ السلام لوگوں کو وعظ و نصیحت سے نوازتے ہیں اور دینی حقائق سے آگاہ کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی نَصَرَ وَلِیَّهُ وَخَذَلَ عَدُوَّهُ تعریف اس خدا کی جس نے اپنے ولی کو نصرت عطا کی اور اپنے دشمن کو بے سہارا چھوڑ دیا۔

وَاَعَزَّ الصَّادِقَ الْمُحِقَّ. اس نے سچے اور برحق بندے کو عزت دی اور اس شخص کو ذلیل و خوار کیا جس نے بیعت توڑی اور باطل کی طرفداری کی۔ (۷۸)

ایک سوال کا جواب

جنگ جمل کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے کوفہ میں جو خطبہ دیا اس کے آخر میں ایک شخص زیر منبر کھڑا ہو گیا اور بولا:

یا علی! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عائشہ اور طلحہ و زبیر کی حمایت کرتے ہوئے قتل ہونے والے کس جرم میں مارے گئے ہیں؟

ملاحظہ ہو کہ امیر المومنین علیہ السلام حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر کے ساتھ جنگ کے بعد

لوٹے ہیں۔ اس جنگ میں بیس ہزار لوگ قتل ہو چکے ہیں اور امام علیہ السلام معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنے کے درپے ہیں۔ اس حساس موقعے پر لوگوں کے اجتماع میں ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور امیر المومنین علیہ السلام سے اس انداز میں بات کرتا ہے لیکن امام علیہ السلام طیش میں نہیں آتے۔ وہاں موجود لوگوں میں سے بعض طیش میں آئے جن کی تعداد کم نہ تھی لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا:

قَتَلُوْا شِيْعَتِىْ وَعُمَّالِىْ

یعنی بصرہ میں حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کا ساتھ دینے والوں کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے بصرہ کے حاکم کو قتل کر دیا جسے میں نے معین کیا تھا۔ انہوں نے بصرہ میں میرے شیعوں اور حامیوں کو قتل کیا۔ انہوں نے ان لوگوں کو صرف اس جرم میں قتل کیا کہ وہ بیعت توڑنے پر آمادہ نہ تھے اگرچہ وہ ان سے کہتے تھے: علی کی بیعت توڑ دو۔ پس میں نے بصرہ کے قریب جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر میں نے اہل بصرہ کو پیغام دیا کہ ان مظلوم مقتولوں کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو۔

فَسَأَلْتُهُمْ اَنْ يَدْفَعُوا اِلَىَّ قَتَلَةَ اِخْوَانِى

میں نے کہا:

میں ان قاتلوں سے قصاص لوں گا۔ پھر میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی۔ تم اہل بصرہ کے ساتھ ہم وہی سلوک کریں گے جس کا حکم قرآن دے۔

فَاَبَوْا عَلَىَّ.

لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا:

ہم تیرے ساتھیوں کے قاتلوں کو تیرے حوالے نہیں کریں گے۔ تیرے ہمارے درمیان ثالثی بھی ہمیں قبول نہیں۔

فَقَاتَلُوْنِىْ وَفِىْ اَعنَاقِهِمْ بَيْعَتِىْ. پس انہوں نے میرے ساتھ جنگ کی حالانکہ ان کی گردنوں میں میری بیعت کا طوق تھا۔

یعنی وہ میری بیعت کر چکے تھے اور ان پر میری اطاعت واجب تھی۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے لڑے۔

وَدِمآءُ قَرِیبٍ مِن اَلفِ رَجُلٍ مِنْ شِیْعَتِی. انہوں نے مجھ سے جنگ کی حالانکہ ان کی گردنوں میں نہ صرف میری بیعت کا طوق تھا بلکہ ان کی گردنوں پر میرے قریباً ایک ہزار ساتھیوں کے خون کی بھی ذمہ داری تھی۔

اَفِی شکٍّ اَنتَ مِنْ ذالِکَ؟ کیا تجھے اس میں کوئی شک ہے؟

اس شخص نے جواب دیا:

نہیں۔ قبل ازیں مجھے شک تھا لیکن اب جب آپ نے وضاحت فرما دی تو میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ حق پر تھے۔ آپ کو اپنی حکومت، اپنی خلافت اور دینِ حق کا دفاع کرنے کا حق حاصل تھا۔ ❁

یہ واقعہ ہمارے لئے سچ مچ ایک سبق ہے۔ ہر سوال کا ایک جواب ہوتا ہے۔ جب دلیل موجود ہو تو لڑنے والا بھی جم کر لڑتا ہے اور مخاطب بھی اسے قبول کرتا ہے۔ (۷۹)

سلیمان بن صرد فتنے کے گرداب میں

جنگ جمل میں چونکہ امیرالمومنین علیہ السلام کے مقابلے میں کئی نامور چہرے (مثلاً طلحہ، زبیر اورام المومنین عائشہ) لوگوں کے سامنے تھے اس لئے امیرالمومنین علیہ السلام کے بعض قریب ترین ساتھی بھی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھیوں کی ایک خاصی تعداد نے جنگ میں شرکت نہیں کی یعنی ان کے دلوں نے نہیں مانا کہ طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ سے جنگ کریں۔ یہ سچ مچ

❁ : صفحہ۵۔

ایک مشکل مرحلہ تھا۔

جنگ جمل میں شرکت سے پہلوتہی کرنے والوں میں سے ایک سلیمان بن صرد خزاعی تھے۔ ❁ یہ بزرگ شخصیت وہ ہیں جو بعد میں کوفہ کے اندر امام حسین علیہ السلام کے مددگار بنے لیکن کربلا نہ آسکے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد سلیمان نے توابین کی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں اہم اور خونچکاں واقعات پیش آئے اور سلیمان شہید ہو گئے۔

امام حسن علیہ السلام کے زمانے میں وہ آپؑ کے مددگار رہے اور امیر المومنین علیہ السلام کے پورے دور حکومت میں آپؑ کے ساتھیوں میں شامل رہے لیکن جنگ جمل میں سلیمان نے امیر المومنین علیہ السلام کے شانہ بشانہ جنگ نہیں لڑی۔ (۸۰)

❁ سلیمان بن صرد کے حالات زندگی اور جنگ جمل میں عدم شرکت پر امیر المومنین علیہ السلام سے سلیمان کی عذر خواہی کے بارے میں دیکھئے ضمیمہ نمبر ۳۶۔

تیرھویں فصل

□ جنگ صفین: قاسطین کے ساتھ جنگ

ایک غیر منصفانہ موازنہ

امیر معاویہ کے بارے میں سنی بھائیوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ سنی امیر معاویہ کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ شافعی بھائیوں کی اکثریت معاویہ کو نہیں مانتی، یہاں تک کہ انہوں نے امیر معاویہ کے خلاف کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ ان میں سے ایک مصری دانشور عباس محمود عقاد ہیں۔

عقاد نے معاویہ کے بارے میں "مُعاویَةٌ فِی المِیزان" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ❁ یہ ایک بہت ہی عجیب اور اہم کتاب ہے جس میں معاویہ کی اخلاقی خصوصیات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے برخلاف اہل سنت بھائیوں کی ایک خاصی تعداد (جن میں سے اکثر حنفی ہیں) امیر معاویہ کو مانتی ہے۔ ہم بھی اگرچہ امیر معاویہ کو نہیں مانتے لیکن ہم ان

❁ عباس محمود عقاد مصر کے معروف مصنف ہیں۔ عقاد کا شمار عصر حاضر میں عالم عرب کے بہت بڑے ارباب قلم میں ہوتا ہے۔ عقاد کی گرانقدر کتابوں میں سے ایک "عَبْقَرِیَّةُ الإمَام" ہے۔ یہ کتاب امیر المومنینؑ کی شخصیت اور نہج البلاغہ کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ عقاد کی دیگر کتابوں میں "عَبْقَرِیَّةُ مُحَمَّد"، اَبُوا الشُّهداء، اَلعَبقَرِیَّات الإسْلامیَّةُ، حَیاةُ المَسِیحِ، عَبقَرِیَةُالإسْلام اور اَلاسلامُ فِی القَرن العِشرِین وغیرہ شامل ہیں۔ مُعاویَة فِی المِیزان کا شمار عقاد کی بہترین تصانیف میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں زبردست گرانقدر نکات اور چشم کشا تجزیے کافی مقدار میں موجود ہیں۔

بھائیوں کے عقیدے کا احترام رکھتے ہوئے ان کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ ہم توہین سے احتراز کریں گے لیکن تاریخی حقائق کا تذکرہ ضرور کریں گے۔

سچ یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امیر معاویہ ہرگز قابل مقایسہ نہیں ہیں۔ یہ تاریخ کا ایک بدترین ظلم ہے کہ کچھ لوگوں نے امیر معاویہ اور امیر المومنین علیہ السلام کو ایک ہی عینک سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ امیر معاویہ نے اپنے دور اقتدار میں امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں کیا رویہ روا رکھا تھا بلکہ خلافت سے پہلے ہی علی علیہ السلام کی شخصیت اور معاویہ کی شخصیت کے تناظر میں ایسا نقطۂ نظر اپنایا گیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت وہ ہے جس نے سب سے پہلے دعوتِ اسلام کو قبول کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا نعرہ بلند کیا تو سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا مثبت جواب دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی باقی ماندہ زندگی (یعنی قریباً پچاس سال) اس دین کی راہ میں دل کی گہرائیوں سے جدوجہد کرنے میں گزاردی۔ آپ نے عشقِ دین کے جذبے سے سرشار ہو کر جہاد کیا، ہزار بار اپنی زندگی کو داؤ پر لگایا اور ہزاروں بار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، اسلام کی مقدس اقدار، اسلامی قوانین اور حقیقی مومنین کی حفاظت فرمائی۔ آپ کو ایک رات بھی آرام وسکون کے ساتھ گزارنے کی فرصت نہیں ملی۔ آپ ہر قسم کی مشکلات سہتے رہے۔ اسی جذبۂ ایمانی کی بنا پر تیرہ سال مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اور دس سالوں تک مدینہ میں ہر قسم کے بحرانوں اور آزمائشوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیتے رہے۔

یہ سکے کا ایک رخ ہے۔

آیئے پہلے امیر المومنین علیہ السلام کے علم، زہد، تقویٰ، جہاد، دنیا سے بے اعتنائی، علم، فقاہت اور دیگر تمام خصوصیات پر نظر کریں اور آپ کی ناقابل تصور عظیم شخصیت کا جائزہ لیں تاکہ اس کے بعد امیر معاویہ کی شخصیت کا جائزہ لیا جاسکے۔

امیر معاویہ نے اس وقت ایمان قبول نہیں کیا تھا جب امیر المومنین علیہ السلام دعوت

اسلام پر لبیک کہہ چکے تھے۔ جب امیر المومنین علیہ السلام اسلام کا دفاع کر رہے تھے تو اس وقت جناب معاویہ، ان کے باپ، ان کے بھائی اور ان کے خویش و اقارب امیر المومنین علیہ السلام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصروف جنگ تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری تیرہ سالہ مکی زندگی میں ایک طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسری طرف سے ابوسفیان، اس کے بیٹوں اور امیر معاویہ کے مابین دشمنی، اختلاف اور نزاع کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اس کے بعد بھی ان لوگوں اور آپ کے درمیان جنگ اور کشمکش کی صورتحال برقرار رہی۔ بدر، احد، احزاب اور ۸ھ تک کی جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے جبکہ امیر معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل تھے۔

اسلام کے خلاف محاذ آرائی کا یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتحِ مکہ کے بعد ابوسفیان اور تمام شکست خوردہ عناصر مسلمان ہوئے۔ امیر معاویہ بھی اسی دوران مسلمان ہوئے۔

اب ان دو شخصیتوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں سے ایک اسلام کے آغاز سے ہی اسے اپنی آغوش میں جگہ دیتا ہے، اسے پروان چڑھاتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی راہ میں تلوار چلاتا ہے اور آخرکار انہی تلواوں کے سایے میں مکہ فتح ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس امیر معاویہ اس پوری مدت میں اسلام کے دائرے سے باہر رہے، اسلام سے برسرپیکار رہے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح کے بعد سر تسلیم خم ہوئے۔

توجہ رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امیر معاویہ کے درمیان مذکورہ بالا فاصلہ ان دونوں کے حقیقی فاصلے سے کہیں کم اور چھوٹا ہے۔(۸۱)

شام: اموی ثقافت کی جولانگاہ

شامیوں کا اسلام خالص نہ تھا۔ شام کے فاتحین شروع سے ایسے لوگ نہیں

تھے جو اسلام کی صحیح، مستحکم اور گہری روح کو شامیوں کے قلب و ذہن میں راسخ کر سکیں۔ جو مسلمان سردار اور حکام شام میں ساکن ہوگئے وہ زیادہ تر نو مسلم تھے۔ امیر معاویہ بھی انہی سرداروں میں سے ایک تھے۔ امیر معاویہ کا بڑا بھائی یزید بن ابی سفیان بھی ایک سردار تھا۔ خلفا نے شام کی حکومت یزید بن ابی سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان کے حوالے کی تھی اور ان دونوں بھائیوں نے سالہا سال وہاں حکومت کی۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ رحلتِ رسول سے صرف دو سال قبل مسلمان ہوئے ہوں اور وہ بھی شمشیروں کے سائے تلے، وہ حقیقی اسلام سے لوگوں کو آشنا کرنے کا حق کیسے ادا کر سکتے تھے؟

شام والے مدائن والوں سے مختلف تھے۔ مدائن میں سلمان فارسی کی حکومت تھی۔ اسی طرح شامی، ایران کے بعض شہروں یا صوبوں کے عوام سے بھی مختلف تھے جہاں بڑے بڑے اصحاب کی حکومت تھی۔ شام والے نو مسلم تھے۔ ابوسفیان کے خاندان نے سالہا سال ان پر حکومت کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روح سے نا آشنا اور بے شمار حقائق سے لاعلم تھے۔

حضرت ابوذر کچھ مدت کے لئے شام گئے تھے۔ شام میں حضرت ابوذر کی موجودگی سے ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ امیر معاویہ نے حضرت ابوذر کو اونٹ پر سوار کر کے مدینہ واپس بھیج دیا اور حضرت عثمان کو پیغام بھیجا کہ اگر ابوذر اچھا ہے تو اسے اپنے پاس رکھیں۔ پھر حضرت عثمان ابوذر کو ربذہ جلا وطن کرنے پر مجبور ہوئے۔ ❁

یہ تھی شام والوں کی صورتحال۔ شامی آسانی سے دھوکہ کھا جاتے تھے۔ وہ امیر معاویہ کی چالوں کو نہ سمجھ سکے۔ امیر معاویہ انہیں رام کرنے اور خلیفۂ وقت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حکومت کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۸۲)

....

❁ حضرت ابوذر اور شام میں ان کی سرگذشت کے بارے میں دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۲۸۔

معاویہ کی امارت برقرار رکھنے کی مخالفت

امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کے ابتدائی ایام میں کچھ لوگوں نے آپؑ سے عرض کی:

یا امیرالمومنین! معاویہ بن ابوسفیان کو کچھ عرصہ حکومت کر لینے دیجئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر میں حاکم ہوں تو وہ اس حکومت کا گورنر نہیں رہ سکتا۔ اسے ہٹنا ہوگا۔ ❁

مشورہ دینے والوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کے موقف کو غلطی پر محمول کیا اور کہا کہ آپؑ نے سیاسی غلطی کی ہے۔ درحقیقت یہ لوگ خود سیاست سے نا آشنا تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا اقدام بہت ہی معقول تھا کیونکہ معاویہ بن ابوسفیان طلحہ و زبیر کی طرح نہ تھے۔ اگر امام علیہ السلام امیر معاویہ کو شام کی گورنری پر برقرار رکھتے تو کیا وہ خاموش رہتے؟ ہرگز نہیں۔ قاسطین کی جماعت کسی صورت امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی تھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام جس قدر پیچھے ہٹتے اسی قدر قاسطین آگے بڑھتے۔ ان میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ وہ کہیں اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے مگر میدان جنگ میں۔ امیرالمومنینؑ کو اس کا علم تھا۔

جب امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد قاسطین کا ٹولہ حکومت پر قابض ہو گیا تو چند سالوں کے اندر انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی نظر میں مثالی حکومت کا تصور کیا ہے۔ حجاج بن یوسف کی حکومت اسی کوفے میں وجود پذیر ہوئی، ✿ یزید بن

❁ امیر معاویہ کو شام کی گورنری پر برقرار رکھنے کے حق میں مغیرہ بن شعبہ کی تجویز اور امام علیہ السلام کی طرف سے اس تجویز کی مخالفت سے آشنائی کے لئے دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۳۷۔

✿ حجاج بن یوسف کو عبدالملک بن مروان کے عہد میں کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔ حجاج نے اس شہر میں ایسے مظالم ڈھائے جن کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ وہ بقول خود لوگوں کا خون بہا کر بہت محظوظ اور لطف اندوز ہوتا ←

معاویہ کی حکومت وجود میں آئی اور ثابت ہوا کہ اموی سیاست اور علوی سیاست کسی نقطے پر جمع نہیں ہو سکتی تھیں۔(۸۳)

معاویہ: امیر المومنینؑ کے مخالفین کا سرگروہ

امیر المومنین علیہ السلام کے بعض ساتھیوں نے آپؑ سے کہا:

معاویہ سے چشم پوشی کیجئے اور اسے شام پر حکومت کرنے دیجئے۔

امامؑ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا بلکہ امیر معاویہ کو خطرناک عنصر قرار دے دیا۔ امام علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ امیر معاویہ مثالی حاکم نہیں ہے بلکہ آپ نے انہیں دین کے لئے خطرناک قرار دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے نظام حکومت میں اچھے لوگوں اور مومنوں کے علاوہ دو طرح کے سرکاری عہدیدار موجود تھے۔ بالفاظ دیگر جو اہلکار مثالی کردار کے حامل نہ تھے وہ دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جو اپنی سابقہ کارکردگی کے تناظر میں اور دینی نقطہ نظر سے زیادہ قابل قبول نہ تھے۔ امام علیہ السلام نے ان سے تعرض نہیں کیا اور انہیں اپنے عہدوں پر کام جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ بطور مثال زیاد ابن ابیہ فارس اور اصفہان میں (جو بہت حساس علاقے تھے) امیر المومنین علیہ السلام کا گورنر تھا۔ ❀ اگرچہ یہ لوگ اسلامی اقدار اور اصولوں پر کاربند ہونے کے نقطہ نظر سے اونچے مقام پر فائز نہ تھے لیکن چونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں نبھا سکتے تھے اس لئے امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں برقرار رکھا۔

← تھا۔ اس نے اپنی شرمناک زندگی میں ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کو اذیت دے دے کر قتل کیا۔ اس کی موت کے وقت پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں اس کے زندانوں میں بدترین حالت میں موت اور زندگی کے درمیان ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں عراق پر حجاج کے تسلط کی خبر دی تھی۔ (دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ ۱۱۶، صفحہ ۱۷۴)

❀ زیاد بن ابیہ کے حالات زندگی ضمیمہ نمبر ۳۸ میں ملاحظہ ہوں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ تھے جن کا ناقص ہونا ہی مسئلہ نہ تھا بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ یہ لوگ سرے سے اسلامی حکومت اور نظامِ حیات کو بدلنے کا پکا ارادہ رکھتے تھے۔ امیر معاویہ کے معاملے میں صرف یہ مسئلہ درپیش نہ تھا کہ ان کا انفرادی طرزِ عمل درست نہیں بلکہ امیر معاویہ کے بارے میں امیرالمومنین علیہ السلام کو علم تھا کہ وہ خلافت کے راستے کو ہی تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے راستے پر کبھی گامزن نہ ہوں گے نیز اگر وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے گورنر کے طور پر باقی رہیں تب بھی اپنی مرضی چلائیں گے جیسا کہ وہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور میں اپنی مرضی چلاتے رہے تھے۔

امیر معاویہ حضرت عمر کی بھی پروا نہیں کرتے تھے اور حضرت عثمان کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اگر امیرالمومنین علیہ السلام امیر معاویہ کو باقی رکھتے تب بھی وہ آپؑ کی اطاعت نہ کرتے۔ امیر معاویہ کا معاملہ ایک عام حاکم جیسا نہ تھا۔ وہ مرکزی حکومت اور خلافت کے لئے خطرے کی گھنٹی تھے۔ اسی لئے امیرالمومنین علیہ السلام اس نتیجے تک پہنچے تھے کہ امیر معاویہ کو ہٹانا ضروری ہے۔ ❁ (۸۴)

امیر معاویہ کی معزولی

امیرالمومنین علیہ السلام معاویہ کو حکمرانی اور گورنری کے لئے مناسب فرد نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپؑ نے خلافت کے ابتدائی ایام بلکہ شاید ابتدائی گھڑیوں میں ہی (جب آپ گورنروں کو منصوب کرنے میں مشغول تھے) امیر معاویہ کو معزول کر دیا۔ ✿ (۸۵)

معاویہ کا ردِعمل

جب خلیفۂ مسلمین اور امیرالمومنین کسی گورنر سے یہ کہہ دیں کہ تم معزول ہو تو

....

❁ امیرالمومنین علیہ السلام امیر معاویہ کے بارے میں ایک غیر معمولی باریک اور لطیف جملہ بیان فرماتے ہیں جو بہت ہی قابلِ غور ہے: "وَسَاَجْهَدُ فِی اَنْ اُطَهِّرَ الْاَرْضَ مِنْ هٰذَا الشَّخْصِ الْمَعْكُوْسِ وَالْجِسْمِ الْمَرْكُوْسِ حَتّٰى تَخْرُجَ الْمَدَرَةُ مِنْ بَيْنِ حَبِّ الْحَصِيْدِ" میں عنقریب کوشش کروں گا کہ اس ٹیڑھے شخص اور کج اندیش جسم سے زمین کو صاف کر دوں تا کہ دانوں کے درمیان سے سنگریزے الگ ہو جائیں۔ (نہج البلاغہ: مکتوب نمبر ۴۵، صفحہ ۴۱۸)

✿ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۷۵، صفحہ ۴۶۴۔

پھر اس گورنر کو عقل، نقل، منطق، شریعت اور عرف کی رو سے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ خلیفہ برحق کی نافرمانی کرے، معزول ہونے سے انکار کرے اور اس کے خلاف جنگ پر اتر آئے لیکن امیر معاویہ نے یہ سارے کام انجام دیے۔ جب امیر المومنین علیہ السلام نے معاویہ کو شام کی حکومت سے برطرف کیا تو انہوں مرکزِ خلافت کا حکم تسلیم کرنے کی بجائے حکم عدولی کا راستہ اپنایا۔ ۞ (۸۶)

امام علیہ السلام کا فیصلہ کن اصولی موقف

جنگ صفین کیا تھی؟ یہ درحقیقت اقتدار پرستی اور زر پرستی کے زبردست مضبوط محاذ (جس کی قیادت امیر معاویہ کر رہے تھے) کے خلاف امیر المومنین علیہ السلام کے تصادم سے عبارت تھی۔ امیر معاویہ کے پاس بڑی طاقت اور بڑی دولت تھی نیز لوگوں کی بڑی تعداد انہیں تسلیم کرتی تھی۔ یہ لوگ امیر معاویہ کی خاطر جنگ لڑنے پر آمادہ تھے۔ ان لوگوں نے اسلام کو امیر معاویہ کے ذریعے سمجھا تھا۔ شامیوں نے جب سے صحیح اسلام کا نظارہ کیا تھا اسی وقت سے امیر معاویہ کو دیکھا تھا۔ معاویہ کے پاس بے تحاشا دولت بھی تھی۔

یہاں امیر المومنین علیہ السلام کوئی اور آسان پالیسی بھی اختیار کر سکتے تھے لیکن آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ آپؑ کی جو شرعی ذمہ داری بنتی تھی اسی پر عمل کریں، کوئی رو رعایت نہ برتیں اور کوئی ایسا راہِ گریز اختیار نہ کریں جس کا مقصد سہولت و آسائش کا راستہ اپنانا یا مشکلات سے گلوخلاصی ہو۔ یوں آپ نے صفین کی تلخ ترین اور پر مشقت جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ (۸۷)

۞ جب امیر المومنین علیہ السلام کا خط امیر شام کو ملا اور وہ اپنی برطرفی سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے امامؑ کے ایلچی کو واپس بھیج دیا اور اس سے کہا: تیرے پیچھے پیچھے میرا جواب بھی پہنچ جائے گا۔ امیر معاویہ نے امامؑ کے خط کے جواب میں کاغذ کے دو پرزوں کو ایک دوسرے سے جوڑا اور اس کی ابتداء میں لکھا: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کے نام۔ اس کے بعد خط میں کچھ نہیں لکھا اور اسے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کیا۔ (دیکھئے الاخبار الطوال، صفحہ ۱۴۱)

تقدس مآب لوگوں کا شش و پنج

جنگ جمل سے واپس کوفہ پہنچنے کے بعد جب امام علیہ السلام نے امیر معاویہ سے جنگ کی خاطر شام کی طرف روانگی کا پکا ارادہ فرمایا تو ربیع بن خثیم (جس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے) اور عبداللہ بن مسعود کے ساتھی جو تقدس کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا:

یا امیر المومنین ! اِنَّا شَکَکْنَا فِیْ ھٰذا الْقِتَال اے امیر المومنین! ہم اس جنگ کے بارے میں شک و تردد کے شکار ہیں۔

فرمایا:

کس قسم کا شک؟

انہوں نے کہا:

وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ پس آپ ہمیں سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیجئے۔

فرمایا:

چلے جاؤ۔ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ ❁

حقیقت بھی یہی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کو اس طرح کے لوگوں کی ضرورت نہیں تھی۔ عبداللہ بن مسعود کے ساتھی انہی باطل خیالات کے باعث امیر المومنین علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (۸۸)

❁ "وقعۃ الصفین" نامی کتاب میں منقول ہے کہ جن دنوں امیر المومنینؑ لوگوں کو معاویہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر رہے تھے اس دوران عبداللہ بن مسعود کے چار سو ساتھی امام کی خدمت میں پہنچے۔ ان میں ربیع بن خثیم بھی شامل تھا۔ ان لوگوں نے امامؑ سے کہا: "اگر چہ ہم آپ کی برتری اور فضیلت کو دل سے مانتے ہیں لیکن ہم اس جنگ کے بارے میں شک و تردد کے شکار ہو گئے ہیں۔ چونکہ سرحدوں پر بھی عسکری طاقت کی ضرورت ہے اس لئے ہماری تجویز ہے کہ آپ ہمیں کسی سرحد پر بھیج دیں تاکہ ہم وہاں اپنی سپاہیانہ خدمات انجام دیں۔" امامؑ نے ان کی تجویز قبول کر لی اور انہیں "رے" کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ (وقعۃ صفین، صفحہ ۱۱۵)

مدائن کے شاہی کھنڈرات کے پاس نصیحت آمیز گفتگو

جنگ صفین کے راستے میں امام علیہ السلام مدائن سے گزرے۔ وہاں پہنچ کر امام علیہ السلام نے توقف کیا۔ آپؑ نے مدائن کے مشہور محل اور ایوان شاہی پر نظر فرمائی اور یہ آیت پڑھی:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنَّاتٍ وَ عُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَ مَقَامٍ كَرِيْمٍ وَنِعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فَاكِهِيْنَ ۞

یعنی یہ صاحبان اقتدار اور سلاطین کتنے ہی محلات، باغات، کھیتیاں، عشرت کدے اور نہریں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

آپ نے ان آثار پر عبرت آمیز نظر دوڑائی۔ جن دنوں ساسانی سلاطین مدائن کے شاہی محلات اور پرشکوہ شہر میں بیٹھ کر اس وسیع و عظیم مملکت پر حکومت کر رہے تھے اس وقت وہ یقیناً اس بات سے غافل تھے کہ ایک دن یوں ختم ہو جائیں گے، یہ محلات کھنڈرات میں تبدیل ہو جائیں گے اور ان کی یاد ذہنوں سے حرفِ غلط کی طرح محو ہو جائے گی۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ هٰؤُلَآءِ كَانُوْا وَارِثِيْنَ فَاَصْبَحُوْا مَوْرُوْثِيْنَ

بے شک اس مرکز اور ان محلات کو بنانے والے اپنے دور میں اپنے اسلاف کے وارث تھے۔

جی ہاں ساسانیوں نے اشکانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اردشیر بابکان نے اردن پنجم کو ختم کیا پھر اس کی بیٹی نے اس کی حکومت اور اس کے محل پر قبضہ جما لیا۔ یوں وہ ان کے وارث بن گئے۔ لیکن آج؟

فَاَصْبَحُوْا مَوْرُوْثِيْن.

۞ یہ لوگ کتنے ہی باغات، چشمے، کھیتیاں، گرانقدر اور خوبصورت محلات اور دیگر بہت ساری نعمتیں جن میں یہ لوگ غرق تھے چھوڑ کر چلے گئے۔ (دخان: ۲۵، ۲۶، ۲۷)

آج کچھ اور لوگ ان کی میراث پر قابض ہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ ھٰؤلَآءِ لَمْ یَشکُرُوا النِّعْمَۃَفَسلبُوادُنْیا ھُمْ بِالْمَعْصِیَۃِ.

آج جن لوگوں کو تم عذابِ الٰہی کے باعث تباہ دیکھتے ہو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا تھا۔

وہ ناجائز کاموں کو جائز سمجھتے تھے۔ وہ ظلم، ناانصافی، امتیازی سلوک، سستی و کاہلی، شہوترانی، کرپشن اور برائیوں کے ارتکاب جیسی خرابیوں کو درست سمجھتے تھے جس کے نتیجے میں ان پر عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَکُفْرِالنِّعَمِ لَا تَحلُّ بِکُمُ النِقَمُ.

ناجائز کاموں کو جائز قرار مت دو تا کہ تمہارے اوپر عذاب نازل نہ ہو۔ ❁ (۸۹)

لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی خاطر جنگ میں تاخیر

امیرالمومنین علیہ السلام ایک طاقتور لشکر کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔ ادھر امیر معاویہ نے بھی کوچ کیا۔ "صِفِّین" کے مقام پر ان کا آمنا سامنا ہوا۔ امیرالمومنینؑ کا ارادہ تھا کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ آپ علیہ السلام دشمن کو سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے کا عزم صمیم رکھتے تھے۔

فرمایا:

میں انہیں سمجھاتا ہوں۔ اگر یہ لوگ میری نصیحت قبول کر لیں تو میں ان کے خلاف تلوار نہیں چلاؤں گا اور ان سے جنگ نہ کروں گا۔

❁ دیکھئے وقعۃ الصِفّین: صفحہ ۱۴۲۔

امیر المومنین علیہ السلام صفین میں جنگ کو اس قدر ٹالتے رہے کہ آپ کے اصحاب تنگ آگئے اور کہنے لگے:

اے امیر المومنین! کیا آپ معاویہ کے لشکر سے ڈرتے ہیں؟ کیا اسی لئے آپ ان کے ساتھ جنگ سے احتراز کر رہے ہیں؟

فرمایا:

میں ان سے ڈروں؟ میں نے جوانی میں بڑے بڑے پہلوانوں کو زیر کیا ہے۔ سالہا سال گزر چکے مگر کوئی خوف یا خطرہ مجھے میدان سے ہٹا نہیں سکا۔ کیا میں ڈروں؟

فَوَاللّٰهِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ يَوْماً اِلَّا وَ اَنا اَطْمَعُ اَنْ تَلْحَقَ بِیْ طَائِفَةٌ فَتَهْتَدِیَ. میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی نہیں ٹالا مگر اس امید میں کہ ان میں سے کچھ لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں، یہ ہوش کے ناخن لیں، میرے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ہدایت پالیں۔

وَذَالِكَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَهَا عَلٰی ضَلاَ لِهَا❁

یہ میرے نزدیک انہیں گمراہی کی حالت میں قتل کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

❁ جب جنگ صفین میں امام علیہ السلام کے ساتھی جنگ میں مسلسل تاخیر کے باعث تنگ آگئے اور بعض افواہیں بھی فوج کے اندر گشت کرنے لگیں جو بہت خطرناک تھیں تو امام علیہ السلام نے اپنے حامیوں سے خطاب کرتے ہوئے جنگ میں تاخیر کرنے کی وجہ بیان فرمائی اور افواہوں کا جواب اس طریقے سے دیا: ''تم یہ پوچھتے ہو کہ کیا جنگ سے چشم پوشی کی وجہ موت کا خوف ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف چلی آئے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ مجھے شامیوں کے ساتھ جنگ میں تردد ہے تو اللہ کی قسم! میں نے ایک دن کے لئے بھی جنگ کو موخر نہیں کیا مگر اس امید میں کہ ان میں سے بعض لوگ ہماری طرف آجائیں اور ہدایت پائیں نیز گمراہی کی تاریکیوں کے درمیان میری روشنی کی ایک جھلک دیکھ کر میری طرف چلے آئیں۔ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ لوگ گمراہی کی حالت میں قتل ہونے کی بجائے ہدایت حاصل کریں اگرچہ قتل ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے ہی گناہوں کی بھینٹ چڑھیں گے۔'' (دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ۵۵، صفحہ۹۱۔)

امام علیہ السلام کا یہ مشفقانہ سلوک کس قدر عجیب ہے؟ آپ اپنی زبردست قوتِ فیصلہ اور اصول پسندی کے باوجود گنہگاروں، اشتباہ کرنے والوں اور فریب کھانے والوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے ہیں اور فرماتے ہیں:

میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ گمراہ ہونے والا گمراہی کی حالت میں قتل ہونے کی بجائے میرے ذریعے ہدایت حاصل کرے اور گمراہی سے نکل آئے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ ممکنہ صورت میں لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کا سامان کریں لیکن معاویہ کے لشکریوں نے شروع سے ہی ایسی صورتحال پیدا کر دی تھی کہ جنگ کی آگ شعلہ ور ہو۔(۹۰)

پانی کا بحران

شامیوں نے جنگ کی ابتدا کر دی۔ انہوں نے پانی کے اس گھاٹ پر قبضہ کر لیا جس سے دونوں لشکروں کو استفادہ کرنا چاہیے تھا۔ پھر انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔

جب امیرالمومنین علیہ السلام کا لشکر وہاں پہنچا تو سپاہیوں نے مشاہدہ کیا کہ پانی کے واحد گھاٹ پر شامی لشکر کا قبضہ ہے۔ اس موقع پر امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک بہت ہی پختہ، مختصر اور نہایت خوبصورت خطبہ دیا۔ فرمایا:

رَوُّوْا السُّیُوْفَ مِنَ الدِّ مَآءِ تَرْوَوْا مِنَ الْمآءِ

یعنی یا تو ذلت اور زبوں حالی کی تصویر بن کر یونہی پڑے رہو اور پیاس سے مر جاؤ یا مردوں کی طرح اٹھو اور اپنی تلواروں کو دشمنوں کے خون سے سیراب کرو تاکہ تم خود پانی سے سیراب ہو سکو۔ ❁

❁ جب امیر معاویہ کا لشکر گھاٹ پر قابض ہو گیا اور انہوں نے امامؑ کے لشکر کو پانی تک رسائی سے روکا تو امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: معاویہ کے لشکر نے تمہیں پانی سے محروم کر کے ←

یہ سن کر امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر نے حملہ کر دیا اور پانی کے گھاٹ کو دشمنوں سے چھین کر انہیں پسپا کر دیا۔ یوں نہ صرف یہ کہ وہ خود سیراب ہوئے بلکہ انہوں نے دشمنوں کے لئے بھی پانی کی سہولت برقرار رکھی۔ امام علیہ السلام نے دشمن کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو انہوں نے آپؑ کے لشکر کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے باوجود امیر معاویہ اور ان کی حامی فوج کے غلط دباؤ کی وجہ سے جنگ شروع ہوگئی اور جاری رہی۔ (۹۱)

عمار کی گفتگو

جنگ صفین کے دوران ایک دن امام علیہ السلام کے کچھ سپاہی تردد کا شکار ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

> یہ کیا بات ہوئی کہ ادھر ہم جماعت کی نماز پڑھ رہے ہیں اور اُدھر وہ جماعت کی نماز پڑھ رہے ہیں؟ پھر ہم ایک دوسرے سے جنگ کیوں کریں؟

یوں لشکر کے اندر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ جناب عمار یاسر کو اس واقعے کی اطلاع مل گئی۔ اس وقت عمار یاسر تقریباً اسی (۸۰) سالہ پیر تھے۔ وہ لشکر کے درمیان جا کر کھڑے ہو گئے اور بولے:

> لوگو! میں آپ کو ایک بات کی خبر دیتا ہوں جس کی آپ تصدیق کریں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ جس پرچم کے نیچے آج آپ کھڑے ہیں (یعنی امیر المومنین علیہ السلام کا پرچم) اسے

← تمہیں جنگ کی دعوت دے دی ہے۔ اس وقت تمہارے آگے دو راستے ہیں۔ یا تو یہ کہ ذلت و خواری کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جاؤ۔ یا اپنی تلواروں کو دشمن کے خون سے سیراب کرو تاکہ تم خود پانی سے سیراب ہو سکو۔ زیردست، مقہور اور مجبور ہو کر زندہ رہنے میں موت ہے جبکہ سربلندی و بالادستی کے ساتھ مرنے میں زندگی ہے۔ اَلْمَوتُ فِی حَیَاتِکُمْ مَقْھُورِیْنَ وَالْحَیاۃُ فِیْ مَوْتِکُمْ قَاھِرِیْنَ۔ جان لو کہ معاویہ بعض جاہل، گنوار اور گمراہ لوگوں کو سمیٹ کر لے آیا ہے۔ اس نے مکر و فریب کے پردے میں حقیقت کو چھپا لیا ہے تاکہ لوگوں کو حقیقت کا علم نہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی گردنوں کو تیروں اور تلواروں کا تختہ مشق بنا کر مرنے پر تیار ہو جائیں۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۵۱، صفحہ ۸۸)

میں نے جنگ بدر کے دن دیکھا تھا کہ اس کے نیچے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہیں۔ یہ اسلام کا پرچم تھا، یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پرچم اور بنی ہاشم کا پرچم تھا۔ میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب اسی پرچم کے نیچے لوگوں کو جہاد اور بہشت کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اس کے برعکس وہ پرچم جو آپ کے بالمقابل موجود ہے (یعنی بنی امیہ کا پرچم) اسے میں نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ اس کے نیچے ابوسفیان اور یہ لوگ کھڑے تھے۔ جو لوگ آج اس کے نیچے کھڑے ہیں وہی بدر اور احد میں بھی اس کے نیچے کھڑے تھے۔

یہ پرچم اور ان پرچموں کے نیچے جو لوگ کھڑے ہیں وہی ہیں جنہیں میں نے بدر اور احد میں دیکھا ہے۔ اس پرچم کے نیچے ابوسفیان، بنی امیہ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن جمع تھے۔ ان میں یہی معاویہ بھی تھا۔ آپ چیزوں کے ظواہر سے اشتباہ میں نہ پڑ جائیں۔ حقائق کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ ان ظواہر کے باعث اپنی معرفت کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ ❁

عمار یاسر نے اپنی پرمغز اور جوشیلی تقریر سے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔ اس تقریر سے لوگوں کے شکوک دور ہو گئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے انہی شکوک و شبہات کے پیش نظر جنگ صفین میں فرمایا:

وَلَا یَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ اِلَّا اَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ ✿

❁ وقعة صفین، صفحہ ۳۲۱۔

✿ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: اس وقت تمہارے اور اہل قبلہ کے درمیان جنگ کی آگ شعلہ ور ہو چکی ہے اور اس جنگ کا پرچم صرف وہی اٹھا سکتے ہیں جو صبر و استقامت کے پیکر اور حق آشنا ہوں۔ بنا برایں وہ جو حکم دیں اس پر عمل کرو اور وہ جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ جب تک کسی امر کی حقیقت واضح نہ ہو اس میں جلدی ←

> یعنی معاویہ کے ساتھ جنگ اور گمراہ مسلمانوں کے ساتھ پیکار کا جھنڈا صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو بصیرت کا حامل ہو اور صبر و استقامت کا بھی۔

ان دونوں کے بغیر بات نہیں بنتی۔ یعنی اگر صبر و استقامت ہو لیکن بصیرت نہ ہو تو اس راہ پر قائم رہنا ممکن نہیں۔ (۹۲)

یا جنگ یا کفر

صفین کی جنگ زوروں پر تھی۔ اس دوران امیر معاویہ کے لشکر سے ایک شخص آیا اور چلا کر کہنے لگا:

> یا علی! مجھے آپ سے کام ہے۔ آگے آیئے تاکہ آپ سے بات کروں۔ آپ آگے بڑھے۔

اس مرد نے کہا:

> یا علی! آپ اللہ کی خاطر یہ جنگ بند کریں۔ آپ کوفہ کی راہ لیں اور وہاں حکومت کرتے رہیں، ہم شام چلے جائیں گے۔ اتنے سارے مسلمانوں کے مارے جانے کا آپ کو کیا فائدہ ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

> اے شامی! میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری نیت خیر خواہی پر مبنی ہے اور تیرا کوئی برا ارادہ نہیں۔ تم سچ مچ نیک نیتی سے یہ بات کر رہے ہو لیکن جان لو کہ میرے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ معاویہ سے جنگ کروں اور دوسرا یہ کہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے کفر برتوں۔ اگر میں معاویہ سے جنگ نہ کروں تو

← سے کود نہ پڑو کیونکہ ہم اس بات کے مجاز ہیں کہ تم جن امور کو پسند نہیں کرتے انہیں تبدیل کریں (بشرطیکہ حکم خدا کے منافی نہ ہو۔) (دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ ۱۷۳، صفحہ ۲۴۸)

یہ قانونِ الٰہی سے کفر برتنے کے مترادف ہے۔ ۞

یہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کا موقف اور نقطۂ نظر۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ دین کی حفاظت کے لئے معاویہ سے جنگ ضروری ہے۔ یہاں مسئلہ بغاوت، نافرمانی، سیہ کاری اور فسق و فجور کا نہیں تھا بلکہ دین کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ معاویہ اقتدار سے ہٹ جائے۔ جب امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ نظریہ ہو تو ظاہر ہے آپ مکمل عزم کے ساتھ لڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تحکیم کا مسئلہ پیش آیا اور امیرالمومنین علیہ السلام آخری فتح کے قریب پہنچنے کے بعد فتح سے دور ہو گئے اور مجبوراً کوفہ واپس آئے تو اس کے بعد آپ نے اسبابِ حرب اور لشکر کی تیاری کی تگ و دو کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ اگر زندگی مہلت دیتی اور آپ شہید نہ ہوتے تو آپ معاویہ سے دوبارہ جنگ کے لئے تشریف لے جاتے۔ یہ امیرالمومنینؑ کی قوت فیصلہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔(۹۳)

وقتِ نماز کا خیال

حضرت ابن عباس کہتے ہیں:

> میں نے صفین میں دیکھا کہ جب جنگ زوروں پر تھی عین اسی وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر فرمائی۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ جنگ کی حالت میں ہر شخص کی مکمل توجہ لڑائی پر مرکوز ہوتی ہے کہ تیر کہاں سے آرہا ہے، تلوار کہاں سے چل رہی ہے اور کون اس کی طرف بڑھ رہا ہے؟ لشکر کا سردار دیکھتا ہے کہ فوج کا کون سا حصہ کمزور پڑ گیا ہے تاکہ اس حصے کی مدد کی جائے۔

ابن عباس کہتے ہیں:

> میں دیکھا کہ آپ علیہ السلام آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں

۞ وقعة صفين: صفحہ ۴۷۴۔

نے پوچھا: یا امیرالمومنین! آپ اوپر کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ کیا ظہر کا وقت ہو گیا ہے تاکہ نماز پڑھ لوں۔ میں نے عرض کی: اے امیرالمومنین! ظہر کا وقت ہو گیا ہے لیکن فی الحال ہم جنگ جاری رکھتے ہیں اور نماز کو موخر کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں، ہم اسی نماز کی خاطر تو جنگ کر رہے ہیں۔ ہم نماز، دین اور ذکر خدا کی خاطر تلوار چلا رہے ہیں۔ ۞

یہ ایک عجیب درس ہے تاکہ ہم اصل نصب العین کو فراموش نہ کر بیٹھیں اور اس بات سے غافل نہ رہیں کہ ہماری جنگ اسلام، نماز اور حکومت الٰہیہ نیز ہمارے دلوں اور ہماری زندگی پر اللہ کی حاکمیت کی خاطر ہے۔ (۹۴)

نیزوں پر قرآن

امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر نے شامی سپاہیوں کو پیچھے دھکیل دیا اور ان پر زبردست دباؤ ڈالا یہاں تک کہ خود امیر معاویہ اور عمرو عاص قتل ہونے والے ہی تھے۔ اتنے میں عمرو عاص نے ایک چال چلی اور شامیوں نے قرآن کے نسخوں کو نیزوں کے اوپر بلند کیا تاکہ وقتی طور پر جنگ بندی ہو جائے۔ انہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ آؤ قرآن کے فیصلے پر عمل کریں۔ ۞

ظاہر ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام اس پر فریب نعرے سے دھوکہ کھانے والے نہ

۞ ارشاد القلوب میں مرقوم ہے: جنگ صفین کے دوران ایک دن امیرالمومنین جنگ میں مصروف تھے اور دونوں لشکروں میں زبردست لڑائی جاری تھی۔ اس وقت ابن عباس نے دیکھا کہ امام کی توجہ آفتاب پر مرکوز ہے۔ ابن عباس نے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ کیا ظہر کا وقت ہو گیا ہے تاکہ میں نماز پڑھوں۔ ابن عباس نے پوچھا: یہ نماز پڑھنے کا وقت ہے؟ جنگی مسائل و مشکلات کے باعث نماز کی گنجائش نہیں ہے۔ امام نے فرمایا: عَلیٰ مَا نُقَاتِلُهُم ؟ اِنَّمَا نُقَاتِلُهُم عَلَى الصَّلاۃِ۔ ہم ان کے ساتھ کیوں لڑ رہے ہیں؟ ہم نماز کی خاطر ہی تو ان سے جنگ لڑ رہے ہیں۔ (ارشاد القلوب، جلد۲، صفحہ۲۱۷)

۞ تاریخ یعقوبی: جلد۲، صفحہ۱۸۸۔

تھے۔ ادھر مالک اشتر اگلی صفوں میں لڑ رہے تھے۔ امامؑ کے لشکر کے کوتاہ بین اور سادہ لوح افراد کی ایک جماعت نے آپؑ پر دباؤ ڈالا کہ اب جب یہ لوگ صلح چاہتے ہیں تو آپ قرآن کا احترام ملحوظ کیوں نہیں رکھتے اور قرآن کے فیصلے کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ ان سادہ لوح افراد کی ایک بڑی تعداد عبادت گزاروں اور مذہب کے پابند افراد پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ دشمن کے ظاہری نعروں سے دھوکہ کھا گئے۔

یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں امتِ مسلمہ کو درپیش عظیم ترین مصیبتوں میں سے ایک لوگوں کی کوتاہ اندیشی اور سادہ لوحی رہی ہے۔ یہ لوگ اصل حقائق کو سمجھنے کی بجائے ہمیشہ ظواہر کو دیکھتے رہے ہیں۔

ان سادہ اندیشوں نے امیرالمومنین علیہ السلام پر دباؤ ڈالا کہ آپ شامیوں کی تجویز تسلیم کرلیں یہاں تک کہ انہوں نے آپؑ کو تلوار کے ذریعے دھمکی دی۔ امیرالمومنینؑ اپنے سپاہیوں سے تو نہیں لڑ سکتے تھے اس لئے آپؑ نے مالک اشتر کو پیغام دیا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں۔ یوں حکمیت کا مسئلہ پیش آیا اور شامی ٹولہ عمرو عاص کی قیادت میں اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کامیاب ہوگیا۔ ❁

امیرالمومنین علیہ السلام کو حکمیت قبول کرنے پر مجبور کرنے والوں نے بعد میں اسی حکمیت کو بہانہ قرار دے کر ایک اور طوفان کھڑا دیا۔ انہوں نے فوری کروٹ لیتے ہوئے امام علیہ السلام پر الٹا اعتراض کر دیا کہ آپؑ نے حکمیت کیوں قبول کی۔ بالفاظ دیگر خود ان لوگوں نے جس مصیبت کا پھندا امیرالمومنین علیہ السلام اور مسلمانوں کی گردن میں ڈالا تھا اب وہ اس کا ملبہ بھی امیرالمومنین علیہ السلام پر ڈال رہے تھے۔ ✿(۹۵)

❁ حکمیت قبول کرنے کے حق میں امام علیہ السلام کے بعض لشکریوں کے اصرار اور ان کی طرف سے امامؑ کو دھمکی کہ حکمیت قبول نہ کرنے کی صورت میں آپ عثمان کی طرح قتل کر دیے جائیں گے نیز آخر کار میدان جنگ سے مالک اشتر کی واپسی کے بارے میں ملاحظہ ہو: ضمیمہ نمبر ۳۹۔

✿ تحکیم پر اعتراض کرنے والے خوارج سے امیرالمومنین علیہ السلام کی گفتگو اور آپؑ کی طرف سے ان کے سوالات کے جوابات شیخ مفید کی الارشاد: جلد ۱، صفحہ ۲۷۰ میں مرقوم ہیں۔

ایک بار پھر معاویہ سے جنگ کی تیاری

امیرالمومنین علیہ السلام شکست کے وقت بھی مایوس اور دل برداشتہ نہیں ہوتے تھے۔ جنگ صفین میں آپؑ دس ماہ جنگ کی حالت میں رہے۔ جب آپؑ کی فتح کا لمحہ بالکل قریب آیا تو امیر معاویہ کی طرف سے ایک سازش ہوئی۔ چنانچہ شامیوں نے قرآن کے نسخوں کو نیزوں کے اوپر بلند کیا۔ ادھر آپؑ کے لشکر کے کچھ لوگوں نے آپؑ پر دباؤ ڈالا کہ آپؑ جنگ بندی کریں۔ آپؑ نے مجبوراً جنگ بندی اور حکمیت کو قبول کیا اور کوفہ کی طرف واپسی اختیار کر لی۔

کوفہ واپسی کے بعد آپؑ نے حکمین (ثالثوں) کے فیصلے کی خبر سنی۔ ❁ اس کے فوراً بعد آپؑ نے لشکر جمع کرنے اور ایک بار پھر معاویہ سے جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ بالفاظ دیگر امام علیہ السلام پہلی شکست سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے۔ اگر امیرالمومنین علیہ السلام کو دس بار بھی اس طرح کے جنگی میدانوں میں جانا اور شکست سے روبرو ہونا پڑتا تب بھی آپ گیارہویں مرتبہ لشکر جمع کرتے اور جنگ کی خاطر میدان میں اترتے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے لشکر جمع کر لیا۔ آپؑ معاویہ سے ایک بار پھر جنگ کے لئے جانے پر آمادہ و تیار تھے۔ اتنے میں آپؑ کو خبر ملی کہ خوارج ایک خاص مقام پر جمع ہو کر فتنہ انگیزی کر رہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

پہلے ان کا فتنہ ختم کرتے ہیں پھر معاویہ سے نمٹ لیں گے۔

چنانچہ آپ خوارج کی جانب بڑھے۔ اس کے بعد وہ حوادث پیش آئے جو آپ کی شہادت پر منتہی ہوئے۔ (۹۶)

❁ واقعۂ تحکیم میں ابوموسیٰ اشعری کی خیانت، عمرو بن عاص کے ہاتھوں ابوموسیٰ کے فریب کھانے، مکہ کی طرف ابوموسیٰ کے فرار اور اس بارے میں امیرالمومنین علیہ السلام کی گفتگو سے آشنائی کے لئے دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۴۰۔

چودھویں فصل

□ معرکہ نہروان: مارقین کے ساتھ جنگ

خوارج: سب سے بڑی رکاوٹ

شہید مطہری امیرالمومنین علیہ السلام کو درپیش مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے خوارج کی طرف خاص طور سے اشارہ کرتے ہیں۔ انہوں نے خوارج کے بارے میں نہایت عمدہ بحث کی ہے جو سچ مچ عمیق غور وفکر کی قابل ہے۔* وہ لکھتے ہیں:

> خوارج ایسے نومسلم لوگ تھے جو اسلامی جذبہ رکھتے تھے لیکن
> اسلام کے بارے میں صحیح آگاہی سے عاری تھے۔

دراصل مشکلات کی اصل جڑ یہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اور دس سالہ مدنی زندگی کے دوران مسلمانوں کی تربیت فرماتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پل ان کی نگرانی فرماتے اور ہر قدم پر انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ آپ لوگوں کو اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ اسلامی معاشرے کو دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کس قسم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور جملہ مسائل میں کس قسم کا موقف اپنانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ

---

* دیکھئے سیری در سیرۂ آئمہ اطہار علیہم السلام (مطہری) صفحہ ۲۱،۴۱۔

تربیت پانے والی نسل اسلام کی عمیق شناخت رکھتی تھی لیکن رحلت رسول کے بعد پچیس سال گزر چکے تھے۔ اس دوران وسیع کشور کشائی اور عظیم فتوحات ہو چکی تھیں اور عراق جیسے بہت سے علاقے اسلامی قلمرو کا حصہ بن چکے تھے۔

کئی نئی نسلیں مسلمان ہو چکی تھیں جن کی تعلیم و تربیت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت موجود نہ تھی۔ یہ لوگ اسلامی اور ایمانی جذبہ بھی رکھتے تھے لیکن اسلام کے بارے میں معلومات سے عاری اور حقائق سے نابلد تھے۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ اس عظیم دین کو روزِ اول سے ہی کس قسم کے مسائل کا سامنا رہا۔ انہوں نے صدر اسلام کے واقعات جن لوگوں سے سنے تھے ان سب پر اعتماد مشکل تھا۔

شہید مطہری کے بقول مذکورہ مشکل کے علاوہ ایک اور مشکل بھی درپیش تھا اور وہ یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور حکومت میں ایک بنیادی فرق تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حق و باطل الگ الگ اور جدا جدا نظر آتے تھے۔ وہاں کفر اور اسلام کا واضح ٹکراؤ تھا۔ بنابریں غلط فہمی و اشتباہ کی گنجائش نہ تھی۔ ہر مسلمان جنگجو جانتا تھا کہ وہ واضح طور پر کفر کے خلاف برسرپیکار ہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں فضا غبار آلود تھی۔ یہاں کفر اور اسلام واضح طور پر ایک دوسرے سے متصادم نہ تھے۔ جنگ صفین اور جنگ جمل دونوں میں دونوں طرف کے لوگ نماز پڑھتے تھے، ذکر الٰہی کرتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے۔ دونوں جانب اسلام کی معروف شخصیات موجود تھیں جو لوگوں کی نظر میں مقدس تھیں۔ بنابریں اس دور میں حق و باطل میں امتیاز کے لئے کافی بصیرت درکار تھی۔ اس غبار آلود فضا میں آگاہی سے عاری یا کم آگاہی رکھنے والے لوگ غلط فہمی کے شکار ہو گئے۔

اس غلط فہمی اور اشتباہ کے نتیجے میں لوگوں کا ایک گروہ (جو شہید مطہری کے بقول سطحی سوچ رکھنے والے سادہ لوح لیکن تقدس مآب لوگوں کا گروہ تھا) قرآن کی ایک آیت سے تمسک کرتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ

ان لوگوں کو امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے اور آپ کے خلاف اکسانے کے پیچھے شیطانی چالیں بھی کارفرما تھیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ گروہ اسلامی معاشرے کے لئے خطرناک ناسور بن گیا۔ یہ گروہ سخت گیر، بداخلاق اور مغرور لوگوں پر مشتمل تھا جو امیر المومنینؑ کے لئے سب سے بڑا دردسر تھا۔ چنانچہ خود امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَاِنِّیْ فَقَأْتُ عَیْنَ الْفِتْنَةِ وَلَمْ یَکُنْ لِّیَجْتَرِئَ عَلَیهِ اَحَدٌ غَیْرِیْ ❁

اس فتنے کی آنکھ اس کے حلقۂ چشم سے پھوڑ کر باہر نکالنے والا میں ہی تھا۔ میرے علاوہ کوئی شخص اس اقدام کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ (۹۷)

خوارج کی خصوصیات

خوارج میں چند قطعی خصوصیات موجود تھیں جو یہ ہیں:

ا۔ دین کی ظاہری اور سطحی پابندی

یہ لوگ جس چیز کو دین کا حکم سمجھتے اس پر سختی سے کاربند رہتے تھے۔ خوارج کی یہ خصوصیت صرف امیر المومنین علیہ السلام کے دور سے ہی مختص نہیں بلکہ اس کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد بھی ان کی یہی حالت تھی۔ خوارج اس لحاظ سے معروف تھے کہ وہ اپنے مذہبی اعتقادات کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اس کے باوجود حساس موقعوں پر وہ بڑی بڑی غلطیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ خوارج کی اہم شخصیات حساس موقعوں پر لغزشوں

❁ جنگ نہروان کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے ایک مفصل خطبے میں اس جنگ کی اہمیت اور فتنے کی عمیق بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَیُّهَا النَّاسُ ! فَاِنِّیْ فَقَأْتُ عَیْنَ الْفِتْنَةِ وَلَمْ یَکُنْ لِیَجْتَرِئَ عَلَیْهَا اَحَدٌ غَیْرِیْ بَعْدَ اَنْ مَاجَ غَیْهَبُهَا وَاشْتَدَّ کَلَبُهَا لوگو! جب فتنے کی موجیں ہر طرف پھیل چکی تھیں اور اس کی شدت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی تب کسی میں یہ جرات نہیں تھی کہ اس معرکہ گیرودار میں کود پڑے۔ اس وقت میں ہی تھا جس نے شر اور فتنے کی آنکھ پھوڑ ڈالی تھی۔ (دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ ۹۳، صفحہ ۱۳۷)

کا شکار ہوتی تھیں۔ ابن ملجم قطام کے حسن کے سامنے ڈگمگا گیا۔ خوارج اور ان کی بڑی بڑی شخصیات کی تاریخ میں اس قسم کی واضح و آشکار لغزشوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

۲۔ پرفریب اور خوبصورت نعروں سے استفادہ

خوارج کے بہت سے بڑے بڑے خطبا و ادباء گزرے ہیں جو منبروں سے خطبہ دیتے تھے۔ آج بھی اگر آپ ان کے خطبوں کا مطالعہ کریں اور ان کی باتوں کا جائزہ لیں تو آپ کو بہت سے خوشنما اور عمدہ مطالب ملیں گے۔ ان کے کلام میں بہت سارے دلفریب اور دلکش دعوے نظر آئیں گے۔ وہ کسی کو مانتے ہیں، کسی کو رد کرتے ہیں اور اپنے عقائد کے مطابق اپنے ہر دعوے کی ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جو بظاہر دلچسپ اور جاذبِ نظر ہوتی ہے۔

۳۔ شخصیات کی توہین

خوارج تاریخ اسلام کے تمام معروف اور مانے ہوئے کرداروں کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں کسی نے امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں اتنی گستاخی نہیں کی جتنی خوارج نے۔ البتہ بعد میں معاویہ نے منبروں سے امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کا حکم دیا لیکن سب وشتم کرنے والے معاویہ کے ایجنٹ تھے جو اسے ایک سیاسی عمل کے طور پر انجام دیتے تھے۔ ❁ اس کے برعکس صرف خوارج ہی وہ لوگ تھے جو امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف اس قسم کی معاندانہ پالیسی کو اپنے عقیدہ و ایمان کا حصہ سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ آپ کو (نعوذ باللہ) کافر اور مرتد قرار دیتے تھے۔ یہ صرف خوارج کا خاصہ ہے جو ان کے جہل کا نتیجہ تھا۔

خوارج صدر اسلام کی تاریخ سے کوئی آشنائی نہیں رکھتے تھے۔ انہیں کوئی علم نہیں تھا کہ اسلام کیسے فتحیاب ہوا، اسلامی حکومت کیسے مضبوط ہوئی، کن لوگوں کی بدولت

❁ امیر المومنین علیہ السلام پر سب وشتم کی قبیح رسم کو جاری و ساری کرنے کے لئے معاویہ کی کوششوں اور ساٹھ سالوں تک اس رسم پر عملدرآمد کے بارے میں آگاہی کے لئے دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۲۱۔

اسلام کو سربلندی نصیب ہوئی، اسلام کو کن مراحل سے گزرنا پڑا اور کن لوگوں نے کن حالات میں اسلام کی دادرسی کی؟ خوارج کو ان حقائق کا علم نہ تھا۔ اسی لئے وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف خوب ڈٹ گئے نیز انہوں نے بے وقوفی، سادہ لوحی، گستاخی اور بے خردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مخالفت کی اور آپ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ہمیں تاریخ اسلام میں ایسے افراد کا سراغ نہیں ملتا جو اس قدر ڈھٹائی، جرأت، گستاخی اور بے شرمی کے ساتھ اسلام کی مقدس شخصیات کی توہین کے مرتکب ہوں۔

۴۔ سیاسی امور میں مداخلت

خوارج عالمِ اسلام کے حوادث و مسائل اور سیاسی امور پر توجہ رکھتے تھے۔ وہ ہر کام سے سروکار رکھتے تھے مثلاً یہ کہ حکومت کیسی ہو، کون اقتدار سے کنارہ کش ہو اور کسے سزا دی جائے وغیرہ۔ الغرض وہ اسلامی معاشرے، مسلمان حکمرانوں، صلح و جنگ اور دیگر چیزوں سے مربوط مسائل کے بارے میں اپنے تحفظات رکھتے اور مداخلت کرتے تھے۔

۵۔ تشدد اور بے رحمی

خوارج کی خاص باتوں میں سے ایک ان کی تشدد پسندی اور بے رحمی تھی۔ بعض لوگ مقابلہ کرتے ہیں، سیاسی کاموں میں تندروی بھی دکھاتے ہیں لیکن تشدد سے کام نہیں لیتے۔ مگر خوارج شدت پسند اور سنگدل تھے۔ وہ دوسروں کو مارتے تھے، قتل کرتے تھے، کربناک اذیتیں دیتے تھے، لوگوں کا شکم چاک کرتے تھے، حاملہ عورت کا پیٹ چاک کر کے بچے کو باہر نکالتے، اس بے گناہ بچے کا سر زمین پر پٹخ دیتے اور کہتے تھے کہ یہ کسی گمراہ اور گناہگار کا بچہ ہے، اگر یہ بڑا ہوا تو اس جیسا بن جائے گا۔ خوارج نے امیر المومنین علیہ السلام کے صاحبِ ایمان ساتھی کا سر دریا کے کنارے کاٹ لیا تاکہ اس کا خون زمین پر نہ گرے اور زمین کو آلودہ نہ کرے۔ اس قسم کی استثنائی بے رحمی اور شدت

پسندی خوارج کا خاصہ ہے۔ ✿ (۹۸)

تجزیہ و تحلیل کی صلاحیت کا فقدان

امیرالمومنین علیہ السلام کا دل دکھانے والے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل تھی جو حقائق و حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے عاری تھے۔ خوارج کے اندر یہ صلاحیت کمزور تھی چنانچہ بعض بدفطرت، منحوس لیکن زبان دراز لوگ سامنے آتے تھے، لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے گمراہ کرتے تھے اور لوگ اصل راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَا یَحْمِلُ هذا الْعَلَمَ اِلَّا اَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ ✿

یعنی پہلے بصیرت، ہوشیاری، عقل و درایت، تیزبینی اور فہم و فراست چاہیے اس کے بعد صبر و استقامت اور مقاومت۔ (۹۹)

''خشکہ مقدس'' کی ناقص اصطلاح

ہماری (فارسی) اصطلاح میں خوارج کو مقدسہای متحجر (فکری جمود کے شکار، لکیر کے فقیر، کم فہم، عابد و زاہد گروہ) سے تشبیہ دی جاتی ہے (اور ''خشکہ مقدس'' بھی کہا جاتا ہے۔ مترجم) لیکن یہ درست نہیں۔ کہاں وہ تقدس مآب، گوشہ نشین زاہد جو کسی سے سروکار نہ رکھتا ہو اور نئی باتوں کا منکر ہو اور کہاں خوارج؟ خوارج تو لوگوں کا راستہ روکتے تھے، انہیں چیڑ پھاڑ کر رکھ دیتے اور قتل کرتے تھے۔ اگر خوارج ایسے گوشہ نشین افراد ہوتے جو اپنی چادر سر پر ڈالے کسی گوشے میں براجمان رہتے تو امیرالمومنین علیہ السلام ان سے نہ لڑتے۔

''تقدس مآب'' لوگوں کی مثال عبداللہ بن مسعود کے ساتھی ہیں جنہوں نے

✿ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن خباب ہیں جو امیرالمومنین علیہ السلام کے وفادار اور صاحب معرفت ساتھی تھے۔

✿ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۳، صفحہ ۲۴۸۔

جنگ کے دوران کہا:

لَا لَکَ وَلَا عَلَیکَ . ہم نہ آپ کے حق میں ہیں اور نہ آپ کے برخلاف۔

عبداللہ ابن مسعود کے ساتھی ایسے تقدس مآب لوگ تھے جنہوں نے امام علیہ السلام سے کہا:

اگر آپ کافروں، رومیوں اور دیگر علاقوں کے لوگوں سے جنگ کریں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر آپ مسلمانوں سے جنگ کریں (بصریوں اور شامیوں سے) تو ہم آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ تب ہم نہ آپ کی رکاب میں جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف۔ ❁

امیر المومنین علیہ السلام نے ان سے کیا سلوک کیا؟ کیا آپؑ نے انہیں قتل کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ آپ ان کے ساتھ بداخلاقی سے بھی پیش نہیں آئے۔ خود انہوں نے کہا:

ہمیں سرحدوں پر بھیج دیجیے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ان کی بات قبول کرلی اور حکم دیا کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے بعض لوگوں کو خراسان کی طرف بھیج دیا۔ ربیع بن خثیم (جو مشہد مقدس میں خواجہ ربیع کے نام سے معروف ہیں) کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ اسی گروہ میں شامل تھے۔ ✿

امام علیہ السلام نے ان تقدس مآب لوگوں کے ساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے برعکس خوارج تقدس مآب نہیں تھے۔ وہ جہل مرکب میں مبتلا تھے۔ ان لوگوں نے نہایت ہی تنگ نظری پر مبنی بے بنیاد طرزِ فکر کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ وہ اپنے خود ساختہ دین کی راہ میں لڑتے بھڑتے، قتل و غارتگری کرتے اور جنگ

❁ دیکھئے وقعة الصِّفِّین: صفحہ ۱۱۵۔

✿ وقعة الصِّفِّین: صفحہ ۱۱۵۔

لڑتے تھے۔ البتہ خوارج کے رؤسا خود پیچھے بیٹھ جاتے تھے۔

اشعث بن قیس جیسے لوگ ہمیشہ محاذ کے پیچھے رہتے ہیں جبکہ سادہ لوح اور سطحی سوچ رکھنے والے اگلی صفوں میں پیش پیش رہتے ہیں ۔ان کی برین واشنگ ہو چکی ہوتی ہے۔ ان کے ذہنوں میں غلط باتیں بھر دی جاتی ہیں، ان کے ہاتھوں میں تلوار تھما دی جاتی ہے اور ان سے کہا جاتا ہے:

شاباش ! آگے بڑھو۔

یہ سادہ لوح افراد آگے بڑھتے ہیں، مارتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ ان کی ایک مثال ابن ملجم ہے جو ایک احمق شخص تھا۔ اس کا ذہن امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف بھر دیا گیا تھا ۔وہ کافر ہو چکا تھا۔ اسے امیرالمومنین علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے کوفہ بھیجا گیا۔ اتفاق سے اسی دوران اسے ایک عورت سے عشق ہو گیا جو امام کی دشمن تھی۔ اس عورت نے اس کا منحوس ارادہ مزید مصمم کر دیا۔ چنانچہ اس نے امام کو شہید کر دیا۔ خوارج اس قسم کے لوگ تھے اور بعد میں بھی یونہی رہے۔ بعد والے خلفا و حکام (مثلاً حجاج بن یوسف) کے ساتھ خوارج کے طرزِ عمل کے بارے میں یہ مثال ملاحظہ ہو:

حجاج ایک ظالم اور سنگدل شخص تھا۔ وہ نہایت بدطینت اور آل محمد کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے پاس ایک خارجی کو لایا گیا۔ حجاج نے سنا تھا کہ یہ شخص حافظِ قرآن ہے۔ چنانچہ حجاج نے اس سے پوچھا:

اَجَمَعْتَ الْقُرْآن

کیا نے قرآن جمع کیا ہے؟ یعنی کیا تو نے اپنے ذہن میں قرآن کو جمع کیا ہے؟

اگر آپ اس خارجی کے تند و تیز جوابات کا جائزہ لیں تو آپ کو خارجیوں کے مزاج کا اندازہ ہو جائے گا۔ خارجی نے جواب دیا:

اَمُفَرَّقاً کَانَ فَاَجْمَعَهُ ؟

کیا قرآن پراکندہ تھا جو میں اسے جمع کروں؟

حجاج کا مقصد واضح تھا لیکن خارجی چاہتا تھا کہ جواب نہ دے۔ حجاج نے اپنی تمامتر بے رحمی کے باوجود صبر سے کام لیا اور پوچھا:

اَفَتَحْفَظُہٗ؟

کیا تو اسے حفظ کرتا ہے؟

اس نے جواب دیا:

اَخَشِیْتُ فرارَہٗ فَاَحْفَظَہٗ؟

کیا مجھے اس کے بھاگ جانے کا خطرہ ہے جو میں اس کی حفاظت کا اہتمام کروں؟

اس کا یہ جواب بھی سخت تھا۔ حجاج نے پوچھا:

مَا تَقُوْلُ فِیْ اَمِیْرِالْمُؤمِنِیْن عَبْدِ الْمَلِكِ؟

تو امیرالمومنین عبدالملک (اموی) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

جواب دیا:

لَعَنَہُ اللّٰہُ وَ لَعَنكَ مَعَہُ

خدا اس پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ تجھ پر بھی۔

دیکھیے خوارج کس قدر سخت، صریح اور دوٹوک انداز میں بات کرتے تھے۔

حجاج نے اپنے جذبات پر کنٹرول رکھتے ہوئے کہا:

تو قتل ہو جائے گا۔ بتاؤ کہ تو کس حالت میں اللہ سے ملاقات کرے گا؟

جواب دیا:

اَلقَی اللّٰہَ بِعَمَلِیْ وَ تَلْقَاہُ بِدَمِیْ

میں اپنے عمل کے ساتھ اللہ سے ملوں گا اور تو میرے خون

کے ساتھ خدا سے ملاقات کرے گا۔

اس قسم کے لوگوں کا مقابلہ آسان نہیں تھا۔ اگر عام لوگ اس قسم کے افراد کے ہاتھوں پھنس جائیں تو ان کے فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اگر بصیرت سے عاری لوگ اس قسم کے آدمی کو دیکھیں تو اس کے عاشق ہو جاتے ہیں جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ (۱۰۰)

خوارج کیسے وجود میں آئے؟

جنگ صِفِّین میں فتح قریب تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر نے معاویہ کے لشکر کو آخری شکست سے قریب کر دیا تھا۔ مالک اشتر دشمن کی فوجوں کے درمیان گھس کر بہادری کے جوہر دکھا رہے اور فتح کا نعرہ لگا رہے تھے۔ عین اسی وقت امیر معاویہ اور عمرو عاص اپنی نجات کی خاطر قرآن کو نیزوں پر چڑھا رہے تھے۔

خوارج امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کے وہ سپاہی تھے جنہوں نے نیزوں کے اوپر قرآن دیکھ کر جنگ روک دی تھی۔ خوارج یہ بے بنیاد، کھوکھلا اور سطحی نعرہ لگانے لگے کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ قرآن کرے گا۔ وہ بھی مسلمان ہیں، پس ہم مسلمانوں کا خون کیوں بہائیں؟

یہ کہتے ہوئے وہ امیر المومنین علیہ السلام کی طرف بڑھے۔ انہوں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے اوپر زبردست دباؤ ڈالا یہاں تک کہ آپ کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی۔ ❁

نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی پسند اور اپنی تشخیص کے برخلاف جنگ بندی قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ آپؑ نے مالک اشتر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ یوں امام علیہ السلام حکمیت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ اب صورتحال یہ ہوگئی کہ امیر المومنین علیہ السلام ان لوگوں کی ہمراہی میں جنگ جاری نہیں رکھ سکتے تھے جن کے ارادے متزلزل ہو چکے تھے۔ بنابریں

❁ اس بارے میں ضمیمہ نمبر ۳۹ میں کچھ توضیحات دی گئی ہیں۔

آپؑ جنگ بندی کرنے اور حکمیت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ ۞

حکمیت قبول کرنے کے بعد ہنوز امیرالمومنین علیہ السلام کوفہ نہیں لوٹے تھے کہ یہی خوارج آئے اور اعتراض کرنے لگے کہ آپ نے حکمیت کیوں قبول کی؟ انہوں نے آپ سے تحکیم کا معاہدہ توڑنے کا مطالبہ کیا۔انہوں نے تحکیم کو کفر قرار دیا اور امامؑ سے مطالبہ کیا کہ آپ اس عظیم گناہ کے ارتکاب پر توبہ کریں۔ انہوں نے کہا:

اے علی! ہم توبہ کرتے ہیں اور تجھے بھی توبہ کرنا پڑے گا۔ ۞

امیرالمومنین علیہ السلام نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ادھر دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے بھی حالات بالکل ناسازگار تھے۔ علاوہ ازیں عہد نامہ طے پا چکا تھا اور علی علیہ السلام اپنے عہد کو ہرگز نہیں توڑ سکتے تھے۔ بنابریں آپ کوفہ کی طرف لوٹے۔ صِفین اور کوفہ کے درمیان ان نادان لوگوں نے جن میں سے بعض باطنی خباثت کے حامل تھے امیرالمومنین علیہ السلام کا دل خوب دکھایا۔(۱۰۱)

خوارج کے قائدین اور پیروکار

خوارج کے قائدین اور رؤسا دنیا طلب اور ہوا و ہوس کے غلام تھے۔ یہ منافق لوگ تھے جو نہ علی علیہ السلام کو مانتے تھے، نہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور نہ قرآن کو۔ ان کا سرگروہ اشعث بن قیس تھا جس کا شمار منافقین کے معروف چہروں میں ہوتا ہے۔ ۞ رہے عام خوارج تو وہ کم فہم، نادان، سبک مغز اور عقل وفکر سے تہی دامن تھے۔ ان میں زیادہ تر جوان تھے جو امیرالمومنین علیہ السلام کی صحیح شناخت سے عاری تھے۔ وہ آپؑ کے شاندار کارناموں

۞ امیرالمومنین علیہ السلام کی فوج کے بیس ہزار سے زائد سپاہیوں نے گستاخی کی انتہا کرتے ہوئے اور امامؑ کو قتل کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے آپ کو ثالثی قبول کرنے پر مجبور کیا۔ (وقعۃ الصفین: صفحہ ۴۸۹)

۞ تحکیم کے عہدنامے پر دونوں لشکروں کی طرف سے دستخط ہوجانے کے بعد خوارج کی جانب سے تحکیم قبول کرنے پر اعتراض اور اس عہدنامے کو فسخ کرنے کے لئے امام علیہ السلام پر ان کے دباؤ نیز امام علیہ السلام کی طرف سے عہد شکنی اور معاہدے کو فسخ کرنے سے انکار کا واقعہ ضمیمہ نمبر ۴۲ میں ملاحظہ ہو۔

۞ اشعث بن قیس کے حالاتِ زندگی اور امیرالمومنین علیہ السلام کے عہد خلافت میں اشعث کی منافقانہ کارکردگی کے بارے میں دیکھئے ضمیمہ نمبر ۴۳۔

سے نابلد تھے۔ یہ تھیں خوارج کی عام خصوصیات۔

عام خوارج اپنے منافق قائدین کے زیر اثر قرآن پڑھتے تھے، تند و تیز نعرے لگاتے تھے، اسلامی اصولوں کا پرچار بھی کرتے تھے اور اپنے لئے حق اجتہاد کے قائل تھے (یہاں تک کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے مقابلے میں بھی۔) عام خوارج کی یہی کیفیت تھی۔(۱۰۲)

لَا حُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ کیوں؟

خوارج نے لَا حُکمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ منتخب کیا جس سے مراد ہے:

حکم اور فیصلہ صرف اللہ کا ہے۔

یہ قرآن کی ایک آیت ہے یعنی حکم اور حکومت صرف اللہ کے لیے سزاوار ہے۔ اس نعرے کے پیچھے خوارج کا مقصد کیا تھا؟ وہ چاہتے تھے کہ اس نعرے کے ذریعے امیرالمومنین علیہ السلام کو حکومت سے معزول کریں۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے ان کی سازش کو فاش کر دیا اور فرمایا:

> ہاں حکم اور حکومت اللہ کے لئے ہے لیکن خوارج کا مقصد کچھ اور ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں: لَا اِمْـرَۃَ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی خدا کو خود ہی مجسم ہو کر آنا چاہیے اور تمہارے امور کو چلانا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر امیرالمومنین کی کوئی ضرورت نہیں۔ ❁

اس نعرے نے لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ چنانچہ بعض لوگ امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر سے جدا ہو کر اس بدبخت، نادان، جاہل اور سطحی سوچ والے گروہ میں شامل ہو گئے جس کے اندر خودغرض اور منافق عناصر بھی شامل تھے۔ (۱۰۳)

❁ جب امام علیہ السلام نے سنا کہ خوارج "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ "(حکم اور فیصلہ صرف اللہ کا ہے) کا نعرہ لگا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ ایک برحق جملہ ہے لیکن اسے ایک غلط اور باطل مفہوم پر منطبق کیا جا رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ حکم صرف خدا کا ہے لیکن خوارج کا مقصود یہ ہے کہ حکمرانی صرف خدا کی ہے حالانکہ لوگوں کو ایک حکمران کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار تاکہ اہل ایمان اس کی حکومت کے سائے میں اپنا کام کرتے رہیں، ←

امامؑ کے لشکر سے خوارج کی جدائی

صِفین سے واپسی کے دوران جب امیر المومنین علیہ السلام کا لشکر کوفہ کے قریب پہنچا تو خوارج آپ کے لشکر سے جدا ہو گئے۔ انہوں نے ایک الگ مقام کی طرف کوچ کیا اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ انہوں نے کہا:

ہم کوفہ میں داخل نہیں ہوں گے اور اب ہم تم سے جدا ہیں۔

درحقیقت ان لوگوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کو متنازعہ بنا دیا اور ایک مخالف لشکر کی شکل میں امامؑ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ (۱۰۴)

عبداللہ ابن خباب اوراس کی بیوی کا قتل

امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر سے الگ ہونے کے بعد خوارج نے دہشتگردی، بے سہارا انسانوں پر حملے اور امیرالمومنین علیہ السلام کے چاہنے والوں کو ختم کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ جہاں کہیں راستباز، نیک سیرت اور امام کے وفادار افراد کو پاتے انہیں فوراً قتل کرتے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن خباب بن ارت کو قتل کیا جن کے والد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے صحابی تھے اور وہ خود امیرالمومنین علیہ السلام کے قریبی ساتھیوں میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں خوارج نے عبداللہ کی حاملہ بیوی کا شکم چاک کیا اور پیٹ کے بچے کو باہر نکال لینے کے بعد اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ انہوں نے اس عورت کو قتل کر دیا، اس کے شوہر کو قتل کر دیا اور بچے کو بھی قتل کر دیا۔ ❁

یہ وہی لوگ تھے جن کے ایک ساتھی نے کسی سؤر کو مار دیا تو انہوں نے اسے سزا دی کہ تو نے اس حیوان کا خون زمین پر کیوں بہایا؟ ✿

← کافروں کو بھی اس سے فائدہ ہو، لوگ اس کی حکومت میں زندگی گزاریں، اس کے ذریعے بیت المال کی جمع آوری ہو، دشمنوں کے ساتھ جنگ میسر ہو، راستے پرامن ہوں، طاقتوروں سے مظلوموں کا حق لیا جائے، نیک لوگ خوشحال ہوں اور عوام برے لوگوں سے مامون ہوں۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۴۰، صفحہ ۸۲)

❁ نہروان میں امیرالمومنین علیہ السلام کے فوجی سردار عبداللہ بن خباب کے قتل کا واقعہ ضمیمہ ۴۴ میں مرقوم ہے۔

✿ خوارج کے خرما کھانے، خنزیر مارنے اور ان دونوں غلط اقدامات پر ایک دوسرے پر اعتراض کرنے نیز ←

یہ جاہل، کج فہم اور منحرف لوگ تھے جو بظاہر عبادت گزار، عابد اور زاہد تھے لیکن اگر کہیں نفسانی خواہشات کی تسکین کا موقع ملتا تو صبر کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا تھا۔ ابن ملجم کو قطام نامی حسین عورت سے عشق ہو گیا۔ اس قسم کے مواقع پر قرآن کی تلاوت کرنے اور آیاتِ الٰہی کا ورد کرنے والے یہ عابد و پارسا لوگ شہوانی جذبات کے سامنے بے بس، ناتواں اور رام ہو جاتے تھے۔

ابن ملجم اس عورت کے حسن و جمال کے ہاتھوں اسیر اور اس کی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر امیرالمومنین علیہ السلام کو شہید کرنے پر تیار ہوا۔(۱۰۵)

خوارج کے ساتھ امامؑ کا ابتدائی سلوک

امیرالمومنین علیہ السلام نے پہلے خوارج سے فرمایا: لَكُمْ عِنْدَ نَا ثَلَاثُ خِصَالٍ ہم تمہارے ساتھ تصادم نہیں چاہتے۔ ہمیں تمہارے تین حقوق قبول ہیں۔

۱۔ لَا نَمْنَعُكُمْ مَسَا جدَاللهِ اَنْ تُصَلُّوا فِيْهَا ہم تمہیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے روابط کا راستہ کھلا رکھا کہ شاید خوارج مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کریں اور نتیجتاً ہوش کے ناخن لیں اور بیدار ہوں۔ اسی لئے فرمایا:

مساجد کے دروازے تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔

۲۔ وَلَا نَمْنَعُكُم الْفَيْءَ مَا كانَت اَيدِ يكُمْ مَعَ اَيدِ يْنا مسلمانوں کی اجتماعی آمدنی میں تمہارا حصہ برقرار رہے گا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح تمہیں بھی اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن اس شرط پر کہ تم بھی دوسرے مسلمانوں کا ساتھ دو۔

۳۔ وَلَا نَبْدَءُ كُمْ بِحَرْبٍ حَتّٰى تَبْدَءُ وْنَا بِهِ. ہم تمہارے ساتھ جنگ

← عبداللہ بن خباب، اس کی بیوی اور اس کے بچے کو قتل کرنے کی روئیداد ضمیمہ نمبر ۴۵ میں ملاحظہ ہو۔

کرنے میں پہل نہیں کریں گے جب تک تم خود ہمارے ساتھ جنگ میں پہل نہ کرو۔ ❁ (۱۰۶)

امان کا پرچم

امیر معاویہ نے عہد نامے کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس لئے امام علیہ السلام معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ شروع کرنا اور اس کا کام تمام کرنا چاہتے تھے لیکن اسی اثنا میں امام علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ بارہ ہزار افراد پر مشتمل خوارج کا لشکر نہروان میں آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ کھڑا ہے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا:

پہلے ان کا کام تمام کرتے ہیں پھر معاویہ سے نمٹ لیں گے۔ ✿

امیر المومنین علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ نہروان تشریف لائے۔ آپ نے خوارج کے ساتھ گفتگو کی اور فرمایا:

> اپنے بھائیوں سے کیوں لڑتے ہو؟ ہم سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ اسلام اور قرآن کا مقابلہ کیوں کرتے ہو؟

امام علیہ السلام نے ایک پرچم نصب کیا اور فرمایا:

❁ امیر المومنین علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ ایک خارجی نے کھڑے ہو کر لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ لگایا۔ امامؑ خاموش رہے۔ اتنے میں ایک اور خارجی کھڑا ہو گیا اور اس نے بھی یہی نعرہ لگایا۔ امامؑ پھر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد کئی خوارج نے پے در پے مسجد میں یہی نعرہ لگایا۔ امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: یہ ایک برحق جملہ ہے لیکن اسے باطل مقصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ تمہیں تین حقوق حاصل ہیں اور ہم ان حقوق کی رعایت کریں گے۔ (ایک یہ کہ) ہم تمہیں مساجد میں آنے سے نہیں روکیں گے اور تم لوگ بھی (دوسروں کی طرح) مساجد سے استفادہ کر سکتے ہو۔ (دوسرا یہ کہ) ہم تمہارے مالی حقوق ختم نہیں کریں گے اور وہ اموال جو تمہارے اور ہمارے باہمی تعاون سے حاصل ہوں ان سے تم بھی بہرہ مند ہو سکو گے۔ (تیسرا یہ کہ) ہم تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا نہ کریں گے جب تک تم خود ہمارے ساتھ جنگ میں پہل نہ کرو۔ (دعائم الاسلام: جلد۱، صفحہ ۳۹۳ نیز انساب الاشراف: جلد۲، صفحہ ۳۵۹۔)

✿ شام کی طرف روانگی موخر کرتے ہوئے شام کی بجائے خوارج کے مسئلے سے نپٹنے کے لیے نہروان روانگی کے بارے میں دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۴۶۔

جو کوئی اس پرچم تلے کھڑا ہو جائے اسے امان حاصل ہو گا۔

بارہ ہزار میں سے آٹھ ہزار افراد امان کے پرچم تلے آ گئے۔

معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے پہلے درست بات سنی ہی نہ تھی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ گروہی تبلیغات اور تنظیمی خول کے اندر ہونے والے پروپیگنڈوں نے انہیں موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ امیرالمومنین علیہ السلام کی برحق اور منطقی گفتگو سنیں۔ جب انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی باتیں سن لیں تو انہیں ان باتوں کی درستی کا علم ہوا۔ یوں آٹھ ہزار افراد راہِ راست پر آ گئے۔ ❁ (۱۰۷)

باقی ماندہ خوارج سے جنگ

چار ہزار خوارج اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے ہٹ دھرمی اور عناد کا سلسلہ جاری رکھا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے انہیں نصیحت فرمائی لیکن انہوں نے ان سنی کر دی۔ یوں وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

امام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

اس جنگ میں آپ کے دس سے زیادہ آدمی قتل نہیں ہوں گے اور ان کے دس بھی باقی نہیں بچیں گے۔ ✿

ایک خارجی نے امام علیہ السلام سے کہا:

ہم تیرے ساتھ اس قدر جنگ کریں گے کہ تجھے ختم کر دیں۔

امام علیہ السلام نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا:

تم مجھے تلواروں اور نیزوں سے ڈراتے ہو؟ تم مجھے جنگ کا خوف دلاتے ہو؟ تم مجھے مسلح ٹکراؤ سے ڈراتے ہو؟ میں نے

❁ امیرالمومنین علیہ السلام کے حکم سے حضرت ابو ایوب انصاری نے امان کا پرچم لہرایا اور دو تہائی خوارج کو امان نصیب ہوا۔ اس بارے میں دیکھئے ضمیمہ نمبر ۴۷۔

✿ جب امیرالمومنین علیہ السلام سے کہا گیا: خوارج نہر پار کر چکے ہیں تو آپ نے فرمایا: مَصَارِعُهُمْ دُوْنَ النُّطْفَةِ وَاللّٰهِ لَا يُفْلِتُ مِنْهُمْ عَشَرَةٌ وَلَا يَهْلِكُ مِنْكُمْ عَشَرَةٌ وہ نہر کے اس کنارے قتل ہوں گے۔ اللہ کی قسم ان کے دس بھی نہیں بچیں گے اور تمہارے دس بھی قتل نہیں ہوں گے۔ (نہج البلاغہ: خطبہ ۵۹، صفحہ ۹۳)

اپنی پوری عمر تلواروں اور نیزوں کے سائے میں گزاری ہے۔ ❁

امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے اپنے سابقہ ساتھیوں سے لڑنا بہت شاق تھا۔اس لئے آپ نے جنگ کا آغاز نہیں فرمایا یہاں تک کہ خوارج نے امام علیہ السلام کی گفتگو کے بعد تیر اندازی شروع کر دی۔ امام علیہ السلام کے اصحاب نے کہا:

یا علی !وہ تیراندازی کر رہے ہیں۔

فرمایا: صبر کرو۔

خوارج نے دوسری اور تیسری بار تیر اندازی کی۔ تب امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اب مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔ امام علیہ السلام کے لشکر نے حملہ کر دیا۔ خوارج کے چار ہزار افراد میں سے جو بچ گئے وہ دس سے کم تھے۔ باقی سب ہلاک ہو گئے۔ ✿ (۱۰۸)

مقتول خوارج کے درمیان

امیرالمومنین علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق اس جنگ میں امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر کے شہداء کی تعداد دس سے کم تھی جبکہ خوارج کے چار ہزار میں سے جو زندہ بچے وہ دس سے کم تھے۔ باقی سب کام آئے۔ جنگ نہروان امیرالمومنین علیہ السلام کی فتح پر منتہی ہوئی۔قتل ہونے والوں کی اکثریت کا تعلق کوفہ یا کوفہ کے آس پاس کے علاقوں سے

❁ یہ بات عبداللہ بن وہب راسبی نے کہی تھی۔ وہ خارجی لشکر کا سالار تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۴۸۔

✿ مسعودی لکھتا ہے: امام کا لشکر اور خوارج کا لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ امام بذاتِ خود خوارج کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں ٹھیک ہونے اور توبہ کرنے کی نصیحت فرمائی لیکن انہوں نے ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے امام کے لشکر کی طرف تیراندازی شروع کر دی۔ امام کے اصحاب عرض کرنے لگے: وہ تیراندازی کر رہے ہیں۔ کیا ہم جنگ شروع کریں؟ امام نے فرمایا: اپنا ہاتھ روکے رکھو اور صبر کرو۔ امام کے لشکر کی طرف سے تین بار یہ تقاضا ہوا اور امام نے تینوں بار انہیں صبر کی تلقین کی۔ یہاں تک کہ لشکر امام کے ایک شخص کو جو خون میں غلطاں تھا اور خوارج کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا امام کے سامنے پیش کیا گیا۔ خون میں غلطاں شہید کو دیکھ کر امام نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلآنَ حَلَّ قِتَالُهُمْ اِحْمَلُوا عَلَى الْقَوْمِ اب ان کے ساتھ جنگ جائز ہے۔ ان پر حملہ کر دو۔ (دیکھئے مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۴۵۰)

تھا۔ یہ وہی لوگ تھے جو جنگ جمل اور جنگ صفین میں امیرالمومنین علیہ السلام کی رکاب میں شانہ بشانہ لڑتے رہے تھے۔ امام علیہ السلام ایک خاص جذباتی کیفیت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لاشوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ مرنے والے زمین پر اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ امام علیہ السلام فرما رہے تھے: انہیں پلٹاؤ۔ بعض لاشوں کے بارے میں فرمایا: انہیں بٹھاؤ۔ یہ سب مر چکے تھے لیکن امام علیہ السلام ان سے باتیں کر رہے تھے۔

امام علیہ السلام کی یہ باتیں حکمت و نصیحت کا خزینہ ہیں اور ان میں عبرت کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ ✿ (۱۰۹)

قرآن کا قاری قرآن کے ساتھ برسرِ پیکار

خوارج کے ساتھ جنگ کے لئے نہروان کی طرف جاتے ہوئے رات کے وقت امیرالمومنین علیہ السلام لشکرگاہ سے جو شہر کوفہ سے باہر تھا شہر کے اندر واپس تشریف لائے۔ امام علیہ السلام کا ایک ساتھی آپؑ کے ہمراہ تھا۔ کوفہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے دونوں نے ایک شخص کی آواز سنی جو نہایت حزیں، پرسوز اور دلکش انداز میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ قرآن کی آیت: اَمَّنْ هُوَ قَا نِتٌ آناءَ الَّيْلِ.... پڑھ رہا تھا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھی نے پوچھا:

یا امیرالمومنین! یہ کس قدر اچھی تلاوت کر رہا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس شخص کے بدن کا ایک بال بن جاؤں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جلد بازی میں فیصلہ نہ کرو۔

پھر جنگ نہروان کا دن آیا۔ بہت سے خوارج جنگ میں کام آئے۔ امام علیہ السلام

✿ جنگ نہروان میں ان خوارج کی لاشوں کے درمیان سے گزرتے وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: وائے ہو تم پر! جس نے تمہیں فریب دیا، اس نے تمہیں نقصان پہنچایا۔ کسی نے پوچھا: یا امیرالمومنین! انہیں کس نے دھوکہ دیا؟ فرمایا: گمراہ کرنے والے شیطان اور نفس امارہ نے انہیں آرزوؤں کے ذریعے فریب دیا، گناہ کا راستہ ان کے سامنے کھول دیا، انہیں کامیابی کی نوید سنائی اور انہیں جہنم کی طرف روانہ کر دیا۔ (نہج البلاغہ: کلمات قصار ۳۲۳، صفحہ ۵۳۲)

میدان جنگ میں لاشوں کے درمیان حرکت کر رہے تھے اور تاسف کے ساتھ زمین پر پڑے ہوئے اجسام کو دیکھ رہے تھے اور کچھ نہ کچھ تبصرہ فرماتے جاتے تھے۔ امامؑ کے ساتھی بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے اور دیکھتے جاتے تھے۔ آپؑ کی اس حرکت میں نصیحت و عبرت کا سامان تھا۔ بہت ہی عجیب مرحلہ تھا کہ جو لوگ پہلے ایمان کی نعمت سے مالا مال تھے وہی لوگ اپنے ولی امر اور اپنے زمانے کے امام سے جنگ کرنے کے نتیجے میں اس عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ وہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالآخِرَة کا مصداق بن کر جہنم رسید ہوئے تھے۔

چلتے چلتے آپؑ ایک ایسی لاش پر پہنچے جو منہ کے بل گری ہوئی تھی۔ آپؑ نے فرمایا:

اس کا رخ پلٹاؤ۔

اسے پلٹایا گیا۔ امامؑ نے اپنے اس ساتھی کی طرف نگاہ کی جو اس رات آپ کے ساتھ تھا (جس رات اس نے کسی شخص کی تلاوت کی آواز سنی تھی۔ مترجم) امامؑ نے اس سے فرمایا:

اسے پہچانتے ہو؟

کہا: نہیں۔ فرمایا:

یہ وہ شخص ہے جو اس رات بہت سی سوزناک اور خوبصورت آواز میں تلاوت کر رہا تھا: "اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ..." ❁

جی ہاں یہ ان لوگوں کا انجام ہے جنہوں نے امیر المومنینؑ یعنی قرآنِ مجسم اور مجسم اسلام سے جنگ لڑی تھی۔ (۱۱۰)

❁ اس واقعے میں کمیل امامؑ کے ساتھ تھے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۴۹۔

پندرھویں فصل
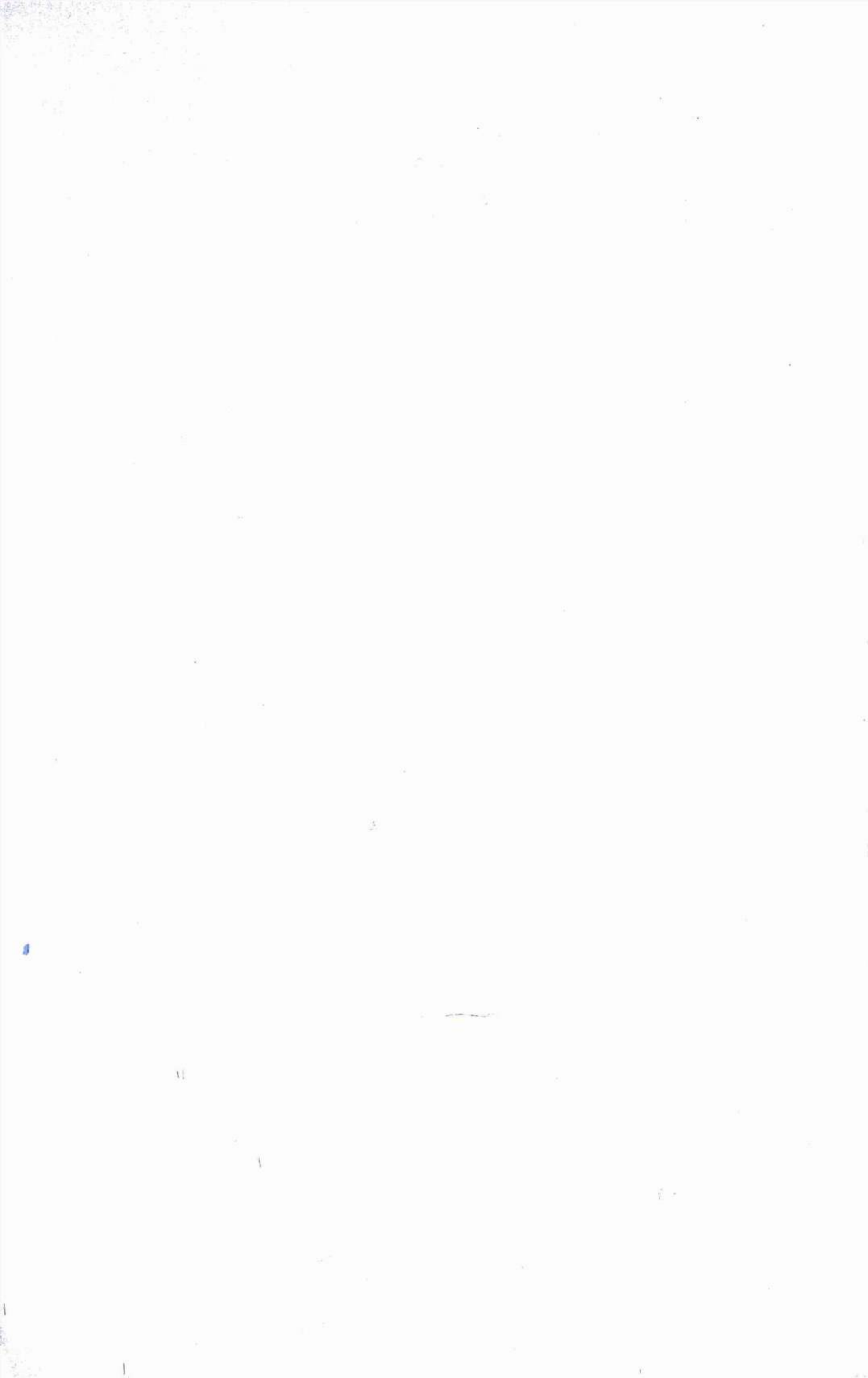
□ تاریخ کا دردناک ترین سانحہ

شہادت کی آرزو

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا تھا:

اے علی! آپ کا صبر اس دن کیسا ہو گا جب آپ قتل کر دیے جائیں گے اور آپ پر ایسی ضربت لگائی جائے گی جو آپ کی شہادت پر منتہی ہو گی؟

امیر المومنین علیہ السلام عرض پرداز ہوئے:

اے اللہ کے رسول! یہ صبر کا نہیں بلکہ شکر کا مقام ہو گا۔ ❁

جو کوئی راہِ خدا میں شہادت کا مرتبہ پاتا ہے خود اسے اس عظیم نعمت پر دوسروں سے زیادہ اللہ کا شاکر ہونا چاہیے کہ اس نے اسے اتنی بڑی نعمت سے نوازا۔(۱۱۱)

بیٹی کے گھر افطار

انیس رمضان کی رات افطار پر امیر المومنین علیہ السلام اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم کے گھر مہمان تھے۔آپ علیہ السلام نے مشاہدہ کیا کہ ام کلثوم نے افطار کے لئے دسترخوان پر دودھ

❁ امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو کا مکمل متن اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کے مکالمے کی تفصیل کے لئے دیکھئے: نہج البلاغہ: خطبہ ۱۵۶، صفحہ ۲۲۰۔

اور نمک دونوں سجا دیے ہیں۔ فرمایا:

ان میں سے ایک کو ہٹاؤ۔ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ آپ کے والد نے ایک ہی دسترخوان پر دو سالن استعمال کیے ہوں؟

امیر المومنین علیہ السلام نے دودھ اٹھوا کر روٹی اور نمک سے افطار فرمایا اور رات وہیں گزاری۔ ❁ حضرت ام کلثوم سے منقول ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ نماز پڑھتے تھے، (بارگاہ الٰہی میں) گڑگڑاتے تھے، شب قدر کے اعمال انجام دیتے تھے، گاہے باہر نکل کر آسمانوں کی طرف نظر ڈالتے تھے اور فرماتے تھے:

مَا کُذِبْتُ

مجھ سے جھوٹ نہیں بولا گیا ہے۔ ✿

اس رات آپ اس طرح مضطرب تھے جس طرح مومن لقائے الٰہی کے لئے مضطرب ہوتا ہے۔ یہ وہی امیر المومنین ہیں جو جنگوں میں شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے موت کے منہ میں کود پڑتے تھے لیکن آج کی رات جو حادثہ پیش آنے والا ہے اس کے اور لقائے پروردگار کے پیش نظر آپ کا دل لرز رہا ہے کیونکہ آج آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہے ہیں۔ (۱۱۲)

شوق دیدار

❁ بحار الانوار، جلد۴۲، صفحہ۲۷۶۔

✿ امیر المومنین علیہ السلام نے وہ رات جاگ کر کاٹی۔ آپ بار بار کمرے سے باہر نکلتے، آسمان کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے: وَاللّٰهِ مَا کُذِبْتُ وَمَا کَذَبْتُ وَاِنَّما هِیَ اللَّیْلَةُ الَّتِیْ وُعِدتُّ بِهَا ۔ اللہ کی قسم نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا اور نہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ آج کی رات یقیناً وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا اور امام علیہ السلام مسجد جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپؑ اپنا لباس پہن کر روانہ ہو گئے۔ اس وقت آپ زیر لب یوں زمزمہ فرما رہے تھے: اُشْدُدْ حَیَازِیْمَكَ لِلْمَوْتِ فَاِنَّ الْمَوْتَ لَاقِیْكَ وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ اِذَا حَلَّ بِوَادِیْكَ موت سے ملاقات کے لئے کمربستہ ہو جاؤ کیونکہ موت تجھ سے روبرو ہو گی۔ جب موت تیری وادی میں قدم رکھے تو بے تاب مت ہونا۔ (دیکھئے: شیخ مفید کی الارشاد: جلد۱، صفحہ۱۶، ۳۲۱)

یقیناً انیسویں کی رات امیرالمومنین علیہ السلام مضطرب تھے۔ البتہ اضطراب ہمیشہ ڈر اور خوف کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ گاہے گاہے شوق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیدار آنکھیں اس شب نیند سے کوسوں دور تھیں۔ آپ علیہ السلام گھر سے باہر نکلتے، کھلی فضا سے آسمان کی طرف نظر فرماتے، پروردگار کو یاد کرتے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے اور بار بار فرماتے تھے:

اللہ کی قسم میں جھوٹ نہیں بولتا اور مجھ سے جو کچھ کہا گیا ہے
وہ بھی جھوٹ نہیں ہے۔

گویا امامؑ اپنے اردگرد ان حالات کا مشاہدہ فرما رہے تھے جن کی نشاندہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کی شہادت کی نشانیوں کے طور پر کی تھی۔ اسی لیے اس رات آپؑ پر بے قراری کی کیفیت طاری تھی۔ اضطراب و بیقراری کی یہ کیفیت محبت کا نتیجہ بھی ہوسکتی ہے، شوق کی پیداوار بھی اور خوفِ خدا کا ثمرہ بھی۔ یہ خوف وہ ہے جو بندۂ صالح کو عظمتِ پروردگار کے سامنے لاحق ہوتا ہے۔ یہ گناہگاروں والا خوف نہیں ہے۔ لقائے الٰہی اللہ کے صالح بندوں کے لئے بھی سنگین ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کا شوق بھی خوف کے ساتھ توأم ہوتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ۞ (۱۱۳)

سچا خواب

۞ اس رات امام علیہ السلام اپنے بستر اور گھر کے صحن کے درمیان آتے جاتے رہے۔ نیند آپ کی آنکھوں سے عنقا تھی۔ آپ گاہے بستر پر بیٹھتے اور گاہے کھڑے ہوتے، آسمان کی طرف دیکھتے، پھر واپس آکر بستر کے پاس بیٹھتے، پھر اٹھتے، باہر جاتے، آسمان کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے: ''اللہ کی قسم مجھے جو بتایا گیا تھا وہ جھوٹ نہیں تھا اور میں بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ یقیناً آج کی رات وہ ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔'' (دیکھئے: سید رضی کی خصائص الائمۃ: صفحہ ۶۳)

مسعودی لکھتے ہیں: منقول ہے کہ اس رات علی نہیں سوئے۔ آپ مسلسل کمرے میں ادھر ادھر حرکت کرتے رہے۔ آپ کمرے کے دروازے پر آتے، باہر کا منظر دیکھتے اور فرماتے تھے: اللہ کی قسم نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے اور نہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ یقیناً آج کی رات وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ ہوا ہے۔ (مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۴۵۹۔)

انیس رمضان المبارک کی رات امیرالمومنین علیہ السلام نہیں سوئے۔ آپؑ عبادت کرتے، نماز پڑھتے، آسمان کی طرف نگاہ فرماتے، قرآن پڑھتے اور گریہ فرماتے تھے۔
نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ آپؑ علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا:

مَلَكَتْنِي عَيْنِيْ وَاَنَا جَالِس. فجر سے پہلے ایک لحظے کے لئے مجھے نیند آ گئی۔

فَسَنَحَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰه . پس میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا۔

فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا ذَالَقِيْتُ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ الْاَوَدِ وَ اللَّدَدِ. یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور شکایت کی: مجھے آپ کی امت کے ہاتھوں کیسی کیسی کجرویوں اور عداوتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

امیرالمومنین علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال اس طرح ہے جس طرح بیٹے اور باپ کی۔ آپؑ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں پروان چڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دور میں ایک باپ کا کردار ادا کیا۔ آج کی شب امامؑ ایک تریسٹھ سالہ عمر رسیدہ شخص ہیں لیکن خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح شکایت کرتے ہیں جس طرح بچہ باپ سے شکایت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کی امت کے ہاتھوں کیا کیا دکھ جھیلے ہیں؟ انہوں نے میرے ساتھ طرح طرح کی دشمنی روا رکھی، ہٹ دھرمیاں کیں اور مظالم ڈھائے۔

پیغمبر نے فرمایا:

اُدْعُ عَلَيْهِمْ

اے علی! ان کے خلاف بددعا کریں۔

اب علی چاہتے ہیں کہ اس امت کے لئے بددعا دیں جس نے آپ کو اس قدر دکھ پہنچائی تھی۔ علی کی بددعا کیا تھی؟ ملاحظہ ہو:

فَقُلْتُ: اَبْدَ لَنِی اللّٰهُ بِهِمْ خَیْراً مِنْهُم

میں نے کہا: اللہ مجھے ان کے بدلے بہتر لوگ دے۔

وَ اَبْدَ لَهُمْ بِیْ شَرّاً لَهُمْ مِنِّیْ

اور انہیں میرے بدلے کوئی ایسا شخص دے جو ان کے حق میں برا ہو۔ ❁

دوسرے لفظوں میں ان جملوں کا مطلب یہ ہے: خدایا! علی کو موت دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ (۱۱۴)

ندائے آسمانی

انیسویں رمضان کی صبح مسجد کوفہ میں ابن ملجم کی زہر آلود تلوار کے وار نے امیرالمومنین علیہ السلام کے سر مبارک کو شگافتہ کیا۔ اس وقت آپؑ کا دل اللہ کی یاد اور اس کی خشیت سے لبریز تھا۔ مسجد کوفہ وہی جگہ ہے جہاں امیرالمومنین علیہ السلام دعا و مناجات میں مشغول رہتے، اللہ سے راز و نیاز کرتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے نوازتے تھے۔ اس وقت زمین و آسمان کے درمیان ایک منادی کی آواز گونجی:

تَهَدَّ مَت وَاللّٰهِ اَرْکَانُ الْهُدیٰ

اللہ کی قسم ہدایت کے ستون گر گئے۔

لوگوں کے دل دہل گئے۔ سب نے کان لگا کر سنا کہ کیا سانحہ ہو گیا ہے اور یہ آواز کیا ہے جو انہیں سنائی دے رہی ہے؟ اچانک انہوں نے سنا کہ وہی آواز پھر اعلان کر رہی ہے:

قُتِلَ عَلِیُّ الْمُرْتَضیٰ

علی مرتضیٰ قتل کر دیے گئے۔ ✿ (۱۱۵)

❁ نہج البلاغہ، صبحی صالح: مطبوعہ دارالہجرۃ، قم، خطبہ ۷۰، صفحہ ۹۹۔

✿ اللہ کی قسم ہدایت کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔ اللہ کی قسم آسمان کے ستاروں کی روشنی گل ہو گئی اور تقویٰ کے پرچم سرنگوں ہو گئے۔ اللہ کی قسم (اللہ کی) مضبوط رسی ٹوٹ گئی، محمد مصطفیٰؐ کا چچازاد بھائی قتل ہو گیا، برگزیدہ جانشین ←

امام علیہ السلام پر حملے کی خبر پھیل جاتی ہے

۱۹ رمضان کے دن کوفہ میں قتل امام کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ شہرِ کوفہ عزادار اور نالہ و شیون میں مصروف ہو گیا۔ لوگ تیزی سے امام علیہ السلام کے گھر کی طرف جانے لگے۔ لوگ اپنے امام کو دل سے چاہتے تھے۔ ان کے لئے یہ بات قابل برداشت نہ تھی کہ ان کا پیارا امام، ہمیشہ بیدار رہنے والا معلم، امت کا قلبِ خروشان، اسلامی مملکت کا عادل حکمران، تاریخِ بشریت کی طوفانی آواز جو ہمیشہ لوگوں سے ہمکلام رہی اور ان کا رہبر جو انہیں درس دیتا رہا، تسلی دیتا رہا اور ان کی برائیوں کی شکایت خود ان سے کرتا رہا دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

سب غمگین تھے، عورتیں دلفگار تھیں، مرد محزون تھے، پیر و جوان مضطرب تھے، خاص کر غریب اور کمزور لوگ جن کی حمایت امام ہمیشہ فرماتے رہتے تھے مغموم تھے۔ لوگوں نے امام کے گھر کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ ❁ (۱۱۶)

خلاصہ کلام

لوگ غم اور پریشانی سے نڈھال ہو کر امیر المومنین علیہ السلام کے گھر کے اردگرد جمع تھے۔ انہیں امیر المومنین علیہ السلام کے دیدار اور عیادت کی اجازت دے دی گئی۔ سب ایک ایک کر کے سلام کر رہے تھے۔ امام ناتواں ہو چکے تھے اور زہر کا اثر پورے بدن میں پھیل چکا تھا، یہاں تک کہ پائے مبارک سے بھی زہر کے اثرات نمایاں تھے۔ اس کے

← قتل ہو گیا، علی مرتضی قتل ہو گئے۔ اللہ کی قسم اولیائے الٰہی کا سید و سردار قتل ہو گیا۔ وہ شقی ترین فرد کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ (بحار الانوار: جلد ۴۲، صفحہ ۲۸۲)

❁ محمد بن حنفیہ سے منقول ہے: ''ضربت لگنے اور نماز پڑھنے کے بعد امام نے فرمایا: مجھے گھر لے چلو اور جہاں میں نماز پڑھتا تھا وہاں میرے لئے ایک بستر بچھا دو۔ ہم آپ کو گھر لے آئے۔ آپ کے سر سے خون جاری تھا اور لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا۔ سب حیران و پریشان نالہ و فریاد کر رہے تھے۔ کچھ لوگ اس طرح رو رہے تھے اور اس قدر دلسوز انداز میں گریہ و بکا کر رہے تھے کہ ہمیں ان کی زندگی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔'' (بحار الانوار: جلد ۴۲، صفحہ ۲۸۸۔)

باوجود آپ علیہ السلام لوگوں سے فرما رہے تھے:

سَلُوْنِی سَلُوْنِی

تم لوگ مجھ سے پوچھو، تم لوگ مجھ سے پوچھو۔

سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی

مجھے کھونے سے پہلے مجھ سے سوال کرو۔

زندگی کے ان آخری لمحات میں بھی آپ کوشش اور مجاہدت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ البتہ آپ نے ''سَلُونِی'' کہنے کے بعد فرمایا:

خَفِّفُوا سُوَالَكُمْ.

اپنے سوال کو مختصر کرو کیونکہ تمہارے امام کی حالت اچھی نہیں۔ ❁ (۱۱۷)

اصبغ بن نباتہ امام علیہ السلام کے سرہانے

آخری لمحات میں لوگ امامؑ کے دیدار سے محروم ہو گئے کیونکہ طبیب نے کہا: امام کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں:

میں امیرالمومنین کے گھر کی طرف گیا۔ میں دیوانہ وار حرکت کر رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی امام کی حالت کے بارے میں پریشان تھا۔

یقیناً لوگوں کے درمیان یہ بات گردش کر رہی تھی کہ امام کی حالت خطرے میں ہے نیز اس ضربت کے اثر سے چھٹکارا پانے یا جانبر ہونے کی امید نہیں ہے کیونکہ زخم مہلک ہے۔ بنابریں لوگوں کے دلوں میں شدید اضطراب تھا۔

اللہ کے اس برگزیدہ بندے سے جدائی لوگوں کے لئے کس قدر شاق تھی؟ یہ وہی ہر دلعزیز ہستی اور لوگوں کا امام ہے جس کی دلنشین آواز کو لوگ ہر روز سنتے تھے اور جس کی ذات سے سارے لوگ سالہا سال سے مانوس تھے۔

❁ بحار الانوار: جلد ۴۲، صفحہ ۲۹۰۔

اصبغ کہتے ہیں:

امام حسن آئے۔ آپ نے لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا لیکن میں نہیں گیا۔ امام حسن دوسری بار آئے اور فرمانے لگے:

میرے والد کی حالت اچھی نہیں اور ان سے ملاقات ممکن نہیں۔ آپ لوٹ جائیں۔

میں نے محسوس کیا کہ میں لوٹ نہیں سکتا اور میرے زانوؤں میں اتنی طاقت نہیں رہی۔ میں کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ آخرکار مجھے گھر کے اندر بلا لیا گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو میری نظر امیرالمومنینؑ کے رخسار پر پڑی جس کا رنگ اڑ چکا تھا۔ علی کے چہرے پر زہر کا اثر اتنا واضح تھا کہ میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ کے سر پر بندھے ہوئے پیلے کپڑے کا رنگ زیادہ زرد ہے یا آپ کے چہرے کا۔

تعجب کی بات ہے کہ ان کی آخری لمحات میں بھی امیرالمومنینؑ وعظ و نصیحت اور لوگوں کی رہنمائی سے دستبردار نہیں ہوئے۔

اصبغ کہتے ہیں:

امام نے اسی بیماری کی حالت میں میرے ہاتھوں یعنی میری انگلیوں کو پکڑا اور میرے لئے ایک حدیث نقل فرمائی۔ آپ نے فرمایا: اے اصبغ! میں پیغمبر اکرم کی زندگی کے آخری لمحوں میں آپ کے سرہانے موجود تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کچھ جملے فرمائے۔ پھر آپ نے مجھ سے کہا: مسجد جاؤ اور لوگوں کو یہ باتیں سنا دو۔ میں نے جا کر وہ باتیں سنا دیں۔

امامؑ نے اپنے آخری لمحات میں اصبغ سے جو حدیث بیان فرمائی وہ طویل ہے۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں:

جب حدیث ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امیرالمومنینؑ کمزور

اور بے حال ہو رہے ہیں پس میں اٹھا اور گھر سے باہر آ گیا۔ ❀ (۱۱۸)

آخری وصیتیں

ہر شخص اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ کوشش کرتا ہے کہ سب سے بہتر اور سب سے امین لوگوں کے سامنے اپنے افکار، جذبات، نظریات اور مقاصد کا لبِ لباب بیان کرے۔ امیر المومنین علیہ السلام کائنات کی محیر العقول مخلوق ہیں۔ آپ مسلم اول ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ آپ کے مقامات کا چرچا زمین سے زیادہ آسمانوں میں ہے۔ انسانوں کی بہ نسبت آسمانوں کے فرشتوں میں آپ کے چاہنے والوں اور آپ کے ارادتمندوں کی تعداد زیادہ ہے۔ آپ کا رابطہ عالم ملکوت سے ہے، آپ تمام اعلیٰ خدائی علوم و معارف کا خزینہ ہیں اور آپ راہِ خدا کے مجاہدِ اول ہیں۔

آپ علیہ السلام جَاهَدَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ✿ کے مصداق ہیں یعنی آپ نے زندگی کے تمام مراحل میں اس طرح سے جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ آپ زہد، سیاست اور حکمرانی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ آج ان خصوصیات کا حامل انسان اللہ کے ہاں جا رہا ہے۔ اس کے پاس وقت کم ہے۔ اب اس کی زندگی کے آخری لمحات ہیں، وہ چاہتا ہے کہ اپنی اولاد کو، اہل کوفہ کو، اس دور کے سرگشتہ مسلمانوں کو اور پوری تاریخ بشریت کو ایک مختصر مگر جامع پیغام دیں۔

یہ پیغام ایک صفحے پر مشتمل ہے لیکن اس کا انتخاب باریک بینی سے کیا گیا

❀ اصبغ بن نباتہ کی عیادت کا واقعہ ضمیمہ نمبر ۵۰ میں مرقوم ہے۔

✿ انیسویں رمضان کی رات فجر کے وقت مسجد کی طرف جاتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام یہ اشعار گنگنا رہے تھے:

خَلُّوا سَبِيلَ الْجَاهِدِ الْمُجَاهِدِ   فِي اللّٰهِ ذِي الْكُتُبِ وَذِي الْمَجَاهِدِ

فِي اللّٰهِ لَا يَعْبُدُ غَيْرَ الْوَاحِدِ   وَيُوقِظُ النَّاسَ إِلَى الْمَسَاجِدِ

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کو راستہ دو۔ یہ وہ مجاہد ہے جس نے اپنی پوری زندگی راہ خدا میں جہاد کرتے گزاری ہے۔ اس نے خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی ہے۔ اس نے لوگوں کو بیدار کرنے اور انہیں عبادت کی ترغیب دینے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھئے ابن اعثم کوفی کی الفتوح: جلد ۱، صفحہ ۵۰۶)

ہے۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی نگاہ الٰہی ہے۔ آپ کی نظریں حقیقت کی تہہ تک جاتی ہیں۔علی کی نظر میں چھوٹے بڑے کا جو تصور ہے وہ اس تصور سے مختلف ہے جو ہماری نگاہوں میں ہے۔ بنا بریں آپ نے اپنی وصیت میں دقیق نکات کو موتی کی طرح پرو دیا ہے۔

وَمِنْ وَصِيَّةٍ لَهُ عَلَيهِ السَّلامُ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَين عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجَم لَعَنَهُ اللَّهُ ❀

امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے نام آپ کی ایک وصیت جو آپ نے ابن ملجم لعنۃ اللہ علیہ کی ضربت کے بعد فرمائی۔

آپ نے حسنین علیہما السلام کو بلایا، ان سے گفتگو کی اور وصیت کے جملے ادا فرمائے۔ امام زخمی اور بیمار ہیں۔ زہر کی وجہ سے آپ کا بدن تپ رہا ہے لیکن یہ باتیں علی ابن ابیطالب کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ آپ نے اسی مختصر عرصے میں یعنی ضربت اور شہادت کی درمیانی مدت میں تمام ضروری، واجب اور پہلے درجے کے اہم امور انجام دینے ہیں اور آپ نے ایسا کر کے دکھایا۔ ان امور میں سے ایک یہی وصیت ہے۔

أُوصِيكُمَا بِتَقْوَى اللّٰهِ

میں آپ دونوں کو تقوائے الٰہی کی وصیت کرتا ہوں۔

سب سے پہلی وصیت تقویٰ کی تلقین ہے۔تقویٰ انسان کا سب کچھ ہے۔ دنیا و عقبیٰ میں ہر ملت کی کامیابی کی بنیاد تقویٰ ہے۔نجات کے طویل سفر کا حقیقی توشہ تقویٰ ہے۔امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کا اصل محور تقویٰ ہے۔آپؑ کا مقصود یہ ہے:

میرے بیٹو! راہِ خدا میں اپنے اوپر کڑی نظر رکھو۔ الٰہی اقدار کے مطابق چلو۔

❀ ابن ملجم کی ضربت کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے جو وصیت کی اس کا متن نہج البلاغہ صبحی صالح: مکتوب نمبر ۴۷، صفحہ ۴۲۱ میں مذکور ہے۔

یہ ہے ''تقویٰ''۔ تقوی سے مراد اللہ سے ڈرنا نہیں۔ کچھ لوگ تقویٰ سے مراد خوفِ خدا لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ خوفِ خدا ایک مثبت امر ہے لیکن تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل خدائی مصلحتوں اور رہنمائیوں کے مطابق ہو۔ تقویٰ وہ چیز ہے جس کا دامن انسان ایک لمحے کے لئے بھی چھوڑ نہیں سکتا۔

اگر ہم تقویٰ کا دامن چھوڑ دیں تو جادۂ حق سے ہمارے قدم پھسل جائیں گے اور ہم ایک ایسی عمیق کھائی میں گر جائیں گے جس سے نکلنا محال ہو گا مگر یہ کہ کوئی پتھر، کوئی درخت، کوئی پودا، یا کوئی سہارا ایسا مل جائے جسے پکڑ کر ہم دوبارہ اوپر آ سکیں۔

اِنَّ الَّذِینَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّیْطَان تَذَکَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُبْصِرُوْنَ ❁

یعنی جب متقی لوگ شیطانی وسوسے کا احساس کرتے ہیں تو فوراً ہوش میں آتے اور ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

پس سب سے پہلی وصیت تقویٰ کے بارے میں ہے۔

وَاَنْ لَّا تَبْغِیَا الدُّنْیَا وَاِنْ بَغَتْکُمَا

تم دونوں دنیا کے پیچھے نہ پڑنا اگرچہ دنیا تمہارے پیچھے چلی آئے۔

یہ بھی تقویٰ کا ایک لازمہ ہے۔ سارے نیک کام تقویٰ کا لازمہ ہیں جن میں سے ایک دنیا سے بے رغبتی ہے۔ امام علیہ السلام یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ ترکِ دنیا کرو بلکہ فرماتا ہے: لَا تَبْغِیَا یعنی دنیا کے پیچھے مت پڑو۔ دنیا کیا ہے؟ کیا زمین کو آباد کرنا اور اللہ کے خزینوں سے استفادہ کرنا دنیا ہے؟ نہیں۔ دنیا یہ ہے کہ آپ اپنے لیے جو چیز پسند کرتے ہیں اس کا مقصد اپنی ذات کے لئے لذتوں کا حصول ہو۔ یہ ہے دنیا، وگرنہ بشریت کی خدمت اور فائدے کے لئے سطحِ زمین کو آباد کرنا دنیا نہیں بلکہ عین آخرت

❁ جب صاحبانِ تقویٰ شیطانی وسوسوں سے روبرو ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں (اور یادِ الٰہی کے سائے تلے راہِ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں) اور اچانک بینا ہو جاتے ہیں۔ (سورہ اعراف، آیت نمبر ۲۰۱)

ہے۔

وہ دنیا جس کی مذمت کی گئی ہے اور جس کے پیچھے دوڑنا حرام ہے اس سے مراد وہ امور ہیں جو ہمیں، ہماری صلاحیتوں، ہماری سرگرمیوں اور ہماری توجہات کو اپنا اسیر بنا لیں اور ہمیں صراطِ مستقیم سے باز رکھیں۔ بالفاظ دیگر دنیا مفاد پرستی، خود پرستی، دولت کی پوجا اور لذت پرستی یعنی مال اور لذت کو اپنے لئے چاہنے سے عبارت ہے۔ البتہ یہ مذموم دنیا حلال اور حرام میں تقسیم ہوتی ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اپنے مفاد کے لئے دنیا کی طلب کی جملہ صورتیں حرام ہیں لیکن فرمایا گیا ہے کہ اس کی حلال صورت کے پیچھے بھی مت دوڑو، جہاں تک ہو سکے زندگی کے مادی امور کو اللہ کی خاطر انجام دو، اس میں تمہارا فائدہ ہے اور یہی آخرت ہے۔ مثلاً اگر تجارت کا مقصد عام لوگوں کی دنیوی زندگی کو رونق بخشنا ہو نہ کہ اپنی جیب میں پیسہ ڈالنا تو یہ آخرت ہے۔ دیگر دنیوی امور کا بھی یہی حکم ہے۔

پس دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تم دنیا کے پیچھے مت بھاگو اور دنیا کی طلب میں خود کو مت تھکاؤ۔ اس وصیت میں امیرالمومنین علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے ان کا مکمل آئینہ آپ خود تھے۔ اگر آپ امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی پر نظر کریں تو ان باتوں کا مشاہدہ کریں گے۔

وَلَا تَأْسَفَا عَلٰى شَيْئٍ مِنْهَا زُوِیَ عَنْكُمَا

اگر اس مذموم دنیا کی کسی چیز سے تم محروم رہ جاؤ تو اس کا افسوس مت کرنا۔

یعنی مال، لذت، مقام اور سہولیات سے محرومی پر افسوس مت کرنا۔ ممنوع دنیا سے محرومیت پر کفِ افسوس نہ ملو۔

وَقُولُوْا بِالْحَق.

یعنی حق کی بات کرو، حق کو مت چھپاؤ۔ اگر آپ کی نظر میں کوئی بات برحق ہو تو اسے جہاں بیان کرنا چاہیے بیان کرو اور حق کی پردہ پوشی نہ کرو۔ انسانی معاشروں کی بدبختی

تب آئی جب زبان رکھنے والوں نے حق کو چھپایا اور باطل کو آشکار کیا یا باطل کو حق کی جگہ رکھا۔ اگر حق کو دیکھنے اور پہچاننے والے حق بات کریں تو حق مظلوم و متروک نہیں ہو گا اور اہلِ باطل حق کو نابود کرنے کے درپے نہیں ہوں گے۔

وَاعْـمَلَا لِلْاَجْرِ. اجر وثواب کی خاطر کام کرو۔ اے انسانو! فضول کام مت کرو۔ تمہارا اصل سرمایہ تمہارے یہی کام، تمہاری یہی عمر اور یہی سانسیں ہیں۔ انہیں فضول ضائع مت کرو۔ اگر تم کوئی کام کرتے ہو، کوئی سانس لیتے ہو، کوئی کھانا کھاتے ہو تو ان سب کو کسی اجر وثواب کی خاطر انجام دو۔ وہ اجر کیا ہے؟ کیا انسانی وجود کا اجر تھوڑے سے پیسے ہیں؟ کیا میری زندگی کی اجرت یہی چیزیں ہیں جنہیں میں خرچ کرتا ہوں؟ کیا لوگوں کی خوشنودی ہی انسان کی اجرت ہے؟ ہرگز نہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

> لَيْـسَ لِاَ نْـفُسِـكُـم ثَـمَنٌ اِلَّا الْجَنَّةَ فَلَا تَبِيْعُوهَااِلَّا بِهَا ❁
>
> تمہاری قیمت، تمہاری عمر کی قیمت فقط بہشت ہے۔ اس سے کم لو گے تو تمہارا خسارہ ہو گا۔
>
> كُونَا لِلظَّالِمِ خَصْمَاً
>
> ظالم کے "خصم" بنو۔

خصم سے مراد دشمن نہیں۔ گاہے انسان کو ظالم سے دشمنی ہوتی ہے یعنی اس سے نفرت ہوتی ہے لیکن خصم ہونے کے لئے یہ کافی نہیں۔ خصم وہ ہے جو دشمن کا گریبان پکڑے اور اسے آزاد نہ چھوڑے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک بشریت ظالموں کا گریبان نہ پکڑنے کی وجہ سے بدبختی اور روسیاہی کا شکار ہے۔ اگر

❁ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اَلَا حُـرٌّ يَدَ عُ هٰذِهِ اللُّمَاظَةَ لِاَهْلِهَا؟اِنَّهُ لَيْسَ لِاَ نْفُسِكُمْ ثَمَنٌ اِلَّا الْجَنَّةَ فَلَا تَبِيْعُوْهَااِلَّا بِهَـا کیا کوئی ایسا مردِ حر موجود نہیں ہے جو اس چبائے ہوئے لقمے (دنیا) کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دے؟ تمہارے نفوس کی قیمت صرف جنت ہے لہٰذا انہیں جنت سے کم پر ہرگز نہ بیچو۔ (نہج البلاغہ: کلمات قصار، نمبر ۴۵۶، صفحہ ۵۵۶)

ایمان والے ظالموں کا گریبان پکڑ لیتے تو دنیا میں ظلم کا اس قدر راج نہ ہوتا۔
امیرالمومنین علیہ السلام یہ چاہتے ہیں:

كُونَا لِلظَّالِمِ خَصْمَا

ظالم کا خصم (مدمقابل) بنو۔

دنیا میں جہاں کہیں کوئی ظلم یا ظالم موجود ہو آپ خود کو اس کا مدمقابل سمجھیں۔ جب بھی موقع ملے اس کا مقابلہ کریں اور اس کی گریبان پکڑیں۔ امیرالمومنینؑ کی وصیت کے اسی ایک جملے پر عمل نہ کرنے کی بنا پر آج دنیا کس گردابِ بلا میں گرفتار ہے اور اقوامِ عالم خصوصاً عالمِ اسلام کس سیہ بختی اور مظلومیت سے دوچار ہیں؟

اگر امیرالمومنین علیہ السلام کی اسی ایک وصیت پر عمل ہوتا تو ظلم کے نتیجے میں وجود پذیر ہونے والے اکثر مظالم اور بحرانوں کا وجود نہ ہوتا۔

وَلِلْمَظْلُومِ عَوْنَاً

جہاں کہیں کوئی مظلوم ملے اس کے مددگار بنو۔

امام علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ مظلوم کے طرفدار بنو بلکہ فرماتے ہیں: اس کی ممکنہ مدد کرو۔ یہاں امام علیہ السلام کی وصیت کا رخ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی طرف ہے لیکن یہ باتیں ان دونوں ہستیوں سے مختص نہیں ہیں۔ مقصود سارے لوگ ہیں البتہ خطاب ان دونوں سے ہے۔ اس بعد امیرالمومنین علیہ السلام کے جملات کا خطاب سب لوگوں سے ہے۔ فرماتے ہیں:

أُوصِيْكُمَا وَجَمِيْعَ وُلْدِي وَاَهْلِيْ وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي

میں آپ دونوں (حسن وحسین) کو، اپنی تمام اولاد کو، تمام گھر والوں کو اور ہر اس کو جس تک میری یہ تحریر پہنچے وصیت کرتا ہوں۔

ان الفاظ کی رو سے آپ بھی امیرالمومنین علیہ السلام کے مخاطب ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام سب کو وصیت کرتے ہیں:

بِتَقوَی اللّٰہِ
تقوائے الٰہی کی۔
امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کا محور ہی تقویٰ ہے۔
وَنَظْمِ اَمْرِکُمْ
اور اپنے امر میں نظم وانضباط کی۔

کیا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کے امور کو منظم طریقے سے انجام دو؟ ممکن ہے یہ بھی درست ہو لیکن امامؑ نے یہ نہیں فرمایا: نَظْمِ اُمُورِکُمْ یعنی اپنے کاموں کو منظم رکھو، بلکہ فرمایا ہے: وَنَظْمِ اَمْرِکُمْ۔ یہاں جمع کی بجائے مفرد (واحد) لایا گیا ہے یعنی ''ایک چیز'' میں نظم مطلوب ہے۔ وہ اکلوتی چیز کیا ہے؟ یہ وہ چیز ہے جو سب کے درمیان مشترک ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز اسلامی نظام کے قیام یا اسلامی حکومت اور ولایتِ اسلامی کی تشکیل سے عبارت ہے۔ یعنی تمہیں نظم، ڈسپلن اور انضباط کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام اور حکومت اسلامی کے مسئلے میں قدم اٹھانا ہو گا۔ تمہیں بدنظمی، ہرج مرج اور گڑبڑ سے اجتناب کرنا ہو گا۔

عالم اسلام کی آج جو حالت ہے وہ انہی بدنظمیوں اور من مانیوں کا شاخسانہ ہے۔ اگر لوگ اس وقت امیر المومنین علیہ السلام کی مخالفت نہ کرتے جب آپ کو حکومت ملی تھی اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی تو ان جنگوں کی نوبت ہی نہ آتی یعنی نہ جنگ جمل ہوتی، نہ جنگ صفین اور نہ جنگ نہروان۔ کوئی جنگ نہ ہوتی۔ کچھ لوگ ذاتی خواہشات اور رغبتوں کی خاطر لوگوں کے اذہان کو متزلزل بناتے ہیں، نظام حکومت کو مختل کر دیتے ہیں اور ملکی استحکام و ڈسپلن کو گڑبڑ سے ہمکنار کرتے ہیں۔ یہ وہی بدبختی ہے جس سے امیر المومنین علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور اس کے برخلاف حکم دیا ہے:

وَصَلَاحِ ذَاتِ بَیْنِکُمْ
اور آپس کے روابط ٹھیک رکھنے کی۔

یعنی باہمی کدورتوں کو دور کرو، ایک دوسرے کے معاملے میں دل صاف رکھو،

سب متفق و متحد رہو اور اختلافات سے پرہیز کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام اس جملے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے بھی ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ آپؑ نے اس نکتے پر خوب زور دیا ہے۔ چونکہ آپؑ کو اس بارے میں تشویش تھی اس لئے آپؑ اس عبارت کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

فَاِنِّیْ سَمِعْتُ جَدَّکُمَا یَقُوْلُ : صَلاحُ ذاتِ البَیْنِ اَفضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلاۃِ وَالصِّیَامِ

میں نے آپ دونوں کے نانا کو یہ فرماتے سنا ہے: ''آپس میں اچھے روابط رکھنا اور لوگوں کے روابط کو ٹھیک کرنا، ہر نماز اور روزے سے بہتر ہے۔''

اگر آپ نماز اور روزے کے شوقین ہیں تو جان لیں کہ ایک چیز ان دونوں سے بہتر اور افضل ہے اور وہ ہے: اصلاح ذات البین یعنی باہمی روابط کی اصلاح۔ اگر آپ کو امت مسلمہ کے درمیان کوئی اختلاف اور شگاف نظر آئے تو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس کام کی فضیلت نماز اور روزے سے بہتر ہے۔

ان نصائح کے بعد امامؑ نے کچھ مزید مختصر، پرمغز اور دلگداز جملے بیان فرمائے ہیں۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی الاَیْتَام

اے میرے مخاطبو! یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

یاد رہے کہ فارسی میں " اَللّٰہ اَللّٰہ" کا متبادل لفظ موجود نہیں ہے۔ اگر ہم اس کا فارسی ترجمہ کرنا چاہیں تو کچھ یوں ہو گا۔ ''جانِ تو وجانِ خدا در یتیمان'' یعنی جتنا ہو سکے یتیموں کی مدد کرو اور انہیں فراموش نہ کرو۔ دیکھئے کہ امام علیہ السلام کس قدر باریک نکات پر نظر رکھتے ہیں۔ یہاں صرف انفرادی، شخصی اور عام جذبے کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر انسانی مسئلہ مدنظر ہے۔

جو بچہ اپنے باپ کے سائے سے محروم ہوتا ہے وہ گویا اپنی زندگی کی ایک اہم ترین ضرورت اور عظیم سہارے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کمی کا ازالہ کریں اور خیال رکھیں کہ کہیں یہ بچہ ضائع نہ ہو جائے۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی الاَیتَام، فَلا تُغِبُّوا اَفْوَا ھَھُمْ

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ یتیم بھوکے رہ جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں گاہے کھانے کو کچھ ملے اور گاہے کچھ نہ ملے۔ ان کی ضرویاتِ زندگی کا خیال رکھو۔

وَلَا یَضِیْعُوْا بِحَضْرَتِکُمْ

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری موجودگی میں یہ لوگ ضائع ہو جائیں۔

یعنی کہیں تم ان سے بے اعتنائی نہ برتو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے سامنے موجود یتیموں سے بے اعتنائی اور چشم پوشی کرو۔

وَ اللّٰہَ اللّٰہَ فِی جِیْرا نِکُمْ

اپنے ہمسایوں کا خیال رکھو۔

یعنی ہمسایوں کے حق کو معمولی نہ سمجھو۔ ہمسائے کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمسایوں کا باہمی رابطہ ایک عظیم معاشرتی رشتہ ہے جسے اسلام نے اہمیت دی ہے اور یہ امر انسانی فطرت کے بھی عین مطابق ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ مذکورہ اقدار فطرتِ انسانی سے بیگانہ، نام نہاد تہذیبوں کے پیچ وخم میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر آپ اسی ایک حکم پر عمل کریں اور ہر لحاظ سے اپنے ہمسایوں کا خیال رکھیں تو انسانی معاشرہ باہمی محبت اور مودت کا گہوارہ بن جائے گا اور بہت سے مشکل بحرانوں کا خاتمہ ہو گا۔

فَاِنَّھُمْ وَصِیَّۃُ نَبِیِّکُمْ .مَازالَ یُو صِیْ بِھِمْ حَتّیٰ ظَنَنَّا اَنَّہُ سَیُوَرِّثُھُمْ

رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے۔
آنحضرت ﷺ ہمسایوں کے بارے میں اس قدر تاکید فرماتے تھے کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپؐ انہیں ارث میں حصہ دار بنائیں گے۔

وَاللّٰہَ اللّٰہَ فِی القُرآن لَا یَسْبِقُکُم بِا لعَمَل بِہِ غَیْرُکُمْ

قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن کو نہ ماننے والے اس کی تعلیمات پر عمل کر کے آگے نکل جائیں اور تم جو اسے مانتے ہو اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ جاؤ۔

جو لوگ دنیا میں گوئے سبقت لے گئے ہیں وہ کرپشن، شراب نوشی اور مظالم کے باعث آگے نہیں نکلے بلکہ مسلسل کوشش، عزمِ پیہم، ہنر مندی، کام کی عمدگی اور اللہ کے ہاں پسندیدہ صفات کے باعث آگے بڑھے ہیں۔ اگر مغربی ممالک جو دنیا میں علمی پیشرفت کا موجب بنے ہیں مذکورہ مثبت صفات میں سے بعض کے حامل نہ ہوتے تو وہ اس قدر پیشرفت نہ کرتے۔ ان کی اچھی صفات نے انہیں زندہ رکھا ہے۔ وہ وقت کو اہمیت دیتے ہیں، کاموں کی تکمیل کرتے ہیں، (انہیں ادھورا نہیں چھوڑتے) اور اپنی پیداوار کو اہمیت دیتے ہیں۔

اگر ہمارے ملک میں بھی ان خوبیوں پر توجہ دی جائے تو ہمارا ملک گلستان بن جائے گا۔ قرآن پر عمل کی ایک صورت یہی ہے۔ فرمایا:

دوسرے لوگ قرآن پر عمل میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

کیا امام علیہ السلام یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ قرآن پر عمل نہ کریں؟ نہیں۔ اگر پوری دنیا قرآن پر عمل کرے تو علیؑ زیادہ خوش ہوں گے۔ بلکہ اس جملے سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن کو نہ ماننے والے اس کی تعلیمات پر عمل کر کے ترقی کریں اور تمہارے اوپر مسلط ہو جائیں اور تم پسماندہ رہ جاؤ۔

وَاللّٰهَ اللّٰهَ فِی الصَّلاۃِ فَاِنَّھا عَمُودُ دِینِکُمْ
نماز کے بارے میں اللہ کا پاس رکھو کیونکہ نماز تمہارے دین کا ستون ہے۔

وَاللّٰـهَ اللّٰهَ فِیْ بَیتِ رَبکُمْ، لَا تُخلُّوْہُ مَا بَقِیْتُمْ فَانَّہُ اِنْ تُرِكَ لَمْ تُنا ظَرُوْا
تمہارے رب کے گھر کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ جب تک تم باقی ہو اس گھر کو خالی نہ رکھو۔ اگر خانۂ خدا متروک ہو جائے تو پھر تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔

وَاللّٰـهَ اللّٰـهَ فِی الْجِهَادِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

یعنی راہ خدا میں جہاد کرنے کے معاملے میں اللہ کو یاد رکھو۔ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کرو۔ جب تک امت مسلمہ جان و مال اور زبان کے ذریعے مصروفِ جہاد رہی تب تک یہ امت دنیا کے لئے نمونۂ عمل بنی رہی لیکن جب اس نے جہاد کو خیر باد کہا تو ذلیل ہوگئی۔ عیسائی اربابِ قلم انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مار دے تو تم اپنا دوسرا گال آگے کر دو۔

گویا وہ سرے سے جنگ کو نہیں مانتے بلکہ ان کی دعوت امن، صلح، شفقت اور مطلق آشتی سے عبارت ہے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ تم جنگ، جہاد، تلوار اور خونریزی کے علمبردار ہو۔ انہوں نے اس پروپیگنڈے کو اس قدر دہرایا کہ مسلمانوں نے بھی اس کا باور کر لیا۔ پھر مسلمان لکھاریوں اور دانشوروں نے بھی یہ لکھنا شروع کیا کہ ہمارے ہاں جہاد نہیں ہے بلکہ ہمارا جہاد درحقیقت صرف دفاع ہے۔ اللہ فرماتا ہے: جہاد کرو جبکہ یہ لوگ کہتے ہیں: جہاد دفاع ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

اِذا لَقِیْتُمُ الَّذینَ کَفَرُوْا زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوْھُم

اَلْاَدْبَارَ۞

نیز فرمایا ہے کہ

جو دشمن تمہارے نزدیک ہیں ان سے جنگ کرو۔

قَاتِلُو الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّار ۞

لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ دفاع ہے، جہاد نہیں ہے، تہاجم نہیں ہے۔

مسیحی پروپیگنڈہ مشینری نے صلح، توافق اور برداشت کی تعریف میں نیز جنگ اور شمشیر کشی کی مذمت میں اس قدر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے کہ انہوں نے مسلمانوں کو خانہ نشین بنا دیا حالانکہ مسلمان اہلِ جہاد تھے اور جہاد کی وجہ سے ان کی عزت تھی۔

ادھر امن و صلح کے انہی دعویداروں نے جہاں جہاں بس چلا مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ آپ انہی یورپیوں اور امریکیوں کو دیکھئے جو ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کے ساتھ جھگڑتے رہے اور یہ اعتراض کرتے رہے کہ تم لوگ جہادی ہو اور جہاد اچھی چیز نہیں ہے۔ لیکن صلیبی جنگوں میں اور اس کے بعد انہی لوگوں نے حتی المقدور مسلمانوں کے ساتھ جنگیں لڑیں اور کشت و خون کا بازار گرم کیا۔

یاد رہے کہ اسلامی جہاد میں ظلم و تعدی جائز نہیں، دوسرے انسانوں کے حقوق پامال کرنے کی اجازت نہیں اور مختلف بہانوں سے بے گناہوں کو قتل کرنا جائز نہیں۔

جہاد ایک عظیم حکم الٰہی ہے۔ جہاد اقوام کی سر بلندی کا ضامن ہے۔

وَعَلَیکُمْ بِالتَّوَاصُل وَالتَّبَاذُل

۞ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفاً فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ اے ایمان لانے والو! جب میدان جنگ میں تمہارا سامنا کافروں کے لشکرِ گراں سے ہو تو پشت مت پھیرو (نہ بھاگو) (سورہ انفال، ۱۵)

۞ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَاتِلُو الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیکُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (سورہ توبہ ۱۲۳) اے ایمان لانے والو! ان کفار کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں۔ (دور کے دشمن تمہیں قریبی دشمنوں سے غافل نہ کر دیں۔) انہیں تمہارے اندر سخت گیری اور شدت (وقوت) کا احساس ہونا چاہیے۔ جان لو کہ اللہ تقوی والوں کے ساتھ ہے۔

آپس میں رابطہ رکھو اور ایک دوسرے کی مدد کرو۔

وَ اِیَّاکُم وَالتَّدابُرو َالنَّقاطُع

ایک دوسرے سے منہہ نہ موڑو اور باہمی روابط قطع مت کرو۔

لَا تَتْرُکُوا الاَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَر فَیُوَلّٰی عَلَیکُم شِرارُکُم

امر بالمعروف اور نہی از منکر کا سلسلہ ہرگز قطع نہ کرو، وگرنہ تمہارے بدترین افراد تم پر مسلط کر دیے جائیں گے۔

جہاں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے نہ ہوں وہاں لامحالہ برے لوگوں کا تسلط قائم ہو جاتا ہے اور وہ اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر لوگوں میں برے کاموں کو ''برا'' کہنے کی عادت نہ ہوتو برے لوگ برسراقتدار آتے ہیں اور امور کی باگ ڈور اپنے قبضے میں لیتے ہیں۔

ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلا یُسْتَجَابُ لَکُم.

اس کے بعد اگر تم لوگ دعا کرو کہ خداوند تمہیں برے حاکموں سے نجات دے تو اللہ تمہاری یہ دعا قبول نہیں فرمائے گا۔(۱۱۹)

انتقام سے اجتناب

امیرالمومنین علیہ السلام اپنی وصیت میں ایک بنیادی نکتے پر زور دیتے ہیں اور وہ ہے انتقامجوئی سے اجتناب۔ فرماتے ہیں: یا بنی عبد المطلب! اے میرے رشتہ دارو جو اپنے آپ کو میرے خون کا وارث سمجھتے ہو!

لَا اَلفِینَّکُم تَخُوضُوْنَ دِمآءَ المُسْلِمِیْنَ

ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم میرے قتل کے بہانے مسلمانوں کے خون سے کھیلنے لگو۔

تَقُوْلُوْنَ : قُتِلَ امیرُالمُؤ مِنِیْنَ

یعنی کہیں تم اس بہانے کہ امیر المومنین قتل کئے گئے ہیں لوگوں سے اپنے پرانے حسابات چکانا اور انتقام لینا شروع نہ کردو۔

اَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِیْ اِلَّا قَاتِلِیْ

خبردار میری رحلت کے بعد میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو ہرگز قتل نہ کرنا۔

اُنْظُرُوْا اِذَا اَنَا مِتُّ مِنْ ضَرْبَتِهِ هٰذِهِ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ

اگر میں اس کی اس ضربت سے چل بسوں تو تم اسے ایک ہی ضربت سے ختم کردینا۔ ایک ضربت کے مقابلے میں صرف ایک ضربت لگاؤ۔

اس بات کا امکان تھا کہ لوگ طیش میں آکر اس شقی پر حملہ کریں اور اس کے ٹکرے ٹکرے کردیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کا خدا شناس، خدا پرست اور باریک بین دل اس نکتے کی طرف متوجہ تھا کہ کہیں لوگ آپؑ کے دشمن (ابن ملجم) کو پکڑ کر غصے اور جذبۂ انتقام میں اس کے بدن کے ٹکرے ٹکرے نہ کردیں۔ اسی لئے فرمایا:

وَلَا تُمَثِّلُوا بِالرَّجُل

اس کا مثلہ نہ کرو یعنی اس کے اعضاء کو نہ کاٹو۔

فَاِنِّیْ سَمِعْت رسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ : اِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْر. میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ہرگز کسی کا مثلہ نہ کرنا اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو، انسان کی تو بات ہی اور ہے۔ ❁ (۱۲۰)

الوداع اے شہر کوفہ!

لوگ گذشتہ چند سالوں کے دوران کوفے کی مسجد اور شہر کوفہ میں ہمیشہ امام علیہ السلام

❁ دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح: مکتوب نمبر ۴۷، صفحہ ۴۲۱۔

کے چہرۂ اطہر کی زیارت کرتے رہے تھے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے معنوی مقام، آپ کی عظمت نیز یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ آپ کی شفقت کا مشاہدہ کرتے رہے تھے۔ یہ لوگ مسجد کوفہ میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی روح بخش صدا نیز آپ کی پاکیزہ اور معطر سانسوں کی آواز سن چکے تھے۔ لیکن آج آپ کی شہادت کے دن یہی لوگ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا مہربان باپ دنیا سے جا چکا ہے۔ یقیناً کوفہ والوں کے لئے سزاوار تھا کہ اس دن اپنے آپ کو یتیم محسوس کریں۔ وہ سچ مچ اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے تھے۔

منقول ہے کہ ۲۱ رمضان کے دن شہر کوفہ میں لوگوں کے نالہ و شیون اور عزاداری سے محشر کا سماں تھا۔ عورتوں، مردوں یہاں تک کہ بچوں پر مشتمل لوگوں کا جم غفیر غمزدہ، غبار آلود اور محزون چہروں کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ❁

انیسویں رمضان کو اس دشمن خدا کی مسموم تلوار سے امیر المومنین علیہ السلام زخمی ہوئے اور اپنے گھر میں صاحب فراش ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی اہل کوفہ کی تشویش میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا گیا۔ لوگ امیر المومنین علیہ السلام کے گھر کے اردگرد جمع ہو کر آپ کی خبرگیری کرتے تھے۔ جب کوئی شخص گھر کے اندر جا کر باہر نکلتا تو لوگ اس سے امیر المومنین علیہ السلام کا حال پوچھتے تھے۔ لوگوں کے مختلف طبقات، امام علیہ السلام کے اصحاب اور آپ کے اہل خانہ ایک نہایت کربناک اور پر اضطراب مرحلے سے گزر رہے تھے۔ (۱۲۱)

❁ ۲۱ رمضان کی رات کا ایک تہائی حصہ گزر چکا تو امیر المومنین علیہ السلام کی روح مطہر اعلی علّیین کی طرف پرواز کر گئی۔ امام علیہ السلام کے اہل بیت کے نالہ وشیون کی آوازوں سے گھر کی فضا گونجنے لگی۔ آپ کا گھرانہ آپ کے بستر کے گرد جمع تھا۔ کوفہ کے لوگوں کو امامؑ کی رحلت کا علم ہوا تو کوفہ کے مرد و زن گروہ در گروہ امام علیہ السلام کے گھر کی طرف امنڈ آئے۔ پورا شہر نالہ و فریاد کر رہا تھا۔ آہ و بکا اور نالہ و شیون کے شور نے شہر کی فضا کو غم و اندوہ کے بادلوں میں ڈھانپ لیا تھا۔ شہر کے ہر گوشے، ہر کوچے سے اور ہر محلے سے آہ و بکا کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گویا رونے دھونے کے علاوہ کوئی اور آواز کانوں سے نہیں ٹکرا رہی تھی۔ اس روز صرف ایک دن کی یاد تازہ ہو رہی تھی اور وہ رحلتِ رسول کا دن تھا۔ (اعیان الشیعہ: جلد۱، صفحہ۵۳۳)

رات کی تاریکی میں تدفین

امیر المومنین علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ آپ کے جسم اطہر کو رات کے وقت غسل دیا جائے اور رات کی تاریکی میں ہی دفن کیا جائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی ایک عجیب رسم بن گئی۔ گاہے فاطمہ زہرا کو رات کے وقت غسل دے کر شب کی تاریکی میں بے کسی کے عالم میں دفن کر دیا جاتا ہے اور گاہے علی کے جنازے کو رات کے پردے میں غسل دے کر بے کسی کے عالم میں دفنایا جاتا ہے۔ ❁ (خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے کو بھی بے کسی، مظلومیت اور خاموشی کے عالم میں دفنایا گیا تھا۔ مترجم) جن لوگوں نے سالہا سال تک منبروں سے علی علیہ السلام پر سب وشتم کیا تھا ان سے کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ آپ کی قبر کھود کر آپ کے جسد اطہر کی توہین کرتے۔ (۱۲۲)

❁ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو آپ کے لئے چار مختلف مقامات پر قبریں تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک مسجد کوفہ میں، ایک شہر کے میدان رحبہ میں، ایک نجف میں اور ایک جعدہ بن ہبیرہ کے گھر میں تاکہ آپ کے دشمنوں کو آپ کی قبر کا علم نہ ہو سکے۔ (فرحۃ الغری: صفحہ ۳۲، بحارالانوار: جلد ۴۲، صفحہ ۲۱۴۔)

■ ضمائم

ضمیمہ نمبر ۱

امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: جب اللہ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل کی اور آپ کو رسالت کی ذمہ داری سونپی، اس وقت میں اپنے گھرانے میں سب سے کمسن تھا۔ میں ان دنوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آپ کی زیر تربیت زندگی گزار رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالمطلب کے پورے خاندان کو توحید اور اپنی رسالت قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے یہ دعوت رکھی لیکن ان سب نے اس دعوت سے روگردانی کی اور انکار کیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ پیغمبر کے مدمقابل کھڑے ہو گئے اور سنجیدگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے پر اتر آئے۔ انہوں نے آپ کا بائیکاٹ کیا، آپ سے دوری اختیار کرلی اور آپ سے تمام معاشرتی تعلقات توڑ لیے۔

جب بنی عبدالمطلب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ طرزِ عمل اپنایا تو دوسروں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔ چونکہ یہ لوگ آپ کی دعوت کو

برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اپنی عقل سے کام نہیں لیتے تھے تاکہ آپ کے پیغام کی حقیقت کو درک کریں اس لیے انہوں نے اس دعوت کو سنگین سمجھتے ہوئے اس سے سرتابی کی لیکن ان حالات میں بھی میں واحد فرد تھا جس نے شوق و شغف کے ساتھ آپ کی دعوت فوراً قبول کر لی اور آپ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیا۔

مجھے آنحضرت ﷺ کی حقانیت کا اتنا یقین ہو گیا کہ کوئی شک و شبہ نہ رہا۔ میں تین سال تک پیغمبر ﷺ اور خدیجہ (جس نے رسول کی دعوت دل و جان سے قبول کی تھی) کے ساتھ تھا۔ ہم تینوں باہم نماز پڑھتے تھے جبکہ روئے زمین پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی نمازی نہ تھا۔ ❁

ضمیمہ نمبر۲

يَـوْمُ الدَّار یا يَـوْمُ الْإِنْذَار اس دن کا نام ہے جب آیت کریمہ: "وَاَنْذِرْ عَشِيْـرَتَكَ الْاَقْـرَبِيْـنَ" (اپنی اعلانیہ دعوت کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کر۔ شعراء ۲۱۴) نازل ہوئی تھی۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ تین سال تک چھپ چھپا کر تبلیغ کر چکے تو اس کے بعد حکم ہوا کہ آپ اپنی دعوت کو آشکار کریں اور اس دعوت کا آغاز اپنے رشتہ داروں سے کریں۔ اکثر مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ محدثین نے بھی حدیث کی کتابوں میں اس دن کے واقعے کو نقل کیا ہے۔ بنابریں یہ کہنا درست ہے کہ یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے۔

اس دن کے اجتماع کی تیاری میں امیرالمومنین علیہ السلام کا کردار، امیرالمومنین علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا اور سب سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کا امیرالمومنین علیہ السلام کو اپنا جانشین قرار دینے کا اعلان وہ امور ہیں جو بہت ساری شیعہ وسنی کتب میں مرقوم ہیں۔ یہاں ہم خود امیرالمومنین علیہ السلام کی زبانی اس دن کا واقعہ سنتے ہیں۔

❁ دیکھئے شیخ صدوق کی الخصال: جلد۲، صفحہ ۳۶۶، نیز شیخ مفید کی الاختصاص: صفحہ ۱۶۵۔

فرماتے ہیں: جب آیت شریفہ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو توحید کی کھلی دعوت دوں لیکن چونکہ اس بارے میں میرے ساتھ ان کا رویہ منفی رہا ہے اس لیے میں نے خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ جبرئیل آئے اور بولے: اے محمد! اگر آپ اللہ کے حکم پر عمل نہ کریں تو اللہ آپ کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اٹھو اور ایک گوسفند کی ران، کچھ شوربے اور دودھ کا بندوبست کرو اور عبدالمطلب کی اولاد کو دعوت دو تاکہ میں انہیں اللہ کا پیغام پہنچا سکوں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنی عبدالمطلب کے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت دی۔ ان میں ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب (پیغمبر کے چچا) شامل تھے۔

جب وہ جمع ہوئے تو پیغمبر اکرم ﷺ نے تھوڑا گوشت لے کر ایک بڑے برتن میں رکھا اور فرمایا: بسم اللہ! وہ لوگ کھانے میں مشغول ہو گئے۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر ان سب نے دودھ کا مشروب پیا جس کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سب معجزانہ طور پر سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم جتنا کھانا اور مشروب ان سب کے لئے تیار کیا گیا تھا اتنا ان میں سے ایک شخص کھا پی سکتا تھا۔ لیکن وہ سب اس سے کھا پی کر سیر ہو گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو کا آغاز کرنا چاہتے تھے لیکن ابولہب نے پیشدستی کی۔ اس نے غل غپاڑہ کرتے ہوئے اور آنحضرت ﷺ پر جادوگری کا الزام لگاتے ہوئے محفل میں بدنظمی اور گڑبڑ پیدا کر دی۔ یوں سب متفرق ہو گئے۔

اس کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے علی! اس شخص نے مجھ سے پہلے بولنا شروع کر دیا اور میری گفتگو سے پہلے ہی وہ چلے گئے۔ اب دوبارہ کھانے کا بندوبست کرو اور انہیں دعوت دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور دوسری بار انہیں جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ان کی آؤ بھگت کی اور پہلے دن کی طرح

معجزے کے ذریعے کم کھانے سے ان سب کو سیر کیا۔ اس کے بعد فرمایا: انہیں دودھ کا مشروب پلاؤ۔ میں نے ان سب کو دودھ پلا کر سیر کیا۔ اس کے بعد رسول خداﷺ نے اپنی گفتگو کا آغاز یوں کیا:

''عربوں کے درمیان آج تک کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو مجھ سے زیادہ لوگوں کا خیرخواہ ہو۔ میں آپ لوگوں کے لئے بہترین اور مفید ترین پیغام لے آیا ہوں۔ میں آپ کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو حق کی دعوت دوں۔ اب آپ لوگوں میں سے کون حاضر ہے جو اس اہم مشن اور عظیم کام میں میرا مددگار بنے؟ جو کوئی میرا مددگار بننا قبول کرے وہ میرا وزیر، میرا وصی، میرا بھائی اور میرا جانشین ہوگا۔''

اس پورے مجمع میں سے صرف میں نے اس دعوت کو قبول کیا حالانکہ میں ان سب سے کم سن تھا۔ اس وقت رسول اللہﷺ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے۔ پس اس کی باتوں پر کان دھرو اور اس کی اطاعت کرو۔ بنی عبدالمطلب ہنستے اور مذاق اڑاتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور ابوطالب سے بولے: لو محمد تجھے حکم دے رہا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی اطاعت کرے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳

امیرالمومنین علیہ السلام شب ہجرت کا واقعہ اور بستر رسول پر سونے کی آپ بیتی یوں نقل کرتے ہیں: قریش رسول اللہﷺ کو ختم کرنے کے لئے بہت سے منصوبے بناتے اور ہر ممکن اقدامات کرتے رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ آنحضرت کو قتل کرنے کی فکر میں

❁ تفسیر فرات: صفحہ ۳۰۱، مسند احمد بن حنبل: جلد ۱، صفحہ ۱۱۱، تاریخ طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۲، علل الشرائع: جلد ۱، صفحہ ۱۷۰، شیخ مفید کی الارشاد: جلد ۱، صفحہ ۴۹، حسکانی کی شواہد التنزیل: نمبر ۵۱۴، تاریخ دمشق: جلد ۱، نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۸، کامل ابن اثیر: جلد ۱، صفحہ ۵۸۵، ابن ابی حدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۱۳، صفحہ ۲۱۰، تفسیر ابن کثیر: جلد ۳، صفحہ ۳۶۳، کنزالعمال: جلد ۱۳، صفحہ ۱۱۴، نمبر ۳۶۳۷۱، صفحہ ۱۳۱، سیرت حلبیہ: جلد ۱، صفحہ ۲۸۶، بحارالانوار: جلد ۳۸، صفحہ ۲۲۳، جلد ۳۵، صفحہ ۱۴۴ اور الغدیر: جلد ۲، صفحہ ۲۸۹، ۲۷۸۔

رہتے تھے۔ وہ ہر اس طریقے کو آزماتے تھے جو ان کے ذہن میں آتا تھا۔ (لیکن ان کا کوئی اقدام کامیاب نہ ہوا۔) آخرکار وہ ''دار الندوہ'' میں جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے۔ اس اجلاس میں ابلیس کے ساتھ دیگر شیاطین نے قتلِ پیغمبر کی تمام ممکنہ راہوں کا جائزہ لیا۔

انہوں نے سازش کے تمام جوانب کا جائزہ لیا اور اس کے ممکنہ نتائج کا اندازہ لگایا یہاں تک کہ سب نے یہ فیصلہ کیا کہ قریش کا ہر قبیلہ ایک جنگجو پیش کرے تاکہ وہ سب ایک ساتھ اپنی تلواروں سے رسول پر حملہ آور ہوں اور فردِ واحد کی طرح متحد و متفق ہو کر پیغمبر اکرم ﷺ کو قتل کر دیں۔ قتلِ رسول کے بعد قریش کا ہر قبیلہ اپنے جنگجو سپاہی کی حمایت پر کمربستہ ہو جائے اور اس کے قصاص کا راستہ روکے جس کے نتیجے میں رسول اللہ کا خون رائیگاں جائے۔ (یعنی بنی ہاشم رسول ﷺ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں۔) ادھر جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔

جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو قریش کے خفیہ اجلاس، ان کی منحوس سازش اور ان کے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے حملے کی رات یہاں تک کہ حملے کی گھڑی (جو پیغمبر کے سونے کے وقت سے عبارت تھی) کی بھی خبر دی اور ساتھ ہی اللہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو مکہ سے ہجرت فرمانے اور غار میں پناہ لینے کا حکم بھی پہنچایا۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے قریش کی سازش اور ان کے اجلاس کی خبر دی اور مجھے اس (ہجرت کی) رات اپنے بستر پر سونے اور آپ کی خاطر اپنی جان نچھاور کرنے کی دعوت دی۔ (تاکہ آنحضرت ﷺ قریش کی لاعلمی میں مکہ سے نکل کر غار میں پناہ لیں۔) میں فوراً تیار ہو گیا۔ میں نے اس عظیم خطرے کو خوشی سے قبول کر لیا۔ میں اپنی جان رسول اکرم ﷺ پر فدا کرنے اور آنحضرت ﷺ کی جگہ قتل ہونے کے خیال سے فرحان و شاداں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے خارج ہوئے اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں سو گیا۔ قریش کے جنگجو سپاہی اس اطمینان کے ساتھ کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکیں گے وہاں پہنچ گئے اور گھر میں داخل ہو گئے لیکن وہ پیغمبر کی جگہ مجھ سے رو برو ہوئے۔ میں نے اپنی تلوار سونت لی اور اپنا بھرپور دفاع کیا۔ ایسا دفاع جس کے بارے میں اللہ اور لوگوں کو خوب علم ہے۔ ❁

ضمیمہ نمبر۴

امیرالمومنین علیہ السلام جنگ احد میں (خاص کر اس وقت جب مسلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے) اپنے کردار کے بارے میں فرماتے ہیں: مشرکوں نے بڑھ کر ہمارے اوپر اچانک تابڑتوڑ اور شدید حملہ کر دیا یہاں تک کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ثابت قدم اور موجود رہا جبکہ مہاجرین و انصار اپنے گھروں کی جانب شہر مدینہ لوٹ گئے اور کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تمام ساتھی قتل ہو گئے ہیں۔ ادھر اللہ تعالی نے ہماری مدد فرمائی اور مشرکین کو مزید پیش قدمی سے روکا۔ اس معرکہ گیرودار میں لڑتے لڑتے اور رسول کا دفاع کرتے کرتے میرے بدن پر ستر سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض کاری زخمیں اب بھی نمایاں ہیں۔

یہاں امام علیہ السلام نے اپنی ردا ہٹائی اور جنگ احد کے یادگار زخم دکھائے۔ آپ نے ان زخموں پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: میں نے اس دن وہ کارنامہ انجام دیا جس کا اجر صرف اللہ کے پاس ہے۔ ✿

❁ خصال صدوق: جلد۲، صفحہ ۳۶۶ نیز اختصاص مفید: صفحہ ۱۶۵۔

✿ خصال صدوق: جلد۲، صفحہ ۳۶۴۔ اختصاص مفید: صفحہ ۱۶۷۔

ضمیمہ نمبر ۵

امیرالمومنین علیہ السلام جنگ خندق کا واقعہ اور عمرو بن عبدود کے ساتھ اپنی لڑائی کی آپ بیتی یوں سناتے ہیں: قریش اور عرب کے تمام قبائل نے مل کر ایک زبردست محکم عہد و پیمان باندھا۔

انہوں نے عہد کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ سنجیدگی سے جنگ کریں گے نیز جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنی عبدالمطلب کے سارے مسلمانوں کو قتل نہ کریں چین سے نہ بیٹھیں گے اور اپنی کوشش مسلسل جاری رکھیں گے۔ بنابرایں انہوں نے جنگ کے لئے مکمل سازو سامان تیار کیا، جوش وخروش کے ساتھ مدینہ کی طرف چلے آئے اور شہر کے قریب پڑاؤ ڈال دیے۔ انہیں یقین تھا کہ فتح ان کی ہے۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی جبرئیل علیہ السلام نے عرب قبائل کے اجلاس اور ان کے منصوبوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مقابلہ کرنے کی خاطر شہر کے گرد ایک خندق کھودی تا کہ آپ اور مہاجرین و انصار خندق کے پیچھے مورچہ بند ہوسکیں۔ جب قریش مدینہ کے قریب پہنچے تو وہ خندق سے روبرو ہوئے لہٰذا وہ مجبوراً اس کے باہر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا۔ وہ اپنے آپ کو مضبوط اور ہمیں کمزور سمجھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے شور شرابا مچایا تا کہ ہمیں ڈرا سکیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دین خدا کی دعوت دی اور آپؐ کے ساتھ ان کے روابط اور خاندانی رشتوں کی یاد دہانی فرمائی لیکن وہ حق کو تسلیم کرنے سے سرتابی کرتے تھے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں ان کی سرکشی اور گستاخی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دن قریش کا سب سے بڑا پہلوان بلکہ پورے عرب کا سب سے بڑا جنگجو عمرو بن عبدود میدان میں اتر آیا۔ وہ بدمست اونٹ کی طرح اپنی آواز گلے میں گھما کر غرا رہا تھا اور دعوت مبارزہ دے رہا تھا۔ وہ

مسلسل جنگی اشعار اور رجز پڑھ رہا تھا۔ عمرو گاہے اپنے نیزے سے کھیلتا اور گاہے اپنی تلوار گھماتا رہا۔ مسلمانوں میں سے کوئی اسے جواب نہیں دے رہا تھا اور اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو رہا تھا۔ عمرو سے لڑنے میں کسی نے سرے سے دلچسپی نہیں لی اور کسی کی غیرت نہیں جاگی تاکہ اس کے مقابلے میں بصیرت کے ساتھ اظہارِ وجود کرے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کھڑا کیا، اپنے ہاتھوں سے میرے سر پر ایک عمامہ باندھا اور یہی تلوار میرے ہاتھ میں تھما دی۔ (یہاں امام علیہ السلام اپنی معروف تلوار ذوالفقار کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔) میں عمرو بن عبدود کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان جنگ کی طرف بڑھا۔ اس وقت مدینہ کی عورتیں میرے اوپر رو رہی تھیں۔ وہ عمرو بن عبدود کے ہاتھوں میرے قتل ہونے کے خوف سے ہراساں تھیں لیکن اللہ نے اسے میرے ہاتھوں ہلاک کیا حالانکہ عربوں کے خیال میں اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا اور کوئی پہلوان اس کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ (امامؑ نے اپنے سر مبارک پر عمرو بن عبدود کی تلوار کی ضربت کا نشان دکھاتے ہوئے فرمایا:) یہ ضربت اس نے میرے سر پر لگائی لیکن اللہ نے میرے جہاد کے باعث قریش اور عربوں کو شکست کا مزہ چکھایا اور انہیں پسپا کر دیا۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۶

امیر المومنین علیہ السلام عمرو بن عبدود کو ایک سہمگین ضربت کے ذریعے زمین پر گرا دینے کے بعد اس کے سینے پر چڑھ گئے لیکن اچانک وہاں سے ہٹ گئے۔ آپ نے عمرو کا سر فوراً نہیں کاٹا بلکہ میدان جنگ میں ایک چکر لگایا اور کچھ دیر بعد عمرو کا کام تمام کر دیا۔ آپ کا طرزِ عمل اصحاب کے درمیان چہ میگوئیوں کا باعث بن گیا کہ آپ نے

❁ دیکھئے شیخ صدوق کی الخصال: جلد ۲، صفحہ ۳۶۴ نیز شیخ مفید کی الاختصاص: صفحہ ۱۶۷۔

فوراً عمرو کا کام تمام کیوں نہیں کر دیا؟ میدان جنگ سے واپسی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے پوچھا: آپ نے عمرو کو فوراً کیوں قتل نہیں کیا اور اس کام میں تاخیر کیوں کی؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا:

قَدْ شَتَمَ اُمِّیْ وَتَفَلَ فِیْ وَجْهِیْ، فَخَشِیْتُ اَنْ اَضْرِبَهُ لِحَظِّ نَفْسِیْ فَتَرَکْتُهُ حَتّیٰ سَکَنَ مَابِیْ ثُمَّ قَتَلْتُهُ فِی اللّٰهِ

جب میں اس کے سینے پر چڑھا تو اس نے مجھے ماں کی گالی دی اور میری طرف تھوکا۔ اس لئے میں نے اسے قتل کرنے سے اجتناب کیا تاکہ میرا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور میں اسے رضائے الٰہی کی خاطر قتل کروں، اپنے جذبہ انتقام کے تحت نہیں۔ ❁

مولانا روم نے اس تاریخی واقعے کو اشعار کے خوبصورت قالب میں پیش کیا ہے جن میں سے بعض ابیات کچھ یوں ہیں:

از علی آموز اخلاص عمل	شیرِ حق را دان منزه از دغل
در غزا بر پهلوانے دست یافت	زود شمشیری برآورد و شتافت
او خدو، انداخت بر روی علی	افتخارِ هر نبی و هر وصی
آن خدو زد بر رخی که روی ماه	سجده آرد پیش او در سجده گاه
در زمان انداخت شمشیر آن علی	کرد او اندر غزایش کاهلی
گشت حیران آن مبارز زین عمل	وز نمودن عفو و رحمت بی محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چه افکندی مرا بگذاشتی؟

علی سے عمل میں اخلاص کا سبق سیکھ لو۔ اللہ کے شیر کو ہر قسم کے فریب سے پاک سمجھو۔ ایک جنگ میں وہ ایک پہلوان پر غالب آیا۔ اس نے

❁ دیکھئے مناقب آل ابی طالب: جلد۱، صفحہ۳۸۱ نیز بحار الانوار، جلد۴۱، صفحہ۵۱۔

فوراً تلوار سونت لی۔ پہلوان نے علی کی طرف لعاب دہن پھینکا۔ اس علی کی طرف جو مفخر انبیاء و اوصیاء ہے۔ پہلوان نے اس چہرے کی طرف لعاب دہن پھینکا جس چہرے کے آگے چاند کا چہرہ سجدہ ریز ہوتا ہے۔علی نے فوراً اپنی تلوار رکھ لی اور جنگ سے پہلوتہی کی۔

وہ پہلوان اس عمل اور اس بے موقع عفو و درگزر سے حیران ہوا۔ وہ بولا: آپ نے میرے اوپر تیز تلوار سونت لی تھی پھر مجھے گرانے کے بعد کیوں چھوڑ دیا؟

آگے چل کر مولانا لکھتے ہیں:

ای‌علی که‌جمله عقل و دیده ای — شمه‌ای‌وا گواز آنچه دیده ای
راز بگشا اے علی مرتضیٰ — ای‌پس سوءالقضا حسن القضا

اے علی! آپ فکر و نظر کے پیکر ہیں۔ جو آپ نے دیکھا ہے اس سے کچھ بیان کیجئے۔ اے علی مرتضیٰ! اس راز کو فاش کیجئے کہ آپ نے برا فیصلہ کرنے کے بعد اچھا فیصلہ کیوں کیا؟ (یعنی قتل کا فیصلہ کرنے بعد کیوں چھوڑا دیا؟)

اس کے بعد مولانا روم امیرالمومنین علیہ السلام کے جواب کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

گفت‌من تیغ‌از پی حق میزنم — بندۂ حقم نه ما مور تنم
شیر حقم نیستم شیر هوا — فعل‌من بر دین من با شد گوا
خشم‌بر شاهان شه‌و مارا غلام — خشم را هم بسته ام زیر لگام
غرق‌نورم گرچه‌سقفم‌شد‌خراب — روضه گشتم گرچه‌هستم‌بو‌تراب
چون در آمد درمیان غیر خدا — تیغ‌را اندر میان کردن سزا ❁

میں اللہ کی خاطر تلوار چلاتا ہوں۔ میں اللہ کا غلام ہوں اپنے جسم

❁ مثنوی معنوی: دفتر اول، صفحہ ۲۲۹۔

کا نہیں۔ میں اللہ کا شیر ہوں، ہوا و ہوس کا شیر نہیں ہوں۔ میرا عمل میرے دین کی نشانی اور علامت ہے۔ غصہ بادشاہوں پر حاکم (غالب) ہوتا ہے لیکن ہمارا غلام ہے۔ میں نے غصے کو لگام دے رکھی ہے۔ میں نور میں غرق ہوں اگرچہ میری چھت ڈھ گئی ہے۔ میں گلستان ہوں اگرچہ خاک نشین ہوں۔ جب غیر اللہ درمیان میں آئے تو تلوار کو نیام میں چھپا دینا چاہیے۔

ضمیمہ نمبر ۷

رحلت رسول کی سنگین مصیبت اور اس تلخ واقعے کی شدت کے بارے میں امیرالمومنین علیہ السلام اپنے ایک فصیح و بلیغ کلام میں فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانوں کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ میرا کوئی مونس اور غمگسار نہیں تھا۔ میری دلی وابستگی صرف آپ کے ساتھ تھی۔ میں کسی سے اتنا نزدیک نہیں ہوا جتنا آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ میں نے کسی پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جتنا آپ پر۔ میں آپ کا مخلص ترین اور نزدیک ترین فرد تھا۔ میری واحد پناہ گاہ آپ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن سے ہی مجھے اپنے دامن میں تربیت دی تھی اور مجھے اپنی شفقت و محبت کے پروں کے نیچے جگہ دی تھی۔ جملہ احوال میں آپ کی بے دریغ مدد نے میری کارکشائی کی۔

میرے والد (ابو طالبؑ) کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یتیمی کا احساس ہونے نہیں دیا۔ آپ نے ایک شفیق باپ کی طرح میرا خیال رکھا اور میری معاشی کفالت کی۔ میرے اور میرے گھرانے کے تمام مسائل اور احتیاجات کو برطرف کرنے کے لئے آپ کی محبت کافی تھی۔ البتہ میں نے آپ سے جو معنوی اور علمی فیوض حاصل کیے اور آپ کی بدولت میں اللہ کے حضور جن بلند مقامات پر فائز ہوا وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے میرے اوپر غم واندوہ کے وہ پہاڑ ٹوٹے جو

شاید پہاڑوں کے لئے بھی قابل تحمل نہ تھے۔ پورا گھرانہ بے قرار تھا اور کسی کو اپنے اوپر قابو حاصل نہ تھا۔ درحقیقت کسی میں اس مصیبت کے سنگین بوجھ کو سہنے کا یارا نہ تھا۔ اس عظیم مصیبت سے ان سب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور فیصلے کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔ وہ نہ کچھ کہنے پر قادر تھے، نہ کچھ چاہنے پر اور نہ سننے پر۔ گویا وہ اپنی عقل کھو چکے ہوں اور کچھ بھی سمجھ نہ پا رہے ہوں۔ باقی لوگ بھی اس افسوسناک سانحے سے متاثر تھے۔ کچھ لوگ ہمیں تسلیت دے رہے تھے اور ہماری ڈھارس باندھ رہے تھے جبکہ کچھ لوگ ہمارے ساتھ نالہ وشیون اور بے تابی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۸

امیرالمومنین علیہ السلام رحلت رسول کی مصیبت پر صبر نیز تدفین رسول اور جمع قرآن کی دو اہم ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس دوران صرف میں تھا جس نے صبر کی لگام ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دی۔ میں حواس باختہ نہیں ہوا اور خاموشی سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آپ کے غسل وکفن اور آپ کی نماز جنازہ کا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہو گیا۔ میں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا۔ اس کے بعد میں آپ کے حکم کے مطابق قرآن کی جمع و تدوین میں مصروف ہو گیا۔ آنسوؤں کی کثرت، دلفگار آہ و فغان نیز حزن وغم اور مصیبت کی شدت کے باوجود میں نے ان ذمہ داریوں کو اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق انجام دیا اور ان کا حق ادا کر دیا نیز بردباری اور دور اندیشی کے ساتھ ان تمام مراحل کو طے کیا۔ ✿

ضمیمہ ۹

جب امیرالمومنین علیہ السلام نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنایا تو آپ نے مصر کے

❁ دیکھئے شیخ صدوق کی الخصال: جلد۲، صفحہ ۳۷۰ نیز شیخ مفید کی الاختصاص: صفحہ ۱۶۹۔

✿ دیکھئے: خصال صدوق: جلد۲، صفحہ ۳۷۱ نیز شیخ مفید کی الاختصاص: صفحہ ۱۷۰۔

عوام کے نام ایک خط لکھا اور اسے مالک کے ساتھ ارسال فرمایا۔ اس خط میں آپ نے رحلت رسول کے بعد کے حالات مرقوم فرمائے اور لکھا:

''اما بعد اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو عالمین کو تنبیہ کرنے والا نیز اپنے انبیاء کے دین کا محافظ اور گواہ بنا کر بھیجا۔ جب آپ ﷺ کی رحلت ہوئی تو مسلمانوں نے آپ کی خلافت اور امارت کے بارے میں اختلاف کیا۔ اللہ کی قسم میں نے ہرگز یہ نہیں سوچا تھا اور میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اہل عرب رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے اہل بیت کو امامت و قیادت سے محروم کر دیں گے (اور اسے دوسروں کے حوالے کریں گے) اور (میں نے نہیں سوچا تھا کہ وہ) مجھے خلافت سے دور رکھیں گے۔

وہ واحد چیز جس سے مجھے دکھ ہوا یہ تھی کہ لوگوں نے فلاں صاحب ...کے گرد جمع ہو کر اس کی بیعت کر لی۔ پھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ ایک جماعت اسلام سے سرتابی اختیار کر چکی ہے اور دین محمد کو نابود کرنے کے درپے ہے۔ (یہاں) مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو اسلام ٹوٹ پھوٹ اور تباہی سے دوچار ہو گا۔

میرے لئے یہ مصیبت حکومت و خلافت کو خیرباد کہنے سے زیادہ سخت تھی کیونکہ حکومت سراب کی طرح ایک عارضی، فانی اور دنیوی شے ہے یا ان بادلوں کی طرح ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ پس میں ان بحرانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل کا خاتمہ ہو گیا اور دین کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔

اللہ کی قسم اگر میں ان (دشمنوں) کے مقابلے میں تنہا رہ جاؤں تب بھی مجھے کوئی پروا نہ ہو گی خواہ ان (دشمنوں) سے پوری دنیا پر ہو چکی ہو۔ میں ان کی گمراہی اور اپنی ہدایت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ میں اللہ پر یقین کے ساتھ پابرجا ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے ملاقات کا مشتاق ہوں اور اس کے اجر کی امید رکھتا ہوں لیکن

اس بات سے ڈرتا ہوں کہ امت مسلمہ کی حکومت ان احمق اور نابکار لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے جو بیت المال کو لوٹ لیں، بندگانِ خدا کی آزادی سلب کر لیں، انہیں اپنا غلام بنا لیں، نیک لوگوں سے جنگ کریں اور فاسقوں کو اپنا ہم نوالہ وہم پیالہ بنا لیں۔اس گروہ میں ایسا شرابی بھی شامل ہے جس پر حد جاری ہوئی تھی اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس وقت تک اسلام قبول نہ کیا جب تک ان کے لئے (بیت المال سے)وظیفہ مقرر نہ ہوا۔

اگر یہ وجوہات نہ ہوتیں تو میں تمہیں قیام کرنے کی اس قدر تاکید نہ کرتا، کاموں میں سستی پر تمہاری سرزنش نہ کرتا، تمہیں جمع کرنے اور تمہاری تشویق وترغیب کی کوشش نہ کرتا نیز تمہاری پہلوتہی اور کاہلی پر کچھ نہ کہتا۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ دشمنوں نے تمہارا محاصرہ اور تمہارے شہروں پر اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے علاقوں کو تسخیر کیا گیا ہے اور تمہارے شہر میدانِ جنگ میں تبدیل ہو چکے ہیں؟

خدا تم پر رحمت کرے۔دشمن کے ساتھ پیکار کی خاطر کوچ کرو، جنگ سے پہلوتہی نہ کرو اور سستی وکاہلی کا مظاہرہ نہ کرو، وگرنہ مغلوب ہو جاؤ گے، ذلت وخواری قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور تمہاری زندگی سب سے پست ہو گی۔ جنگ آزما ہمیشہ بیدار و ہوشیار رہتا ہے۔جو کوئی سو جائے اس کا دشمن اس کا پیچھا چھوڑ کر نہیں سوتا۔ والسلام۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۱۰

شیخ مفید نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے دروازے پر آیا۔ وہ علی علیہ السلام اور بنی ہاشم سے مخاطب ہوا اور چند ابیات کے ذریعے اپنا مقصود بیان کرنے لگا:

بنی ہاشم لا تطعموا الناس فیکم   ولا سیما تیم بن مرة او عدیّ

فما الامرُ الّا فیکم و الیکم   ولیس لها الا ابو حسن علیّ

❁ نہج البلاغہ: مکتوب نمبر ۶۲، صفحہ ۴۵۲۔

اباحسن فاشدد بها کف حازم   فانکَ بالامر الّذی یرتجی ملیّ

اے بنی ہاشم! کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کے حق کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں۔ خاص کر بنی تیم (حضرت ابوبکر کا قبیلہ) اور بنی عدی (حضرت عمر کا قبیلہ) آپ پر سبقت نہ لے جائیں۔ خلافت و حکومت صرف آپ لوگوں کے لئے سزاوار ہے اور ابو الحسن علی کے علاوہ کوئی اس کے لائق نہیں ہے۔ اے ابو الحسن! خلافت کے لئے اپنے مضبوط ہاتھ کو تیار رکھیے کیونکہ صرف آپ ہی اس اہم منصب کے سزاوار ہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے بلند آواز سے پکار کر کہا:

اے اولاد ہاشم! اے اولاد عبد مناف! آپ کیسے قبول کرتے ہیں کہ ابوبکر (جو.........ہے) آپ کے اوپر حکومت کرے؟ اللہ کی قسم اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد اور پشت پناہی کے لئے اس شہر کو سوار اور پیادہ جنگجوؤں سے بھر دوں گا۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

اِرْجِعْ یَا اَبا سُفْیَا ن! فَوَاللّٰهِ ما تُریدُ اللّٰهَ بِمَا تَقُولُ وَمَازِلْتَ تَکِیدُ الاِسْلامَ وَاَهلَهُ وَنَحْنُ مَشاغِیلُ بِرسُولِ اللّٰهِ وَعَلیٰ کُلِّ امْرِئٍ مَّا اکْتَسَبَ وَهُوَ وَلِیُّ مَا احْتَقَبَ

اے ابوسفیان! لوٹ جاؤ۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ خدا کی خاطر نہیں کہہ رہے ہو۔ تم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش اور مکر و فریب میں مشغول رہے ہو۔ اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امور کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔ ہر شخص وہی کاٹے گا جو وہ بوئے گا اور وہ اپنے معاملے میں صاحب اختیار ہے۔ ❁

❁ دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد: جلد۱، صفحہ۱۹۰۔

ضمیمہ نمبر ۱۱

نہج البلاغہ کی رو سے امیر المومنین علیہ السلام نے خلیفہ دوم سے فرمایا: لشکر کے سربراہ کی حیثیت مہروں کو جوڑنے والے ڈورے کی طرح ہے۔ اگر یہ ڈورا ٹوٹ جائے تو سارے مہرے اس طرح بکھر جاتے ہیں کہ ان کو دوبارہ جمع کرنا ہرگز میسر نہیں ہوتا۔ آج اگرچہ عربوں کی تعداد کم ہے لیکن وہ اسلام کی بدولت طاقتور ہیں۔ وہ اتحاد و اتفاق کے طفیل ناقابل شکست ہیں۔ پس آپ حسب سابق اپنی مرکزی حیثیت برقرار رکھیں اور عربوں کی طاقت سے اس نظام کا پہیہ چلاتے رہیں۔

آپ خود محاذ جنگ پر نہ جائیں بلکہ جنگ میں شرکت کے بغیر ہی جنگ کی آگ روشن کریں کیونکہ اگر آپ اس سرزمین (حجاز) سے جائیں گے تو آس پاس کے عرب عہدشکنی کریں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ جو کچھ گزر چکا ہے اسے سنبھالنا مستقبل کے چیلنجوں سے زیادہ دشوار ہو گا۔ دوسری جانب سے اگر عجمی آپ کو محاذِ جنگ پر دیکھ لیں گے تو سوچیں گے کہ عربوں کا مردِ آہن اور ان کی جڑ یہی شخص ہے۔ اگر ہم اس جڑ کو قطع کر دیں تو جنگوں سے نجات مل جائے گی۔

بنابریں جنگ میں آپ کی شرکت دشمن کے حملوں میں شدت کی موجب بنے گی اور ان کے عزائم پہلے سے زیادہ مضبوط ہوں گے۔ ❁

شیخ مفید نے ''الارشاد'' میں خلیفہ دُوم کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو کو زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں (کہ امیر المومنین نے فرمایا):

''اگر آپ شامیوں کو شام سے باہر نکالیں گے تو روم والے شامی بچوں اور عورتوں پر یورش کر دیں گے۔ اگر آپ یمن والوں کو یمن سے بلائیں گے تو حبشہ والے یمن پر حملہ آور ہوں گے۔ اگر آپ مکہ اور مدینہ والوں کو باہر بھیجیں گے تو ان دونوں شہروں کے اطراف و جوانب میں رہنے والے عرب شورش کریں گے اور مرکز کے امن

❁ نہج البلاغہ: کلام نمبر ۱۴۶، صفحہ ۲۰۳۔

وامان کو مختل کر دیں گے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ جو گزر چکا ہے اسے سنبھالنا مستقبل کے چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے سے زیادہ سخت ہوگا۔ اگر آپ خود لشکر کے ساتھ جائیں گے تو عجمی آپ کو دیکھ کر کہیں گے:

یہ عربوں کا مرد آہن ہے۔ (یا عربوں کی جڑ یہی ہے) اگر ہم اس جڑ کو قطع کریں یا اکھاڑ پھینکیں تو عربوں کی بیخ کنی ہو جائے گی۔

بنابریں جنگ میں آپ کی شرکت کے باعث دشمن زیادہ شدت سے حملہ کریں گے اور ان کے ارادے پہلے سے زیادہ مضبوط ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی ہمت مزید بڑھ جائے۔ اس کے نتیجے میں آپ خود انہیں اپنے خلاف بڑھکانے کا سبب بنیں گے۔ یوں جو لوگ ان کی مدد کا ارادہ نہ رکھتے ہوں انہیں ان کی مدد کی ترغیب ملے گی۔

میری تجویز یہ ہے کہ آپ ان شہروں (شام، مکہ، مدینہ، یمن) کے لوگوں کو اپنے شہروں میں ہی رہنے دیں اور بصرہ والوں کو (جن کے آس پاس دشمن نہیں) خط لکھیں کہ وہ تین گروہوں میں بٹ جائیں۔ ایک گروہ شہر کی حفاظت نیز عورتوں اور بچوں کی نگہداری کے لئے بصرہ ہی میں رہے۔ ایک گروہ ذمیوں پر نظر رکھے کہ کہیں وہ عہد شکنی نہ کریں اور تیسرا گروہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے محاذ جنگ پر چلے جائیں۔"

حضرت عمر نے کہا: ہاں (میری نظر میں) درست رائے یہی ہے اور اسی تجویز پر عمل ہونا چاہیے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۱۲

حضرت عبدالرحمان بن عوف قریشی اور رسول اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ انہوں نے پہلے حبشہ پھر مدینہ ہجرت کی۔ عبدالرحمٰن عصرِ رسول کی جنگوں میں شریک

❁ دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد: جلد ۱، صفحہ ۲۰۹۔

رہے۔ جب ہجرت کے نویں سال رسول اکرم ﷺ جنگ تبوک کی خاطر مدینہ سے نکلے اور آپ نے علی علیہ السلام کو مدینہ میں جانشین بنایا تو زبیر کو مہاجرین کا، طلحہ کو میمنہ کا اور عبدالرحمان کو میسرہ کا پرچم عطا کیا۔ سقیفہ کے واقعے میں عبدالرحمٰن سے بعض جملے نقل ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خلافت کے لیے ابوبکر، عمر اور علی کو امیدوار بنانے کے حق میں تھے۔

عبدالرحمٰن حضرت عثمان کے بہنوئی تھے۔ وہ قریش کے ایک مشہور سرمایہ دار تھے اور مال و دولت جمع کرنے میں معروف تھے۔ سرمایہ اور نفع کمانے میں اتنے ماہر تھے کہ وہ خود اپنے بارے میں کہتے تھے: میں اگر کوئی پتھر بھی اٹھاؤں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس پتھر کے نیچے کوئی سونا یا چاندی ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر نے عبدالرحمٰن کے مال پر طنز کیا تھا۔ ان کے اموال کی ایک فہرست کی رو سے ان کے پاس ایک ہزار گائیں، تین ہزار گوسفند اور ساٹھ گھوڑے تھے۔ مدینہ کے موضع ''جرف'' میں ان کی زمینوں کو بیس حیوانوں کے ذریعے پانی دیا جاتا تھا۔ ان کی چار بیویاں تھیں۔

جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی ہر بیوی کو اسی ہزار دینار وراثت میں ملے۔ یہ رقم ان کی کل دولت کے آٹھویں حصے کا چوتھائی حصہ تھا جو ان کی بیویوں کا حصہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے بیماری کی حالت میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دی تو وراثت میں اس کے حصے پر ۸۳۰۰۰ دینار کے حساب سے مصالحت عمل میں آئی۔ جناب عبدالرحمٰن سونے کی اتنی ڈلیاں چھوڑ گئے جنہیں تقسیم کرنے کے لئے کلہاڑوں سے کام لیا گیا یہاں تک کہ کلہاڑا چلانے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ عبدالرحمٰن کی وفات ۳۲ ہجری میں ہوئی۔

ضمیمہ نمبر ۱۳

حضرت سعد بن ابی وقاص قریش کے قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں جنگ

(سریہ) خرار کی قیادت سونپی تھی جس میں وہ کامیاب لوٹے۔ حضرت عمر کے عہد میں سعد نے ایرانیوں سے جنگ کی قیادت سنبھالی اور ایران کے اکثر علاقے فتح کیئے۔ قتل عثمان کے بعد سعد نے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت سے انکار کیا۔ امیر معاویہ نے اپنے دور اقتدار میں سعد کو عہدے کی پیشکش کی جسے سعد نے قبول نہیں کیا اور مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ایک گھر میں رہائش اختیار کی یہاں تک کہ ۵۵ ہجری میں دارفانی کو وداع کہا۔ حضرت سعد وفات کے وقت بے تحاشا مال و دولت چھوڑ گئے۔

ضمیمہ نمبر ۱۴

طلحہ بن عبیداللہ ایک بہادر صحابی تھے جن کا شمار ابتدائی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ طلحہ نے جنگ احد میں شرکت کی اور ۲۴ زخم اٹھائے۔ طلحہ کا شمار حضرت عثمان کے خلاف ہونے والی بغاوت کے بنیادی کرداروں اور لوگوں کو بغاوت پر اکسانے والوں میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں شامل تھے اور بیعت شکنی کرنے والوں میں بھی سرفہرست نظر آتے ہیں۔

علوی حکومت کے خلاف جنگ جمل میں طلحہ کا ہاتھ تھا۔ طلحہ جنگ جمل میں مروان (حضرت عثمان کے داماد) کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (جبکہ طلحہ اور مروان دونوں حضرت عائشہ کے لشکر کے اہم کرداروں میں شامل تھے۔ مترجم) طلحہ کے دو محل تھے، ایک مدینہ میں اور ایک کوفہ میں۔ عراق سے طلحہ کی آمدنی روزانہ ایک ہزار دینار (جو ایک شخص کی کامل دیت کے برابر ہے) سے زیادہ تھی جبکہ علاقہ سراۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی اس سے زیادہ تھی۔

ضمیمہ نمبر ۱۵

زبیر بن عوام رسول اکرم علیہ السلام کے پھوپھی زاد اور آپ کے صحابی تھے۔ زبیر نے پہلے حبشہ اور بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگجوں

میں شریک رہے۔

زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور علی علیہ السلام کے گھر پر ہونے والے حملے میں آپؑ کی حمایت کی۔ حضرت عمر کے عہد میں وہ ایک لشکر کے سردار کے طور پر عمرو بن عاص کی مدد کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں دوسروں سے زیادہ جناب زبیر کا ہاتھ تھا۔ وہ سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے لیکن بعد میں بوجوہ جنگ جمل کے اصلی کرداروں میں سے ایک قرار پائے۔ جنگ جمل میں شرکت کے بعد زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ کیا لیکن ان کے بیٹے عبد اللہ نے ان کی سرزنش کی جس پر زبیر نے امام علیہ السلام کے لشکر پر ایک سخت حملہ کر دیا پھر میدان سے ہٹ گئے۔ اسی دوران عمرو بن جرموز نے زبیر کو قتل کر دیا۔

رحلت کے وقت زبیر پچاس ہزار طلائی دینار، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام، ایک ہزار کنیزیں نیز متعدد باغات اور زرعی زمینیں چھوڑ گئے۔

ضمیمہ نمبر ۱۶

حضرت عثمان بن عفان ابتدائی مسلمانوں میں شامل تھے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے کاتبین میں سے ایک تھے۔ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا تو حضرت عثمان مدینہ میں ان کے جانشین بنے۔ حضرت عمر نے کہا تھا: ''اگر عثمان خلیفہ منتخب ہوا تو وہ بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کرے گا اور اللہ کا مال انہیں بخشے گا۔'' یہ بات درست نکلی کیونکہ اپنے بارہ سالہ دور حکومت میں حضرت عثمان نے بنی امیہ کو لوگوں پر مسلط کیا، بیت المال کو اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دیا اور صحابئ رسول ابوذر غفاری کو (جو پیغمبر کی سیرت و تعلیمات پر عملدر آمد کا مطالبہ کرتے تھے) شہر بدر کر دیا نیز جن لوگوں کو پیغمبر نے نکال دیا تھا (مثلاً حکم بن ابی العاص جو مروان کا باپ تھا) انہیں حضرت عثمان عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس لائے۔ حضرت عثمان آخر کار لوگوں کی بغاوت کے

نتیجے میں قتل ہو گئے۔

ضمیمہ نمبر ۱۷
چھ رکنی مجلس شوریٰ کی تعیین کے لئے خلیفہ دوم کی وصیت کا متن

طبری لکھتے ہیں: جب عمر بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے تھے تب انہوں نے چھ رکنی شوریٰ کے اراکین کو اپنے پاس بلایا اور ان کی موجودگی میں مقداد بن اسود کو حکم دیا:

میری تدفین کے بعد ان چھ افراد کو ایک گھر میں جمع کرنا تا کہ یہ اپنے درمیان میں سے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کریں۔

ادھر خلیفہ نے صہیب سے کہا:

تین دنوں تک نماز کی امامت تیرے ذمے ہے۔ ان تین دنوں میں علی، عثمان، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن اور طلحہ کو جمع کرنا۔ میرا بیٹا عبد اللہ بھی موجود رہے لیکن اسے رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

تُو ان چھ افراد کے سروں پر کھڑے رہنا۔ اگر ان چھ میں سے پانچ اراکین ایک شخص کو خلیفہ بنانے پر متفق ہوں اور ایک رکن مخالفت کرے تو وہیں اس کا سر اڑا دینا۔ اگر چار اراکین ایک طرف اور دو دوسری طرف ہوں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اگر وہ دو حصوں میں بٹ جائیں یعنی تین اراکین ایک شخص کو خلیفہ معین کریں اور باقی تین کسی اور کو تو میرے بیٹے عبداللہ کا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔ اس کے انتخاب کردہ گروہ کا نقطۂ نظر نافذ العمل ہوگا۔ لیکن اگر وہ عبداللہ کے فیصلے کو قبول نہ کریں تو خلیفہ وہ ہو گا جس کی حمایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہو۔ اگر

دوسرے گروہ کے تین افراد ان کی مخالفت کریں تو فوراً قتل کر دیے جائیں۔ ۞

ضمیمہ نمبر ۱۸

حضرت عثمان پر کئے جانے والے اہم اعتراضات درج ذیل ہیں:

پہلا اعتراض: بے تحاشا زر اندوزی

حضرت عثمان نے بے تحاشا دولت جمع کی تھی جو بہت سے لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی۔ الطبقات الکبریٰ میں مذکور ہے کہ جس دن حضرت عثمان قتل ہوئے ان کے ذاتی خزانچی کے پاس اکتیس لاکھ پچاس ہزار درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد موجود تھے۔ خلیفہ کی زمینوں اور چوپایوں کی قیمت ان کے نقد پیسوں سے کہیں زیادہ بتائی گئی ہے۔ ۞

دوسرا اعتراض: حکم بن ابی العاص کو مدینہ واپس لانا

حکم حضرت عثمان کا چچا اور مروان کا باپ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے بھی اس فرمانِ رسول کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کی تھی لیکن حضرت عثمان حکم کو واپس مدینہ لے آئے۔ خلیفہ نے اسے بیت المال سے بھی خوب نوازا اور قبیلہ قضاعہ کی زکات پر مامور کیا۔ جب حکم نے تیس ہزار درہم زکات کی مد میں جمع کئے تو خلیفہ نے سارا اسے بخش دیا۔ ۞

تیسرا اعتراض: اپنے داماد مروان بن حکم پر بے تحاشا نوازات

افریقہ کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت نصیب ہوا۔ نقد رقم کی مقدار پچیس لاکھ دینار ہوگئی۔ حضرت عثمان نے حکم دیا کہ اس مالِ غنیمت کا پانچواں

۞ تاریخ طبری، جلد۳، صفحہ۲۹۴۔

۞ الطبقات الکبریٰ: جلد۳، صفحہ۷۶۔

۞ انساب الاشراف: جلد۶، صفحہ۱۳۷۔

حصہ مروان کو دیا جائے۔ ✿ علاوہ ازیں حضرت عثمان نے ''فدک'' کی جاگیر بھی مروان کو دے دی۔ فدک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بخش دیا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے ایک بے بنیاد دلیل کے سہارے آپ سلام اللہ علیہا سے لے لیا تھا۔ حضرت عثمان کے دور سے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک فدک مروان کے خاندان کے قبضے میں رہا۔ ✿

چوتھا اعتراض: بیت المال سے اپنے رشتہ داروں پر نوازشات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا بازار مسلمانوں کے نام وقف کیا تھا لیکن حضرت عثمان نے اسے اپنے چچازاد حارث بن حکم کو بخش دیا۔ ✿

حضرت عثمان نے اپنی بیٹی عبداللہ بن خالد سے بیاہ دی، اسے چھ لاکھ درہم عنایت کئے اور بصرہ کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ یہ رقم بصرہ کے بیت المال سے ادا کرے۔ ✿ سعید بن عاص حضرت عثمان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اسے ایک لاکھ درہم ملے۔

امام علی علیہ السلام، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن نے اس بارے میں حضرت عثمان پر اعتراض کیا تو خلیفہ نے جواب دیا: میں نے صلۂ رحمی کا ثبوت دیا ہے اور رشتہ داروں کا حق ادا کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: کیا ابوبکر و عمر کے بھی رشتہ دار نہیں تھے؟ خلیفہ نے جواب دیا: وہ دونوں اس بات کے معتقد تھے کہ رشتہ داروں کو ان نوازشات سے محروم رکھنا چاہیے لیکن میرا اجتہاد یہ ہے کہ رشتہ داروں کو ان بخششوں سے بہرہ مند کرنا چاہیے۔ ✿

✿ تاریخ یعقوبی: جلد۲، صفحہ۱۶۶۔

✿ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد۱، صفحہ۱۹۸۔

✿ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد۱، صفحہ۱۹۸۔

✿ دیکھئے تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ۱۶۸۔

✿ دیکھئے انساب الاشراف، جلد۶، صفحہ۱۳۷۔

پانچواں اعتراض: اسلام کے دشمنوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنا

مروان بن حکم حضرت عثمان کا سب سے اہم مشیر تھا۔ عہدِ عثمانی میں ابوسفیان کا بیٹا عمر ''مشکان'' کا گورنر منصوب ہوا، حکم کا بیٹا حارث ''مدائن'' کا گورنر منصوب ہوا، ولید بن عقبہ کوفہ کا والی قرار پایا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے صریحاً جہنمی قرار دیا تھا، عبداللہ بن ابی صرح مصر کا گورنر منصوب ہوا اور عبد اللہ بن عامر کو بصرہ کی گورنری ملی۔ ادھر امیر معاویہ نے شام میں قیصر و کسریٰ کے طرز کی حکومت قائم کر لی۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو عصر رسول میں زبردست منفی کردار کے حامل رہے تھے۔ صدر اسلام کے مسلمان ان کے فسق و فجور اور برے کردار سے بخوبی آگاہ تھے۔

چھٹا اعتراض: حدودِ الٰہی کے نفاذ سے پہلوتہی

والی کوفہ ولید کی شراب نوشی اور نشے کی حالت میں مسجد کے اندر اس کے نماز پڑھانے کا واقعہ شرعی طریقے سے ثابت ہوا تھا لیکن حضرت عثمان ولید پر شرعی حد جاری کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ آخرکار امیر المومنین علیہ السلام کے اصرار پر آپؑ ہی کے ہاتھوں اس پر حد جاری ہوئی۔ ❀

ادھر عبید اللہ بن عمر نے ہرمزان کو اس بہانے قتل کر دیا کہ اس نے ابولؤلؤ کو حضرت عمر کے قتل کا حکم دیا تھا۔ عبید اللہ نے ابولؤلؤ کی بیوی اور بیٹی کو بھی قتل کر دیا۔ جب حضرت عثمان سے مطالبہ ہوا کہ وہ حضرت عمر کے بیٹے عبیداللہ سے قصاص لیں تو وہ نہیں مانے۔ قصاص لینے کی بجائے خلیفہ نے اپنے آپ کو مقتولین کے خون کا وارث قرار دیا جو قاتل کو معاف کر سکتا ہے۔ ✿

ساتواں اعتراض: حضرت ابوذر کو پہلے شام اور بعد میں ربذہ کی طرف شہر بدر کرنا۔

آٹھواں اعتراض۔ حضرت عمار یاسر کو مار مار کر زخمی کرنا۔

❀ تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۱۶۵۔

✿ تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۱۶۱۔

نواں اعتراض: عبداللہ بن مسعود کی پٹائی اور مدینہ سے ان کے نکلنے پر پابندی۔

دسواں اعتراض: عبدالرحمٰن بن حنبل کی خیبر اور عامر بن قیس کی شام جلاوطنی۔

گیارہواں اعتراض: نو (۹) بزرگ شخصیات کی کوفہ سے شام جلاوطنی۔
ان میں مالک اشتر، کمیل اور صعصعہ وغیرہ شامل تھے۔

ضمیمہ نمبر ۱۹

الامامة والسیاسة نامی کتاب میں ایک خط کا ذکر ہے جو طلحہ نے مصر کے لوگوں کے نام لکھا تھا۔ اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلحہ حضرت عثمان کے شدید مخالف تھے اور وہ لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے تھے۔ ❁

کتب تاریخ میں منقول ہے کہ اصحابِ رسول میں سے کوئی شخص حضرت عثمان کے خلاف جدوجہد میں طلحہ سے آگے نہیں تھا۔ ❁

کتاب ''الفتوح'' میں زبیر اور حضرت عثمان کے درمیان تلخ گفتگو کا ذکر ہے جو بہت طولانی ہے۔ اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زبیر بھی لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف اکسانے والے بنیادی کرداروں میں شامل تھے۔ ❁

حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں ام المومنین عائشہ کا کردار تو تاریخ کے مسلمات میں شامل ہے۔ اکثر مورخین نے اس بارے میں کئی شواہد نقل کئے ہیں۔ اکثر تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ نے پیغمبر ﷺ کی قمیص اور آپ کے جوتے لوگوں کو دکھائے اور فریاد بلند کی: لوگو! ابھی پیغمبر کی قمیص اور آپ کے جوتے بھی پرانے نہیں ہوئے کہ عثمان نے آپ کی سنت کو تبدیل کرلیا ہے۔ ❁

❁ الامامة والسیاسة، جلد۱، صفحہ۵۳۔
❁ تاریخ المدینة، جلد۴، صفحہ۱۱۶۹۔
❁ الفتوح، جلد۱، صفحہ۳۲۔
❁ تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۱۷۵، الجمل، صفحہ ۱۴۷، شرح ابن ابی الحدید، جلد۳، صفحہ۹۔

ضمیمہ نمبر ۲۰

سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ اول کے انتخاب کا طریقہ

سقیفہ وہ جگہ تھی جہاں لوگ جمع ہوتے اور تقریریں کرتے تھے۔ رحلت رسول کے فوراً بعد مدینہ کے انصار سقیفہ میں جمع ہوئے۔ وہاں سعد بن عبادہ انصاری نے انصار سے خطاب کیا، ان کی تعریف و تمجید کی اور انہیں خلافت پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ سعد نے ان سے یوں خطاب کیا:

> اے انصار! اسلام کی تاریخ میں تمہارا جو کردار ہے وہ عرب کے کسی اور قبیلے کا نہیں ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ مکہ میں دس سال سے زیادہ عرصہ لوگوں کو عبادتِ الٰہی کی دعوت دیتے رہے لیکن صرف تھوڑے لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ یہ مٹھی بھر افراد آپ کی نصرت پر قادر نہ تھے۔ وہ آنحضرتؐ سے کسی مشکل کو دور نہ کر سکتے تھے۔ اللہ نے یہ فضیلت آپ (انصار) کو عطا کی، اس عزت سے آپ کو سرافراز کیا نیز دینِ خداوندی پر ایمان اور اس کا اقرار کرنے کی توفیق آپ کو عطا کی۔ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ سخت گیر ثابت ہوئے ہیں۔
>
> آخرکار پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام مخالفین آنحضرت کے فرمانبردار بن گئے اور عربوں کی تلواریں آپ لوگوں کی تلواروں کے آگے خم ہو گئیں، اللہ نے اپنے رسول کے بارے میں اپنے وعدے کو پورا کیا اور آپ کو اپنی طرف بلا لیا جبکہ آنحضرت آپ لوگوں سے خوش تھے۔ بنابریں اپنے آپ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار کریں کیونکہ آپ (انصار) ہی اس منصب کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار ہیں۔

انصار نے سعد بن عبادہ کے جواب میں کہا:

اگر آپ راضی اور آمادہ ہیں تو ہم امر خلافت آپ کے حوالے کریں گے۔

ادھر اس اجتماع کی خبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو ملی۔ وہ بھاگ کر سقیفہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں موجود انصاریوں سے کہا:

کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم مہاجرین نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا؟ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں۔ ہمارا تعلق پیغمبر کے قبیلے اور عشیرے سے ہے۔ آپ لوگ کتاب خدا کی رو سے ہمارے دینی بھائی، دین کے مدد گار اور رسول اللہ کے مشیر رہے ہیں۔ آپ نے ایثار و قربانی میں ہمیں اپنے اوپر مقدم رکھا ہے۔ آپ قضائے الٰہی کے سامنے سب سے زیادہ راضی رہے ہیں۔ آپ اپنے دینی بھائیوں کے معاملے میں فرمانِ الٰہی کے آگے سر تسلیم خم رہے ہیں۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں دین خداوندی کی مخالفت ہو۔

میں آپ کو ابوعبیدہ اور عمر کی بیعت کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یہ دونوں خلافت کے اہل ہیں۔ میں ان دونوں کو اس منصب کے لیے پسند کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر کی اس تجویز کے جواب میں حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے بالاتفاق کہا:

ہم منصب خلافت کے لئے کسی کو آپ سے زیادہ لائق اور موزوں نہیں سمجھتے کیونکہ آپ رسول کے یارِ غار ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد بھیجا تھا۔ اس لئے آپ تمام لوگوں سے زیادہ خلافت اور جانشینی کے سزاوار ہیں۔

انصار نے حضرت ابوبکر کے جواب میں کہا:

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں۔ ہم آنحضرتؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اپنے گھر یعنی مدینہ کو ایمان کا مرکز قرار دیا۔ اللہ کی اعلانیہ عبادت ہمارے دیار کے علاوہ کہیں انجام نہیں پائی۔ ایمان کی شناخت صرف ہماری تلواروں کی بدولت میسر ہوئی اور جماعت کی نماز صرف ہماری مساجد میں برپا ہوئی۔ بنابریں خلافت کے لئے موزوں ہمارا ہی کوئی فرد ہوسکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں۔ اگر آپ کو ہماری بات قبول نہ ہوتو پھر ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہو اور ایک امیر آپ (مہاجرین) کے درمیان سے۔

یہ سن کر حضرت عمر چلا کر بولے:

یہ ناممکن ہے۔ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں۔ چونکہ مہاجر ہم ہیں اس لئے عرب قوم آپ (انصاریوں) کی حکمرانی قبول نہیں کرے گی۔

حباب ابن منذر نے حضرت عمر کے جواب میں کہا:

اللہ کی قسم ہم انصار آپ (مہاجرین) سے زیادہ خلافت کے سزاوار ہیں کیونکہ غیر مسلموں نے ہماری تلواروں کی بدولت دینِ اسلام قبول کیا ہے۔ اگر آپ مہاجرین اس حقیقت کو تسلیم نہ کریں تو ہم آپ کو اپنے دیار سے نکال باہر کریں گے۔ ہم ہمیشہ کھجور کے پھلدار درختوں کی طرح آپ کے پشت پناہ رہے ہیں۔ اگر آپ کچھ اور کرنا چاہیں تو آپ کو خرمے نہیں ملیں گے۔ جو کوئی میری اس بات کو قبول نہ کرے میں اسے اپنی تلوار سے ٹھیک کروں گا۔

لیکن خود انصار کے باہمی اختلاف نے مہاجرین کا پلڑا بھاری کر دیا۔ قبیلہ

خزرج کے ایک سرکردہ بشر بن سعد خزرجی (جو خلافت کے عہدیدار سعد بن عبادہ سے حسد کرتا تھا اور سعد کو خلیفہ بنتے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔) بولا:

ہمارا جہاد اور ہمارا ایمان صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے تھا۔ ہمارا مطلوب ومقصود دنیا نہ تھی۔ پیغمبر قریشی تھے۔ پیغمبر کی قوم خلافت کی میراث کے زیادہ سزاوار ہیں۔ اے گروہِ انصار! خدا سے ڈرو اور قریش سے نزاع نہ کرو۔

ان باتوں کے بعد حضرت ابوبکر کھڑے ہو گئے اور بولے:

آپ لوگ ان دونوں (ابوعبیدہ اور عمر) میں سے جس کی چاہیں بیعت کرلیں۔

حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا:

آپ کے علاوہ کوئی خلافت کا منصب قبول نہیں کرے گا۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہیں۔ لوگوں سے بیعت لینے کے لیے اپنا ہاتھ دراز کریں۔

حضرت ابوبکر نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اپنا ہاتھ دراز کیا۔

حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عمر نے ان کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد قبیلہ خزرج کے بشر بن سعد نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۲۱

حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کے لئے حضرت ابوبکر کی وصیت:

حضرت ابوبکر نے احتضار کی حالت میں حضرت عثمان کو طلب کیا اور انہیں وصیت لکھنے کا حکم دیتے ہوئے کہا: لکھو:

بِسم اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم. یہ مسلمانوں کے نام ابوبکر ابن ابو

❁ دیکھئے ابن میثم کی شرح نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۸۴۔

قحافہ کی وصیت ہے۔ اما بعد .....

اتنا کہہ کر حضرت ابوبکر بے ہوش ہو گئے۔ تب حضرت عثمان نے اپنی طرف سے لکھا:

بہ تحقیق میں عمر بن خطاب کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں۔

اتنے میں حضرت ابوبکر ہوش میں آئے اور حضرت عثمان سے بولے:

جو لکھا ہے وہ پڑھو۔

حضرت عثمان نے تحریر پڑھی۔ حضرت ابوبکر نے تکبیر کہی اور خوش ہو کر کہا:

میرے خیال میں تجھے خوف ہوا کہ میں بیہوشی کی حالت میں مر جاؤں گا اور لوگ خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف سے دوچار ہو جائیں گے۔

حضرت عثمان بولے: ہاں۔

حضرت ابوبکر نے کہا:

اللہ تعالی تجھے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اس تحریر کو مکمل کرو۔

حضرت عثمان بولے: کیا لکھوں؟

حضرت ابوبکر بولے:

ابوبکر بقائمی ہوش و حواس و عقل و ارادہ یہ وصیت لکھوا رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ امر خلافت کی اصلاح نہیں ہو سکتی تھی مگر اسی طریقے سے جس طریقے سے ابتدا میں اس کی اصلاح ہوئی تھی۔ منصب خلافت کو کوئی قبول نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو تمام عربوں سے بہتر اور خوددار ہو، مشکلات میں سب سے زیادہ سخت کوش ہو، نرمی کے وقت سب سے زیادہ نرم اور اہل خرد کے افکار سے سب سے زیادہ آگاہ ہو، تمام کاموں کی انجام دہی پر قادر ہو اور کسی امر میں

نہ حد سے گزرنے والا ہو اور نہ حد سے پیچھے رہنے والا، ممکنہ حوادث پر نظر رکھنے والا ہو اور ان کے معاملے میں محتاط ہو۔

جب وصیت ختم ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے حکم دیا کہ اس کا متن لوگوں کو سنایا جائے۔ ۞

ضمیمہ نمبر ۲۲

امیرالمومنین علیہ السلام اپنی بیعت کے وقت لوگوں کی ہیجانی کیفیت اور بیعت پر اصرار کی یوں منظر کشی فرماتے ہیں:

لوگ میرے اوپر ٹوٹ پڑے جس طرح پیاسے اونٹ پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں؛ وہ اونٹ جن کے ساربانوں نے ان کے سروں سے مہار اور ان کے زانوؤں سے رسیاں کھول دی ہوں۔لوگوں کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ میں نے خیال کیا کہ لوگ مجھے مار دیں گے اور خود ایک دوسرے کے ہاتھوں کچل کر ہلاک ہو جائیں گے۔ ۞

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی طرح جو اپنے بچوں کی طرف پل پڑتے ہیں میری طرف امنڈ آئے۔ وہ مسلسل بیعت بیعت کی آواز لگا رہے تھے۔ میں اپنا ہاتھ کھینچتا تھا اور تم اسے کھولتے تھے۔ میں اسے تمہارے ہاتھوں سے دوبارہ چھڑا لیتا تھا اور تم اسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ ۞

ضمیمہ نمبر ۲۳

جب لوگوں نے امام علیہ السلام سے بیعت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے

۞ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): جلد ۱، صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵۔

۞ نہج البلاغہ: صبحی صالح، کلام نمبر ۵۴، صفحہ ۹۰۔

۞ نہج البلاغہ: کلام ۱۳۷، صفحہ ۱۹۵۔

ان سے فرمایا:

مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو کیونکہ ہم ایک ایسی چیز کی طرف جا رہے ہیں جو مختلف چہروں اور متعدد جہات کی حامل ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر دلوں کو استحکام اور عقلوں کو استقرار حاصل نہیں ہو گا۔ حقیقت کے چہرے کو خرابیوں اور فتنوں کے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا ہے اور صراطِ مستقیم اجنبی بن گیا ہے۔

آگاہ رہو! اگر میں تمہاری پیشکش قبول کرلوں تو میں اپنے علم کے مطابق عمل کروں گا۔ میں لوگوں کی باتوں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت پر کان نہیں دھروں گا۔ اگر تم لوگ مجھ سے دست بردار ہو جاؤ تو میں تمہاری طرح کا ایک فرد رہوں گا۔ پھر شاید میں حکومت کے سربراہ کا تم لوگوں سے بڑھ کر مطیع رہوں گا۔ اس صورت میں اگر میں وزیر اور مشیر کے طور پر کام کروں تو یہ اس بات سے بہتر ہو گا کہ میں تمہارا امیر بن جاؤں۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۲۴

خلیفۂ دوم کے فرزند عبداللہ بن عمر ہجرت سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ اپنی پوری زندگی میں عبداللہ نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔ مجموعی طور پر وہ ایک کمزور شخصیت کے حامل رہے۔ وہ ہر حاکم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ عبداللہ کا یہ نعرہ تھا:

میں فتنوں کے دوران ہاتھ میں شمشیر نہیں پکڑوں گا لیکن ہر کامیاب حاکم کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔

اسی لیے عبداللہ نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے بھی نماز پڑھی۔

❁ نہج البلاغہ صبحی صالح: کلام ۹۲، صفحہ ۱۳۶۔

عبداللہ کے معروف دعوؤں میں سے ایک یہ تھا:

میں کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا لیکن اگر کوئی مجھے کچھ دے
تو قبول کروں گا اور عطیۂ الٰہی کو ردّ نہیں کروں گا۔

اسی لیے عبد اللہ نے معاویہ، یزید اور .... سے
بھی ہدایا وصول کیے اور اس سلسلے میں کوئی پس و پیش نہ
کیا۔لیکن عجیب بات ہے کہ اسی عبداللہ نے امیرالمومنین
علی علیہ السلام کی بیعت نہیں کی۔ عبداللہ کی دلیل یہ تھی:

میں سب سے آخر میں بیعت کروں گا۔

بعد میں جب امام علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ عبداللہ مکہ گیا ہے اور وہاں حکومت کے خلاف شورش پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ امام علیہ السلام کو عبداللہ کی کمزور شخصیت کا مکمل علم تھا اس لیے آپ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ❁

دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسی عبداللہ بن عمر نے خندہ پیشانی کے ساتھ امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

جب امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے رہے تھے تو عبداللہ مخالفین کی صف میں شامل ہو گئے لیکن امیر معاویہ نے یزید کو وصیت کی کہ وہ عبداللہ کے ساتھ نرمی کرے کیونکہ ضرورت پڑنے پر اس کی حمایت کارساز ہو سکتی ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف قیام فرمایا تو عبداللہ بن عمر جو ابتدا میں یزید کے مخالف تھے مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے۔ عبداللہ نے امام علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے اور اس کے ساتھ نباہ کرنے کی دعوت دی، یہاں تک کہ امام علیہ السلام کو مسلمانوں کا خون بہائے جانے کے عواقب سے ڈرایا۔ عبداللہ نے امام حسین علیہ السلام سے کہا:

یا ابا عبداللہ! چونکہ لوگوں نے اس شخص کی بیعت کر لی ہے اور
درہم و دینار بھی اس کے قبضے میں ہیں اس لئے لوگ یقیناً

❁ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): جلد۴، صفحہ ۱۱۔

اس کی حمایت کریں گے۔ آپ کے ساتھ اس خاندان کی دشمنی کے پیش نظر مجھے خوف ہے کہ یزید کی مخالفت کی صورت میں آپ قتل ہو جائیں گے اور کچھ مسلمان بھی مارے جائیں گے۔ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: حسین قتل کیا جائے گا اور اگر لوگ حسین کی مدد سے دست بردار ہوں تو ذلیل و خوار ہوں گے۔

بنابریں میری تجویز، ہے کہ تمام لوگوں کی طرح آپ بھی صلح اور بیعت کا راستہ اپنائیں اور مسلمانوں کا خون بہائے جانے سے ڈریں۔ ❁

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ سے ڈرو اور ہماری نصرت سے اجتناب نہ کرو۔

عبداللہ نے جواب دیا:

آپ سے جدا ہونے سے پہلے میری خواہش ہے کہ آپ مجھے اپنے بدن کے اس حصے کو چومنے کی اجازت دیں جسے رسول اللہ بار بار بوسہ دیتے تھے۔

پھر امامؑ کے سینے کو چومتے ہوئے کہنے لگے:

اے ابا عبداللہ! میں آپ کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں کیونکہ آپ اس سفر میں قتل ہو جائیں گے۔ ✿

مدینہ واپسی کے بعد عبداللہ نے یزید کے نام ایک خط لکھا جس میں یزید کی خلافت کو دل و جان سے قبول کیا۔ عبداللہ اس بیعت پر اس قدر ثابت قدم اور پابرجا رہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مدینہ والوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی اور یزید کے گورنر کو شہر سے نکال دیا تو عبداللہ بن عمر نے اپنے رشتہ داروں، اپنی قوم

❁ مقتل خوارزمی، جلد ا، صفحہ ۲۷۸۔

✿ امالی صدوق: مجلس ۳۰، صفحہ ۲۱۷۔

اور اپنی اولاد کو اپنے ساتھ جمع کیا اور یزید کی حکومت کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے سنا ہے: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا جو اس کی عہد شکنی کی علامت ہو گا۔ میری نظر میں کوئی خیانت اور عہد شکنی اس سے زیادہ سخت نہیں کہ کسی کی بیعت کرنے کے بعد اس سے جنگ کی جائے۔ بنا بریں تم میں سے جس جس کے بارے میں مجھے یہ علم ہو کہ وہ یزید کی بیعت سے دست بردار ہوا ہے اور یزید کے مخالفین کا حامی بن گیا ہے اس کے ساتھ میرا رابطہ ختم ہے۔ ❁

یزید کے بعد عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا۔ اس نے عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا۔ حجاج مدینہ آیا تو عبداللہ بن عمر رات کو بیعت کی خاطر حجاج کے پاس گئے اور بولے:

اے امیر! اپنا ہاتھ بڑھائیے تا کہ میں خلیفہ کے نام پر بیعت کروں۔

حجاج نے سوال کیا:

اس عجلت کی وجہ کیا ہے؟ تُو کل بیعت کر سکتا ہے۔

عبداللہ نے کہا:

میں نے رسول اللہ سے سنا ہے:

جو کوئی اس حالت میں مر جائے کہ اس کا کوئی امام نہ ہو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

پس مجھے خوف ہوا کہ کہیں رات کو ہی میری موت واقع نہ ہو جائے اور نتیجتاً امام کا حامل نہ ہونے کی وجہ سے رسول اکرمؐ کے فرمان کی بنا پر میں عہدِ جاہلیت کے مُردوں کی طرح نہ

❁ دیکھئے فتح الباری، جلد ۱۳، صفحہ ۶۰۔

ہو جاؤں۔

جب عبداللہ بن عمر کی گفتگو یہاں پہنچی تو حجاج نے اپنا پاؤں لحاف سے باہر نکالا اور کہا:

آؤ میرے ہاتھ کی بجائے میرے پیر پر بیعت کرو۔ ❁

عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حدیث نقل کی تھی یہ ذلت آمیز بیعت اسی کی مصداق بنی یعنی امام حسین علیہ السلام کی نصرت سے اجتناب ذلت وخواری کا موجب بنا۔

ضمیمہ نمبر ۲۵

حضرت سعد بن ابی وقاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ وہ بدر و احد کے مجاہدین میں شامل تھے۔ حضرت سعد عراق، مدائن اور قادسیہ کے فاتح ہیں اسی لئے انہیں ''فارسِ اسلام''یعنی اسلام کا شہسوار یا ہیرو کہا جاتا تھا۔ کوفہ کی بنیاد سعد نے رکھی تھی۔ حضرت سعد نے کوفہ کی زمینوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا اور خود انہوں نے بھی کوفہ میں ایک بڑا گھر بنایا۔ جلد ہی دیگر قبائل نے بھی وہاں مکانات بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یوں کوفہ شہر میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت عمر کے دور میں حضرت سعد کوفہ کے گورنر بنے۔ کچھ مدت بعد لوگوں کی شکایت پر سعد معزول ہوئے۔ پھر حضرت عثمان کے دور میں دوبارہ گورنر منصوب ہوئے، پھر معزول ہوئے۔ اس کے بعد وہ مدینہ آئے اور جنگ و سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت سعد نے مدینہ کے مضافات میں اپنے لئے ایک بہت عالیشان گھر بنا لیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس گھر میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ اہل سنت بھائی انہیں عشرۂ مبشرہ میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اس چھ رکنی مجلس شوریٰ میں شامل تھے جسے خلیفہ ٔ

❁ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۱۳، صفحہ ۲۴۲۔

دوم نے تیسرا خلیفہ معین کرنے کے لئے تشکیل دیا تھا۔ سعد نے اپنا حق رائے دہی عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ حضرت عثمان کے قتل اور امیرالمومنین علیہ السلام کی عام بیعت کے بعد سعد نے امیرالمومنین علیہ السلام کی بیعت سے اجتناب کیا لیکن امام علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ ان کی طرف سے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ امام علیہ السلام نے اسے قبول کیا اور بیعت لینے پر زور نہیں دیا۔

ضمیمہ نمبر ۲۶

اسامہ اسی زید کے فرزند ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی سے آزاد کیا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے کے نام سے معروف ہوئے۔ قرآن کی وہ آیات جو منہ بولے بیٹے کے احکام کی نفی کرتی ہیں اسی زید سے مربوط ہیں۔ اسامہ کی ماں ام ایمن ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی مخلص اور سچی خدمت گار تھیں۔

اسامہ اٹھارہ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک بڑے لشکر کے امیر بنائے گئے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر اور عمر بھی شامل تھے۔ یہ لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری دنوں میں تشکیل دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت کی جو لشکرِ اسامہ سے الگ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اور حضرت ابوبکر کی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہونے کے بعد خلیفہ نے اسامہ کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط میں حضرت ابوبکر نے اپنے آپ کو لوگوں کی طرف سے منتخب ہونے والے خلیفۂ رسول کے طور پر پیش کیا اور اسامہ سے درخواست کی کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ واپس لوٹیں لیکن اسامہ نے ایک سخت جواب دیا اور لکھا:

> شام کی جنگ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منصوب عامل اسامہ کی طرف سے ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر کے نام۔

اما بعد: آپ کی طرف سے ایک خط ملا جس کا اول اس کے آخر سے ہماہنگ نہ تھا۔ خط کی ابتدامیں آپ نے لکھاہے کہ آپ رسول اللہ کے جانشین ہیں لیکن خط کے آخر میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جمع ہو کر آپ کو اپنا حاکم منتخب کیا ہے اور وہ اس سے خوش ہیں لیکن جان لیں کہ اللہ کی قسم میں اور میرے ساتھ موجود مسلمانوں کی جماعت اس انتخاب سے راضی نہیں ہیں۔ ہم نے آپ کو اپنے حکمران کے طور پر منتخب نہیں کیا ہے۔

بہتر ہے کہ آپ جلد سے جلد یہ حق اس کے اصلی حقدار کے حوالے کر دیں اور زمام خلافت اس کے اہل کے سپرد کریں جو آپ سے زیادہ اس امر کے لائق اور سزاوار ہیں۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ رسول خدا نے غدیر کے دن علی کے بارے میں کیا فرمایا تھا۔ رسول اللہ نے اس دن جو عہد لیا تھا اسے آج کوئی زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا کہ اسے بھلا دیا جائے۔ بنابریں بہتر ہے کہ آپ اپنی حیثیت کو پہچانیں اور خدا و رسول کی مخالفت سے اجتناب کریں۔

جس شخص کو رسول اللہ نے آپ کے اوپر اور آپ کے شریک کار کے اوپر اپنا جانشین قرار دیا تھا اس کی نافرمانی نہ کریں۔ میں اس بات کی یاد دہانی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی رحلت کے وقت مجھے اس لشکر کی قیادت سے معزول نہیں کیا تھا جس لشکر میں آپ بھی شامل تھے۔ اب بھی آپ میرے حکم کے ماتحت ہیں۔ آپ میری اجازت کے بغیر اس لشکر کو چھوڑ کر مدینہ لوٹ گئے ہیں۔ ❁

❁ دیکھئے: منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ: جلد ۳، صفحہ ۳۱۔

خلفا کے دور میں اسامہ کو بہت احترام حاصل تھا۔ خلیفہ دُوم کے زمانے میں اسامہ کو بیت المال سے بطور وظیفہ پانچ ہزار ملتے تھے جبکہ خلیفہ دُوم کے بیٹے کو دو ہزار۔ ❁ امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کے وقت اسامہ بیعت پر آمادہ نہیں ہوئے اور حیلے بہانے تراشنے لگے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے دوران اسامہ نے کسی شخص کو آپ کے پاس بھیجا اور کہا:

> بیت المال سے میرا حصہ دے دیں۔ اللہ کی قسم آپ کو علم ہے کہ اگر آپ شیر کے منہ میں بھی کودتے تھے تو میں آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔

امام علیہ السلام جواباً فرمایا:

> اِنَّ هٰذَ االْمَالَ لِمَنْ جَا هَدَعَلَيْهِ وَلٰكِنَّ لِیْ مَالاً بِالْمَدِيْنَةِ فَأصب مِنْهُ مَا شِئْتَ ۔
>
> یہ مال اس کے لئے ہے جس نے اس کی خاطر جنگ لڑی ہے (تمہارے لئے نہیں۔) البتہ مدینہ میں میرا کچھ مال ہے تم اس میں سے جو چاہو لے لو۔ ❁

امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسامہ نے اپنی زندگی کے آخر میں توبہ کی۔ اسی لئے امام علیہ السلام نے فرمایا:

> اس کے بارے میں صرف اچھی بات کہی جائے۔ ❁

اسامہ کی وفات ہوئی تو امام حسن علیہ السلام اسامہ کے جنازے میں شریک ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے اسامہ کے کفن کے لئے ایک قیمتی کپڑا عطا کیا۔ ❁

❁ اسد الغابۃ: جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔

❁ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): جلد ۴، صفحہ ۱۰۲ نیز الغارات: صفحہ ۳۹۵۔

❁ رجال کشی: صفحہ ۳۹۔

❁ کافی: جلد ۳، صفحہ ۱۴۹۔

ضمیمہ نمبر ۲۷

ابن شہر آشوب امام علیہ السلام کی خدمت میں عقیل کی آمد کا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

عقیل امیر المومنین کے پاس پہنچے۔ امام نے اپنے بیٹے امام مجتبیٰ سے فرمایا:

اپنے چچا کے لئے کوئی لباس فراہم کرو۔

امام حسن نے عقیل کے لئے ایک قمیص اور ایک قبا کا بندوبست کیا۔ پھر کھانے کا وقت ہو گیا۔ عقیل نے دسترخوان پر روٹی اور نمک کے علاوہ کوئی چیز نہیں پائی تو تعجب سے کہا:

جو میں دیکھ رہا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے؟

امام نے فرمایا:

اَوَلَیسَ ھذا مِنْ نِعْمَةِ اللّٰہِ؟ فَلَہُ الْحَمْدُ کَثِیراً

کیا یہ اللہ کی نعمت نہیں ہے؟ ہم اس نعمت پر اس کا بہت شکر کرتے ہیں۔

عقیل نے کہا:

میرے اوپر بہت قرضہ ہے۔ ان کی ادائیگی میں میری مدد کریں۔ میرا کام جلدی انجام دیں تاکہ میں جلد از جلد واپس لوٹ جاؤں۔

امام نے فرمایا:

آپ کا قرض کتنا ہے؟

بولے: ایک لاکھ درہم۔

امیر المومنین نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَاھِیَ عِندِی وَلَا اَمْلِکُھا وَلٰکِن اصْبِر حَتّٰی یَخْرجَ عَطایَ فَاُوَا سِیکَہُ۔ وَلَوْلَا اَنَّہُ لَا بُدَّ لِلْعِیال

مِنْ شَيْئٍ لَاَ عْطَيْتُكَ كُلَّهُ۔

اللہ کی قسم میرے پاس آپ کو دینے کے لئے اتنا مال نہیں ہے۔ البتہ آپ کچھ دن صبر کریں تا کہ بیت المال کی تقسیم کا وقت آجائے اور میں اس میں سے اپنا حصہ لے کر آپ کی کچھ مدد کروں۔ اگر اہل و عیال کا بھی حق نہ ہوتا تو میں وہ سب آپ کو دے دیتا۔

عقیل نے کہا:

بیت المال آپ کے اختیار میں ہے اور آپ مجھ سے اپنے حصے کی بات کر رہے ہیں؟ آپ کا حصہ ہے ہی کیا جو آپ اس سے مجھے بہلا رہے ہیں؟ اگر آپ اپنا پورا حصہ بھی مجھے دے دیں تو میرے کس درد کی دوا بنے گا؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

مَا اَنَا وَاَنْتَ فِیْهِ اِلّا بِمَنْزِلَةِ رَجُل مِّنَ الْمُسْلِمِینَ

یعنی بیت المال میں میرا اور آپ کا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک عام مسلمان کا۔

جب امام علیہ السلام اپنے بھائی عقیل کے ساتھ یہ باتیں کر رہے تھے تو کوفہ کے تاجروں کے صندوق سامنے نظر آ رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے عقیل کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

اِنْ اَبَیتَ یَا اَبایَزیدَ مَا اَقُولُ فَانْزِلْ اِلیٰ بَعْضِ هٰذهِ الصَّنادِیق فَاكْسِرْ اَقْفَالَهُ وَخُذْ مَا فِیْهِ

یعنی اگر آپ میرے حصے پر قانع نہیں ہیں تو اٹھیں اور ان صندوقوں میں سے کسی کو توڑ لیں اور جو اس کے اندر ہے وہ لے لیں۔

عقیل نے پوچھا:

یہ صندوق کس کے ہیں اور ان میں کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ان میں تاجروں کے اموال ہیں۔

عقیل نے تعجب سے کہا:

کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ میں ان مسلمانوں کا مال چوری کروں اور ان کے تالے توڑ لوں جو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنے اموال چھوڑ گئے ہیں؟

امام نے جواب دیا:

اَتَـاْمُـرُنِـی اَن اَفتَـحَ بَیْتَ مَالِ الْمُسْلِمِینَ فَاُعْطِیَكَ اَمْوالَهُمْ وَقَدْ تَوَكَّلُوْ اعَلَی اللّٰهِ وَاَقْفَلُوْا عَلَیْهَا؟

تو کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کا بیت المال کھول کر اس کا مال آپ کو دیدوں جبکہ انہوں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان پر تالے لگائے ہیں (اور چابیاں مجھے دی ہیں)؟

پھر فرمایا:

وَاِنْ شِـئْـتَ اَخَـذْ تَ سَیْـفَكَ وَاَخَـذْ تُ سَیفِـی وَخَرَجْنَا جَمِیْعاً اِلَی الْحِیْرَةِ فَاِنَّ بِهَا تُجَّاراً مَیَاسِیْرَ فَدَخَلْنَا عَلیٰ بَعْضِهِمْ فَاَخَذْنَا مَالَهُ۔

اگر آپ چاہیں تو آپ اپنی تلوار لیں اور میں اپنی تلوار لیتا ہوں پھر ہم حیرہ کی طرف جاتے ہیں اور وہاں کے بعض تاجروں کا راستہ روک کر ان کا مال لوٹ لیتے ہیں۔

عقیل نے حیرت سے پوچھا:

کیا میں چوری کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں؟

فرمایا:

تَسْـــرِقُ مِـنْ وَاحِـدٍ خَیْـرٌ مِّـنْ اَنْ تَسْـرِقَ مِـنَ

الْمُسْلِمِيْنَ جَمِيْعاً

ایک شخص کا مال چوری کرنا تمام مسلمانوں کا مال لوٹنے سے بہتر ہے۔ ❀

ضمیمہ نمبر ۲۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف صحابی حضرت ابوذر زبردست صاف گو شخص تھے۔ابوذر خلیفہ سوم حضرت عثمان پر تنقید کرتے تھے۔ وہ بیت المال سے خلیفہ کی عنایات، بخششوں اور مسلمانوں کے اموال میں اسراف وتبذیر پر سخت معترض تھے۔

ابوذر کے اعتراضات نے خلیفہ کی ناک میں دم کر دیا۔ خلیفہ نے ابوذر کو شہر بدر کر کے شام بھیج دیا اور یہ خیال کیا کہ شاید امیر معاویہ ابوذر کو کنٹرول کر سکے گا اور خلیفہ ابوذر کی حق گو زبان سے مامون رہ سکیں گے۔

ابوذر شام پہنچے۔ شام میں امیر معاویہ کا شاہانہ نظام حکومت دیکھا تو ابوذر سیخ پا ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے سرکار کی خرابیوں کی افشاگری کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے امیر معاویہ کے خلاف ایک پرعزم، سنجیدہ اور ان تھک جدوجہد کا آغاز کر دیا یہاں تک کہ امیر معاویہ کے مشیروں کو رائے عامہ پر ابوذر کی باتوں کے اثرات سے خطرہ محسوس ہوا۔ انہوں نے امیر معاویہ کو شام میں ابوذر کی موجودگی کے خطرات سے آگاہ کیا۔ امیر معاویہ نے تطمیع کا ہتھکنڈا اپناتے ہوئے ابوذر کو قیمتی تحائف بھیجے تاکہ انہیں اپنی طرف مائل کریں لیکن یہ کوشش بے سود رہی جس پر تخویف اور قید و بند کا ہتھکنڈا استعمال کیا گیا لیکن ابوذر پہاڑ کی طرح استوار اور ثابت قدم رہے یہاں تک کہ امیر معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا:

اگر آپ شام کو بچانا چاہتے ہیں تو ابوذر کو جلد از جلد کسی اور مقام پر بھیج دیں۔

❀ مناقب ابن شہر آشوب: جلد۲، صفحہ ۱۰۸۔

حضرت عثمان کے حکم پر جناب ابوذر کو ایک سرکش اونٹ پر باندھ کر بدترین طریقے سے مدینہ بھیجا گیا جس سے ابوذر کے پیر زخمی ہو گئے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد خلیفہ کے حکم پر حضرت ابوذر ربذہ نامی بیابان میں شہر بدر کر دیے گئے۔ حضرت عثمان کی خلافت کے آٹھویں سال ربذہ میں ہی ابوذر کا انتقال ہوا۔

ضمیمہ نمبر ۲۹

حضرت عبداللہ ابن مسعود رسول اللہ ﷺ کے بزرگ صحابی اور کاتبِ وحی تھے۔ حضرت عثمان کی طرف سے ولید کوفہ کا گورنر بنا تو اس وقت ابن مسعود کوفہ کے بیت المال پر مامور تھے۔ ولید نے ابن مسعود سے کچھ رقم بطور قرض حاصل کی۔ کچھ عرصے بعد ابن مسعود نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ولید نے حضرت عثمان کو خط لکھا اور ابن مسعود کے رویے کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے ابن مسعود کو لکھا:

> تو ہمارے اموال کا نگہبان ہے۔ ولید کے لئے رکاوٹ نہ بن۔

عبداللہ نے بیت المال کی چابیاں ولید کے پاس پھینک دیں اور کہا:

> آج تک میرا یہ خیال تھا کہ میں مسلمانوں کے امول کا محافظ ہوں لیکن اگر مجھے بنی امیہ کے اموال کا نگہبان ہونا پڑے تو مجھے یہ منصب نہیں چاہیے۔

ولید کی سیہ کاریوں اور حضرت عثمان کی بے جا عنایات کو دیکھ کر ابن مسعود نے اعتراض اور تنقید کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ کوفہ کے لوگوں کے درمیان حقائق کی افشاگری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ولید نے خط کے ذریعے حضرت عثمان کو ابن مسعود کے خطرے سے آگاہ کیا اور ابن مسعود کو مدینہ بلانے کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے ایسا ہی کیا اور ابن مسعود کو مدینہ طلب کیا۔ عبداللہ ابن مسعود مدینہ پہنچے تو حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ کی سخت اہانت کی۔ خلیفہ کے حکم پر انہیں مسجد سے نکال دیا گیا

اور سخت زدوکوب بھی کیا گیا جس سے ان کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ مدتوں اپنے گھر میں صاحبِ فراش رہے یہاں تک کہ دار دنیا سے رحلت کر گئے۔

ضمیمہ نمبر ۳۰

ام المومنین حضرت عائشہ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ رحلت رسول کے بعد ام المومنین نے سیاسی امور میں بہت موثر کردار ادا کیا۔ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ان کی عداوت سب کے ہاں عیاں تھی۔ حضرت عائشہ کا شمار حضرت عثمان کے شدید مخالفین میں بھی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو قتلِ عثمان کی ترغیب دیتی تھیں۔ اس بارے میں ان کا ایک جملہ بہت معروف ہے۔ حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ قتلِ عثمان کے بعد طلحہ کو خلافت ملے گی۔ اسی لئے وہ حضرت عثمان کا خاتمہ کرنے کے لئے کوشاں تھیں۔

قتلِ عثمان کے وقت وہ مکہ میں تھیں۔ قتل کی خبر ملتے ہی مدینہ روانہ ہوئیں لیکن جب راستے میں حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی خبر ملی تو وہ شدید افسوس کے ساتھ مکہ واپس ہوئیں اور مکہ میں حضرت عثمان کی عزاداری میں مشغول ہو گئیں۔ اپنی اس متضاد پالیسی کی توجیہہ کے لئے وہ کہتی تھیں:

> عثمان نے توبہ کی تھی لیکن علی ابن ابی طالب اور ان کے
> ساتھیوں نے خلیفہ کی توبہ کی پروا کئے بغیر انہیں قتل کر دیا۔

حضرت عائشہ کے موقف کی خبر پا کر طلحہ و زبیر بھی مکہ گئے۔ پھر ان کے ساتھ بصرہ چلے گئے۔

لشکر کی سپریم کمانڈ حضرت عائشہ کے پاس ہی تھی۔ لوگوں کو جنگ پر برانگیختہ کرنے میں حضرت عائشہ کی تقریریں بہت موثر ثابت ہوتی تھیں۔ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت عائشہ اسے حل کرتی تھیں۔ جنگ جمل کے دوران حضرت عائشہ کی اونٹنی کو لشکر کے پرچم کی حیثیت حاصل تھی۔ سارے سپاہی اسی اونٹنی کو محور بنا کر لڑتے رہے۔ اسی لئے امیر المومنین علیہ السلام نے مجبورا اونٹنی کو مارنے کا حکم دیا۔ اونٹنی کے گرتے ہی

حضرت عائشہ کے لشکر کی شکست کا آغاز ہوا۔ جنگ کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے حکم سے حضرت عائشہ کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس بھیج دیا گیا۔

عالم اسلام کی اس اہم اور کلیدی شخصیت سے آشنائی کے لئے علامہ مرتضی عسکری کی کتاب ''نقش عائشہ در تاریخ اسلام'' کا مطالعہ کیجئے۔

ضمیمہ نمبر ۳۱

حضرت عثمان بن حنیف امیر المومنین علیہ السلام کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ جب حضرت عائشہ کا لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو عثمان نے چند افراد کو حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے ساتھ مذاکرات کے لئے بھیجا لیکن وہ انہیں بصرہ میں داخل ہونے سے نہ روک سکے۔ عثمان نے لوگوں کو حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔ حملہ آوروں کے بصرہ میں داخل ہونے پر کچھ جھڑپیں ہوئیں لیکن بصریوں کے درمیان اختلاف کے باعث عثمان بن حنیف حضرت عائشہ کے لشکر کے ساتھ صلح کرنے اور امیر المومنین علیہ السلام کی آمد کا انتظار کرنے پر مجبور ہوئے۔

صلحنامے کی رو سے دارالامارہ، بیت المال اور مسجد کا انتظام عثمان بن حنیف کے پاس رہنا قرار پایا اور حضرت عائشہ کے لشکر کو یہ آزادی دی گئی کہ وہ بصرہ کے اندر جہاں چاہیں آمدورفت کریں۔ بدقسمتی سے صلح کی قرارداد طے پانے کے بعد عثمان بن حنیف نے اپنے حامیوں کو غیر مسلح ہونے کا حکم دیا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اسی بنا پر لشکرِ جمل نے (عہد نامے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے) رات کے وقت دارالامارہ پر حملہ کر دیا اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کر کے زبردست تشدد کا نشانہ بنایا۔ چونکہ انہیں معلوم تھا کہ عثمان کا بھائی (سہل بن حنیف) مدینہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا نمائندہ ہیں اور عثمان کو قتل کرنے کی صورت میں سہل مدینہ کے اندر طلحہ و زبیر کے گھرانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے انہوں نے عثمان بن حنیف کو قتل کرنے سے اجتناب کیا لیکن عثمان کے چہرے کے بال نوچ لیے اور انہیں شہر سے نکال دیا۔ جب

عثمان ذیقار میں امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو انہیں دیکھ کر امام علیہ السلام کو زبردست دکھ ہوا چنانچہ آپ رو پڑے اور فرمانے لگے:

یا عُثمانُ! بَعَثتُكَ شَیْخاً اَلْحیٰ فرِدُّوْكَ اَمْرَدَ اِلَیَّ اَللّٰهُمَّ اِنّكَ تَعْلمُ اَنَّهُم اجْترَءُوْا عَلیكَ وَاسْتَحلُّوْا حُرُمَاتِكَ اَللّٰهُمَّ اقْتُلْهُمْ بِمَنْ قَتلُوْا مِنْ شِیعَتِیْ وَعَجِّلْ لَهُم النِّقْمَةَ بِمَا صَنعُوْا بِخَلِیْفَتِیْ۔

اے عثمان! جب میں نے تجھے بصرہ بھیجا اس وقت تو ایک باریش عمر رسیدہ شخص تھا لیکن انہوں نے تیری داڑھی اور بال نوچ کر تجھے ایک نوجوان کی شکل میں بھیجا ہے جس کی داڑھی نہ اگی ہو۔

اس کے بعد آپ نے بددعا فرمائی اور کہا:

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ انہوں نے تیری بارگاہ میں گستاخی کی ہے اور تیرے محرمات کو حلال سمجھا ہے۔ اے اللہ! ان کے ہاتھوں میرے جو شیعہ قتل ہوئے ہیں ان کے بدلے انہیں ہلاک کر دے اور انہوں نے میرے نمائندے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کے بدلے ان پر جلد سے جلد عذاب نازل فرما۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۲

مسعودی سے منقول ہے کہ جنگ جمل کے دن علی علیہ السلام رسول اللہ کی سواری پر سوار ہوئے۔ آپ علیہ السلام کسی قسم کا اسلحہ ہاتھ میں اٹھائے بغیر میدان میں آئے اور بلند آواز سے زبیر کو ملاقات کے لئے بلانے لگے۔ زبیر لوہے میں غرق امام سے ملاقات کے

❁ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد۹، صفحہ ۳۲۰ نیز الجمل: صفحہ ۲۸۵ اور مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۳۹۵۔

لئے آئے۔ امام علیہ السلام نے پوچھا:

کس مقصد کے تحت یہاں جمع ہوئے ہو؟

زبیر نے جواب دیا:

ہم نے عثمان کے خون کا حساب چکانے کے لئے قیام کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

عثمان کے خون میں ہم میں سے جس کا زیادہ حصہ ہو اسے خدا ہلاک کر دے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دن جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا تو میں بھی حضور کی خدمت میں پہنچا تھا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا تو میں بھی ہنس دیا۔ تب تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

یا رسول اللہ! علی غرور سے دست بردار نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے جواب دیا:

علی مغرور نہیں ہے۔ کیا تو علی کو دوست رکھتا ہے؟

تو نے کہا تھا:

اللہ کی قسم میں اسے دوست رکھتا ہوں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کی قسم ایک دن آئے گا جب تم علی سے جنگ کرو گے۔ اس وقت تو ظالم اور وہ مظلوم ہو گا۔

اس واقعے کو سن کر زبیر نے حیرانی سے کہا:

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ اللہ کی قسم اگر مجھے رسول کی یہ بات یاد ہوتی تو میں ہرگز یہ اقدام نہ کرتا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اے زبیر! تو اب بھی لوٹ سکتا ہے۔

زبیر نے کہا:

اب میں کیسے لوٹوں جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے گرد گھیرا تنگ کر رکھا ہے اور دونوں جنگ کے لئے تیار ہو چکے ہیں؟ اللہ کی قسم اس وقت میرا میدان چھوڑ کر چلا جانا باعث ننگ و عار ہے جس کا داغ دھونا ممکن نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے زبیر! اس دنیوی ننگ و عار کی پروا نہ کر اور واپس لوٹ جا، قبل اس کے کہ (اخروی) ننگ و عار اور آتش جہنم دونوں ہی تیرا مقدر بنیں۔

زبیر اپنے لشکر کی طرف لوٹ گئے جبکہ ان کی زبان پر کچھ اشعار جاری تھے۔ یہ اشعار زبیر کی ندامت اور دنیوی ننگ و عار کو قبول کرنے کے بارے میں تھے۔ جب زبیر کے فرزند عبداللہ نے باپ کی پشیمانی کا مشاہدہ کیا تو وہ سرگرم عمل ہو گیا اور پوری طاقت سے باپ کو جنگ پر اکسانے لگا۔

عبداللہ نے باپ سے پوچھا:

آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟

زبیر نے کہا:

ابو الحسن نے مجھے ایک بات یاد دلائی ہے جسے میں بھول چکا تھا۔

زبیر کے بیٹے (عبداللہ) نے جواب دیا:

ایسا نہیں بلکہ اللہ کی قسم آپ بنی عبدالمطلب کے سورماؤں کی لمبی اور تیز دھار تلواروں کے خوف سے بھاگنا چاہ رہے ہیں۔

زبیر نے کہا:

اللہ کی قسم میں نہیں ڈرا بلکہ آج مجھے ایک ایسی بات یاد آگئی
جو گردشِ زمانہ کے باعث میرے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔
بنابرایں میں ننگ و عار کو آتش جہنم پر ترجیح دیتا ہوں۔ کیا تو
مجھ پر ڈرپوک ہونے کا الزام لگاتا ہے اور اس طریقے سے
میری سرزنش کرتا ہے؟

زبیر نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ڈرپوک نہیں ہاتھ میں اپنا نیزہ لیا اور امیرالمومنینؑ کے میمنہ پر ایک سخت حملہ کر دیا۔ امامؑ نے اپنے سپاہیوں سے فرمایا:

اس کا ذرا لحاظ کرو کیونکہ اسے اکسایا گیا ہے جس کی وجہ سے
وہ ہیجان زدہ ہو گیا ہے۔

اس کے بعد زبیر نے لشکر امام کے میسرہ پر پھر قلبِ لشکر پر حملہ کیا۔ اس کے بعد لوٹے اور اپنے بیٹے سے کہنے لگے:

کیا ڈرپوک آدمی اس طرح جنگ کر سکتا ہے؟

اس گفتگو کے بعد زبیر آہستہ آہستہ لشکر سے دور ہوتے گئے اور وادی السباع کی طرف روانہ ہوئے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۳

ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں: امیرالمومنینؑ نے محمد کے ہاتھ سے پرچم لے لیا پھر اسے اپنے بائیں ہاتھ میں اور ذوالفقار کو دائیں ہاتھ میں پکڑ کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ آپؑ بصرہ کے لشکر میں گھس گئے اور اس وقت پلٹے جب آپ کی تلوار خمیدہ ہو چکی تھی۔ آپؑ نے اسے اپنے زانو پر رکھا اور سیدھا کیا۔ آپؑ کے اصحاب، بیٹوں، عمار یاسر، اور مالک اشتر نے آپ سے عرض کی: یہ کام ہمارے سپرد کیجئے۔ لیکن امامؑ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ ان کی طرف کن انکھیوں سے بھی نہیں دیکھا اور شیر کی طرح غراتے ہوئے دوبارہ حملہ کر دیا۔ آپؑ نے اپنے سامنے آنے والے سب سپاہیوں

❁ مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۴۰۱۔

کو پراکندہ کر دیا۔ آپؑ لشکرِ بصرہ پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے تھے۔ گویا آپ اپنے اردگرد موجود لوگوں کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ آپ کسی بات یا سوال کا جواب بھی نہیں دے رہے تھے یہاں تک کہ واپس لوٹے اور پرچم اپنے بیٹے محمد کے حوالے کرنے بعد تیسری بار حملہ آور ہوئے۔ آپؑ لشکرِ اعداء کے کافی اندر گھس گئے اور زبردست شمشیرزنی کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے سامنے آنے والے بھاگ رہے تھے اور دائیں بائیں پراکندہ ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین مقتولوں کے خون سے رنگین ہوگئی۔ پھر امام علیہ السلام پلٹے اور بار بار اپنی تلوار کو جو ٹیڑھی ہو چکی تھی اپنے زانو پر رکھ کر سیدھی کرتے رہے۔

اس دفعہ اصحاب نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہنے لگے:

آپ اپنی جان اور اسلام پر رحم فرمائیں کیونکہ اگر آپ قتل ہو جائیں تو دین پر کاری ضرب لگے گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ کی قسم میرا مقصد اللہ کی رضا اور آخرت میں اس کی خصوصی عنایات تک رسائی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے محمد سے فرمایا:

بیٹے! اس طرح حملہ کرنا۔ ❁

مسعودی بھی لکھتے ہیں: جب امام چند بار شدید حملہ کرنے کے بعد اپنے سپاہیوں کے پاس لوٹ آئے تو آپ نے سخت پیاس کی وجہ سے پانی طلب فرمایا۔ آپ کے لئے پانی اور شہد لایا گیا۔ امام علیہ السلام نے شہد کو چکھا اور فرمایا:

یہ شہد طائف کا ہے۔ اس شہر (بصرہ) میں اس قسم کا شہد نہیں ملتا۔

عبداللہ بن جعفر نے سخت تعجب کے عالم میں کہا:

❁ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): جلد ۱، صفحہ ۲۵۷۔

عجیب بات ہے کہ جنگ کی سختیاں بھی آپ کو اس قسم کی معمولی باتوں کی طرف توجہ سے نہ روک سکیں۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

عزیزم! تیرے چچا کے دل میں دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۴

شیخ صدوق کتاب التوحید میں توحید کے بارے میں ایک اعرابی کے سوال کا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

جنگ جمل کے دن ایک اعرابی امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا:

کیا آپ کہتے ہیں کہ اللہ ''واحد'' ہے؟

امامؑ کے پاس موجود لوگوں نے اس اعرابی کی یوں سرزنش کی:

کیا تو نہیں دیکھتا کہ امیرالمومنین جنگ کے حساس ترین مرحلے سے روبرو ہیں؟ کیا یہ اس طرح کے سوالوں کا موقع ہے؟

امیرالمومنینؑ نے اپنے ساتھیوں کو یوں اعتراض کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

دَعُوهُ فَاِنَّ الَّذِیْ یُرِیدُهُ الْاِعْرَابِیُّ هُوَالَّذِیْ نُرِیْدُهُ مِنَ الْقَوْم

اسے آزاد رکھو۔ یہ اعرابی جو سوال کر رہا ہے اسی کی خاطر تو ہم ان لوگوں کے ساتھ یہ جنگ لڑ رہے ہیں۔

اس کے بعد امامؑ نے اعرابی کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

❁ مروج الذہب: جلد۲، صفحہ ۴۰۷۔

جب ہم کہتے ہیں کہ خدا ''واحد'' ہے تو یہاں ''واحد'' کے چار معانی ہیں جن میں سے دو معانی اللہ پر صادق نہیں آتے اور ان دو معانی میں لفظ ''واحد'' کا اللہ پر اطلاق جائز نہیں ہے۔ باقی دو معانی درست ہیں اور اللہ پر صادق آتے ہیں۔

اللہ کے بارے میں ''واحد'' کے جن دو معانی کا استعمال درست نہیں ہے ان میں سے ایک ''واحدِ عددی'' ہے جس کا تعلق اعداد سے ہے کیونکہ ذات خداوندی کا کوئی ''ثانی'' یا ''دوسرا'' نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی کہے: اللہ تین (باپ، بیٹا اور روح القدس جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے) میں سے تیسرا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اللہ پر صادق نہ آنے والا دوسرا مفہوم ''واحدِ نوعی'' ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''انسانوں میں سے ایک انسان۔'' اس سے مراد ''نوعِ انسان'' ہے جو دیگر انواع (مثلا نباتات اور پرندوں) کے مقابلے میں واقع ہوتا ہے۔ یہاں یہ مفہوم اس لئے درست اور جائز نہیں کیونکہ یہ دیگر موجودات کے ساتھ اللہ کی تشبیہ پر مبنی ہے جبکہ اللہ کی ذات دیگر موجودات کے ساتھ شباہت اور تشبیہ سے منزہ ہے۔

اللہ پر منطبق ہونے والا پہلا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی کہے: اللہ ایک ہے تو اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ اکیلا ہے اور موجودات عالم میں اس کا کوئی مشابہ موجود نہیں ہے۔ یہ معنی درست ہے اور ہمارے رب پر صادق آتا ہے۔

''واحد'' کا دوسرا مفہوم جو اللہ کے بارے میں درست ہے یہ ہے کہ اللہ تعالی ایک ایسی اکائی ہے جو کسی صورت قابل تقسیم نہیں ہے۔ وہ نہ اپنے وجود کے لحاظ سے قابل تقسیم ہے اور نہ انسان کی عقل وفکر میں قابل تقسیم ہے۔ واحد کا یہ

مفہوم بھی درست ہے اور ہمارا پروردگار ایسا ہی ''واحد'' ہے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۵

کوفہ میں امیرالمومنین علیہ السلام کے پہلے خطبے کا مکمل متن یہ ہے:

''امابعد، اے اہل کوفہ! تم اسلام کے اندر ایک ایسی فضیلت سے سرافراز ہوئے ہو جو اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے گی جب تک تم اپنی حالت کو خود نہ بدل ڈالو۔ میں نے تم لوگوں کو حق کی حمایت کرنے کی دعوت دی جسے تم نے قبول کیا اور تم منکر کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں اترے۔ بے شک تمہاری فضیلت و برتری تمہارے اور خدا کے مابین ہے۔ رہ گیا احکام اور تقسیم اموال کا مسئلہ تو اس میں تمہیں ان لوگوں کے لئے نمونہ عمل بننا چاہیے جو تمہاری دعوت کو قبول کرتے ہوئے تمہاری روش پر گامزن ہیں۔

جان لو مجھے تمہارے معاملے میں سب سے زیادہ جس بات کا خطرہ ہے وہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اور طولانی آرزوئیں ہیں۔ ہوا و ہوس کی پیروی انسان کو حق سے دور رکھتی ہے جبکہ لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کو ذہن سے محو کرتی ہیں۔ بہ تحقیق دنیا ختم ہو رہی ہے اور لوگوں کی طرف پیٹھ پھیر کر جارہی ہے جبکہ آخرت آرہی ہے اور اس کا رخ لوگوں کی طرف ہے۔

بعض لوگ دنیا کے طرفدار ہیں اور بعض آخرت کے۔ پس تم آخرت کے طرفدار بننے کی کوشش کرو۔ دنیا عمل کی جگہ ہے جہاں حساب نہیں اور آخرت حساب کی جگہ ہے جہاں عمل کی گنجائش نہیں۔ حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے اولیاء کی مدد کی، اپنے دشمنوں کو خوار کیا، حق اور سچائی کے طرفداروں کو عزت بخشی، نیز اہل باطل اور عہد شکنوں کو ذلیل و خوار کیا۔ میں تمہیں تقوائے الٰہی کی نصیحت کرتا ہوں اور تمہارے

❁ توحیدِ صدوق: صفحہ ۸۳۔

رسول کی آل میں سے ان لوگوں کی اطاعت کرنے دعوت دیتا ہوں جو امر الٰہی کے تابع فرمان ہیں۔

اللہ کی اطاعت کرنے والے آلِ رسول کی اطاعت ان لوگوں کی اطاعت سے بہتر اور مناسب تر ہے جو محرماتِ الٰہی کو حلال سمجھتے ہیں اور جھوٹا دعوی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہم سے افضل سمجھتے ہیں، ہماری امامت کے منکر ہیں، ہمارے حق کی مخالفت کرتے ہیں اور ہمیں اس سے محروم رکھتے ہیں۔ بہ تحقیق انہوں نے اپنے کرتوتوں کا تلخ مزہ چکھا ہے۔ عنقریب وہ اخروی بدبختی اور گمراہی سے روبرو ہوں گے۔ جان لو کہ تم میں سے بعض نے میری مدد سے اجتناب کیا ہے۔ میں ان سے ناراض ہوں۔ انہیں اپنے ہاں سے دھتکار دو۔ ان سے وہ بات کہو جو انہیں ناپسند ہو تا کہ انہیں تکلیف پہنچے اور یوں انتشار کے وقت حزب اللہ کی شناخت ہو۔"❁

ضمیمہ نمبر ۳۶

سلیمان بن صرد خزاعی کا شمار رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور امیر المومنین علیہ السلام کے وفادار ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ سلیمان کی صرف یہ کمزوری نقل ہوئی ہے کہ اس نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی البتہ بعد میں سلیمان نے اپنے مثبت طرزِ عمل کے ذریعے اس کمزوری کا ازالہ کیا۔ سلیمان نے جنگ صفین میں بھرپور شرکت کی اور میمنہ کے پیدل دستے کی قیادت سنبھالی۔

تحکیم کے نہایت تلخ اور ناگوار واقعے میں سلیمان نے زبردست مقاومت کا ثبوت دیا۔ وہ سخت مضروب ہوئے لیکن اسی حالت میں امام علیہ السلام سے عرض کرنے لگے: اگر میری مدد کرنے والے موجود ہوتے تو میں حکمیت کو آپ کے اوپر ٹھونسنے کی اجازت نہ دیتا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد سلیمان نے امام حسن علیہ السلام کا ساتھ دیا۔

❁ وقعة صفینوقعة صفین: صفحہ ۳۔

امیر معاویہ کی موت کے بعد جن لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے اور کوفہ آنے کی دعوت دی ان میں سلیمان بھی شامل تھے لیکن بعض مشکلات کی وجہ سے وہ کربلا میں حاضر نہ ہو سکے۔ واقعہ کربلا کے بعد سلیمان نے توابین کی عظیم تحریک چلائی اور اسی راہ میں شہادت پائی۔ جنگ جمل کے بعد جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ تشریف لائے تو آپؑ نے شہر کے چند روساء کی سرزنش کی جنہوں نے جنگ میں آپ کے ساتھ شرکت نہیں کی تھی۔ ان میں سے ایک سلیمان تھے۔ جب سلیمان بن صرد امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے تو امامؑ نے عتاب آلود لہجے میں فرمایا:

اِرْتَبتَ وَتَرَبَّصْتَ وَراوَغْتَ وَقَد كُنْتَ مِنْ اَوْثَقِ النَّاسِ فِيْ نَفسِيْ وَاَسْرَعِهِمْ فِيْ مَااَظُنُّ اِلىٰ نُصرَتِيْ فَمَا قَعَدَ بِكَ عَنْ اَهلِ بَيْتِ نَبِيِّكَ وَما زَهدَكَ فِي نَصْرِهِم؟

تو شک و تردد، جنگ سے پہلوتہی اور دوسری طرف میلان کا مرتکب ہوا، جبکہ میرا خیال تھا کہ تو سب لوگوں سے زیادہ میرا وفادار ہے اور سب سے پہلے میری مدد کو آئے گا۔ تو نے کس بنا پر اپنے نبی کی آل کا ساتھ نہیں دیا اور ان کی نصرت سے پہلوتہی کی؟

سلیمان عرض پرداز ہوا:

یا امیر المومنین! جو گزر چکا اس سے درگزر فرمائیں اور جو ہو چکا ہے اس پر میری سرزنش نہ فرمائیں۔ یقین کیجئے کہ میں آپ کا محبّ اور وفادار ہوں۔ میں آپ کے برخلاف کوئی اقدام نہیں کروں گا۔ آگے اور بھی مراحل آئیں گے جن میں آپ کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔ (اور آپ کے ساتھ میرا اخلاص ثابت ہو جائے گا۔)

امیر المومنین علیہ السلام خاموش ہوئے۔ سلیمان تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے پھر اٹھ کر

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پاس چلے گئے جو مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

سلیمان نے امام حسن علیہ السلام سے عرض کی:

کیا آپ کو یہ سن کر تعجب نہیں ہوتا کہ آج امیرالمومنین نے میری سرزنش کی؟

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

سرزنش اور شکایت ان لوگوں کی ہوتی ہے جن سے محبت اور خیرخواہی کی امید ہوتی ہے۔

سلیمان بن صرد نے مزید کہا:

مستقبل میں ہمیں ایسے کٹھن مراحل درپیش ہیں جن سے نمٹنے کے لئے تلواریں نیام سے باہر آئیں گی اور نیزے اپنے نشانوں کی طرف جانے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ ان مواقع پر میری طرح کے افراد کی ضرورت پڑے گی۔ آپ ان موقعوں پر میری خیرخواہی کا مشاہدہ کریں گے۔ میری آج کی شکایت کو بھی بے مہری پر حمل نہ فرمائیں اور مجھے مورد الزام نہ ٹھہرائیں۔

امام مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

خدا تجھ پر رحم کرے۔ مطمئن رہو کہ تمہارے بارے میں ہمارا نقطہ نظر منفی نہیں ہے اور ہم تجھے موردِ الزام نہیں ٹھہراتے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۷

امیر معاویہ کو شام کی گورنری پر باقی رکھنے کا مشورہ دینے والوں میں سے ایک مغیرہ بن شعبہ تھا۔ اس نے امام علیہ السلام سے کہا:

آپ معاویہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسے

❁ وقعۃ الصفین: صفحہ ۶۔

سابقہ حکمرانوں نے شام کا والی بنایا تھا۔ (یعنی معاویہ کے غلط کاموں کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔) میری تجویز یہ ہے کہ آپ اسے شام کی گورنری برقرار رکھیں یہاں تک کہ حکومت کے معاملات سلجھ جائیں اور نظام حکومت مضبوط ہو جائے۔ اس کے بعد آپ معاویہ کو معزول کر سکتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اَتَضْمَنُ لِیْ عُمْرِیْ یا مُغیْرَۃُ فِیْمَا بَیْنَ تو لِیَتِهِ اِلیٰ خَلْعِهِ؟

اے مغیرہ! کیا تم ضمانت دیتے ہو کہ میں معاویہ کو برقرار رکھنے سے لے کر معزول کرنے تک زندہ بھی رہوں گا؟

مغیرہ نے کہا:

''میں ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا:

لَا یَسْئَلُنِیْ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَن تَولِیَتِهِ عَلیٰ رَجُلَین مِنَ الْمُسْلِمِینَ لَیْلَةً سَوْدَآء ابَداً "وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُداً" لٰکِنْ ابعثُ اِلَیْهِ وَاَدْعُوْهُ اِلیٰ مَا فِیْ یَدِیْ مِنَ الْحَقِّ، فَاِنْ اَجابَ فَرَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ، لَهُ مَا لَهُمْ وَعَلَیْهِ مَا عَلَیْهِمْ، وَاِنْ اَبیٰ حَاکَمْتُهُ اِلَی اللّٰهِ۔

یعنی میں ایسا طرز عمل اختیار کروں گا کہ معاویہ کو حاکم بنانے کے جرم میں اللہ مجھ سے مواخذہ نہ کرے، اگرچہ اس کی حکمرانی ایک تاریک رات کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور وہ بھی صرف دو افراد پر۔ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناؤں گا۔ (سورہ کہف آیت ۵۱)

میں پہلی فرصت میں ہی معاویہ کے پاس کسی کو بھیجوں گا اور اسے اس حق کی طرف دعوت دوں گا جو میرے قبضے میں ہے۔ پس اگر وہ مثبت جواب دے تو اس کے ساتھ ایک عام مسلمان کا سا سلوک کیا جائے گا۔ اس کا فائدہ اور نقصان عام مسلمانوں جیسا ہو گا۔ لیکن اگر وہ انکار کرے تو میں اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کروں گا اور اپنی شرعی ذمہ داری ادا کروں گا۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۸

زیاد بن ابیہ کی ماں سمیّہ تھی۔ سمیہ عرب کی ایک بدکار عورت تھی۔ زیاد مدتوں تک بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کا پھر عبداللہ بن عامر کا اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس کے عہد میں عبداللہ کا کاتب رہا۔ مغیرہ نے ایک عرصے تک ابن عباس کے جانشین کے طور پر بصرہ میں کام کیا۔ جن دنوں زیاد بن ابیہ بصرہ میں ابن عباس کا جانشین تھا اس نے ایک ناشائستہ کام انجام دیا جس پر امیر المومنین علیہ السلام نے اس کی توبیخ فرمائی۔ ۳۹ ہجری میں ابن حضرمی کے قتل کے بعد بصرہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف برپا ہو گیا اور کچھ لوگوں نے علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت بپا کر دی۔ اس دوران فارس اور کرمان والوں نے بھی ٹیکس نہ دینے کا سوچا اور اپنے عاملوں کو نکال دیا۔

امام علی علیہ السلام نے اپنے قریبی لوگوں سے مشورہ کیا تاکہ سیاست سے آگاہ اور انتظامی صلاحیتوں کے حامل شخص کا انتخاب کیا جائے۔ ابن عباس نے فارس کی حکومت کے لئے زیاد کا نام پیش کیا اور جاریہ بن قدامہ نے اس تجویز کی حمایت کی۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے زیاد کو بہت سے سپاہیوں کے ہمراہ ابن عباس کے تعاون سے صوبہ فارس بھیجا۔ زیاد نے یہ مہم بہت کامیابی کے ساتھ سر کی۔ وہ فارس اور کرمان میں امن و امان بحال کرنے

❁ دیکھئے امالی طوسی: مجلس ۳، حدیث ۴۲، صفحہ ۸۷۔

میں کامیاب ہوا۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے زیاد کو اپنا حامی بنانے کی ٹھانی اور اسے اپنا بھائی یعنی ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا نیز اس کا نام باقاعدہ طور پر ''زیاد ابن ابی سفیان'' رکھا۔ (کیونکہ زیاد کا والد مجہول تھا اور وہ ناجائز اولاد محسوب ہوتا تھا۔) یہ نئی صورتحال اس کے لئے بہت اہم تھی۔ اس کے بعد زیاد نے معاویہ کے ایک عامل کی حیثیت سے شیعیان علی کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا اور ان پر بے شمار مظالم ڈھائے۔ بصرہ و کوفہ کا حاکم بننے کے بعد اس نے امیر المومنینؑ کے مددگاروں کا قلع قمع کیا کیونکہ وہ انہیں خوب پہچانتا تھا۔ بعد میں امام حسن مجتبیٰؑ کی بددعا کے نتیجے میں زیاد مر گیا۔ زیاد ابن ابیہ امام حسینؑ کے قاتل عبیداللہ کا باپ تھا۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۳۹

وقعۃ صفین نامی کتاب میں مرقوم ہے: جب شامی سپاہیوں نے نیزوں پر قرآنوں کو بلند کیا اور امیر المومنینؑ کے لشکر کو قرآن کے مطابق صلح کی دعوت دی تو امام کے طرفداروں میں اختلاف پڑ گیا۔ کچھ لوگوں نے چلا کر کہا:

ہم جنگ جاری رکھیں گے۔

لیکن اکثر لوگوں نے شور مچایا:

ہم قرآن کے فیصلے کو قبول کریں گے اور ہمارے لئے جنگ جائز نہیں کیونکہ ہمیں قرآن کو ثالث بنانے کی دعوت دی گئی ہے۔

ہر طرف سے آواز آنے لگی:

ہم جنگ بندی کرتے ہیں اور صلح قبول کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنے لشکر سے یوں خطاب فرمایا:

❁ دیکھئے: سیمای کارگزاران علی ابن ابی طالب: جلد ۱، صفحہ ۳۷۳۔

لوگو! قرآن کا حکم تم سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے لیکن جان لو کہ معاویہ، عمرو عاص اور ابو معیط کا بیٹا دین کے حامی اور قرآن کے حمایتی نہیں ہیں۔

میں تم سے زیادہ انہیں پہچانتا ہوں۔ میں بچپن سے لے کر بڑی عمر تک ان کے ساتھ رہا ہوں۔ یہ لوگ بچپن سے لے کر عمر رسیدہ ہونے تک بدترین افراد میں شامل رہے ہیں۔ ان کی طرف سے قرآن کے حکم کو تسلیم کرنے کا مطالبہ بذاتِ خود ایک برحق بات ہے لیکن ان کا ارادہ غلط ہے۔

نیزوں پر قرآن کو بلند کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن کو پہچانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ وہ اس بہانے لوگوں کو دھوکہ دینا، اپنی جال میں پھنسانا اور تمہارے ارادوں کو کمزور بنانا چاہتے ہیں۔ اگر تم گھڑی بھر لے لئے اپنے بازو اور اپنی کھوپڑیاں میرے حوالے کر دو تو حق اپنی جگہ مستقر ہو گا اور ظالموں کا قطعی خاتمہ ہو گا۔

اس موقع پر بیس ہزار سپاہیوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کو گھیر لیا۔ انہوں نے آپ کو امیرالمومنین کے نام سے یاد کرنے کی بجائے نہایت گستاخی کے ساتھ بلند آواز میں کہا:

اے علی! ان لوگوں نے تمہیں کتاب خدا کو ثالث بنانے کی دعوت دی ہے۔ اسے قبول کرو وگرنہ ہم تمہیں اس طرح قتل کر دیں گے جس طرح ہم نے عثمان کو قتل کیا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وائے ہو تم پر! کیا مجھے قرآن کی ثالثی منظور نہیں؟ میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قرآن پر ایمان لایا تھا۔ سب سے پہلے میں نے ہی لوگوں کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی۔ پھر

اب میں قرآن کو قبول کیوں نہ کروں؟ میں معاویہ اوراہل
شام کے ساتھ جنگ کررہا ہوں تا کہ وہ کتابِ خداوندی پر
ایمان لے آئیں۔ میں نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ ان کی اس
تجویز کا مقصد تمہیں دھوکہ دینا ہے، قرآن پر عمل کرنا نہیں۔

سپاہیوں نے امام علیہ السلام کے فرمان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا بلکہ یہ مطالبہ کیا کہ امامؑ مالک اشتر کو جنگ سے روکنے کے لئے کسی شخص کو روانہ کریں۔ یہ مطالبہ اس وقت کیا گیا جب مالک اشتر لیلۃ الہریر کے دن شامی لشکر پر غالب آچکے تھے اور تھوڑی دیر میں امیر معاویہ کے خیمے میں داخل ہونے والے ہی تھے یعنی فتح سامنے نظر آرہی تھی۔

امام علیہ السلام نے مجبوراً مالک اشتر کو واپسی کا حکم دیا۔ مالک خونِ دل پیتے ہوئے واپس لوٹے۔ امام علیہ السلام کو قرآن کی ثالثی قبول کرنے کی دعوت دینے والوں اور مالک کے درمیان نزاع ہوا لیکن جب ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں تو امام نے حکمیت (ثالثی) قبول کر لی۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۴۰

حکمیت (ثالثی) کی مہلت ختم ہونے کے بعد ابو موسیٰ اشعری (امام کا ناخواستہ نمائندہ) اور عمرو عاص (امیر معاویہ کا نمائندہ) دومۃ الجندل میں حاضر ہوئے تاکہ باہمی مشورے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کریں۔

مذاکرات کے دوران عمرو بن عاص مسلسل کوشش کرتا رہا کہ ابو موسیٰ اشعری کو ہر کام میں مقدم رکھے اور یوں اس کا اعتماد حاصل کرے۔ عمرو بن عاص نے بہت کوشش کی کہ ابو موسیٰ اشعری کو معاویہ کی خلافت کا طرفدار بنائے لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ ابو موسیٰ عبداللہ بن عمر کی خلافت کا خواہاں تھا۔

آخرکار ان دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر معاویہ اور امام علی علیہ السلام دونوں کو خلافت

❁ وقعة صفين: صفحہ ۴۸۹۔

سے معزول کیا جائے اور خلیفہ معین کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کی بزرگ شخصیات پر مشتمل ایک شوریٰ کے حوالے کی جائے۔

ثالثوں کے فیصلے کا اعلان کرتے وقت عمرو عاص نے خاص زیرکی اور عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو موسیٰ اشعری کو مقدم رکھا اور بڑے احترام کے ساتھ اسے منبر پر بھیجا تاکہ وہ اپنے نقطہ نظر کا پہلے اعلان کردے۔ ابو موسیٰ اشعری نے منبر پر چڑھ کر اعلان کیا:

> میرا اور عمرو عاص کا یہ فیصلہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ دونوں کو خلافت سے معزول کردیں اور خلیفہ کی تعیین کی ذمہ داری مسلمانوں کی ایک شوریٰ کو سونپ دیں تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق مسلمانوں کے لئے خلیفہ معین کرے۔
>
> بنابریں میں علی اور معاویہ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ اب آپ لوگ جلدی سے شوریٰ کے ان اراکین کا انتخاب عمل میں لائیں جو اس کام کے اہل ہوں۔

ابو موسیٰ اشعری کے بعد عمرو بن عاص منبر پر چڑھا اور بولا:

> آپ نے علی ابن ابی طالب کے نمائندے کی بات سنی۔ اس نے علی کو خلافت سے معزول کر دیا۔ میں بھی ابو موسیٰ اشعری کی طرح علی کو خلافت سے معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو مسلمانوں کی خلافت کے عہدے پر منصوب کرتا ہوں کیونکہ وہ عثمان کی طرف سے اس عہدے پر منصوب ہوا ہے نیز وہ عثمان کے خون کا وارث ہے۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کی خلافت کی اہلیت رکھتا ہے۔

عمرو بن عاص کے اعلان کے بعد فریقین کے درمیان لڑائی ہوئی اور ابو موسیٰ مکہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ یوں تحکیم کا مسئلہ کسی نتیجے کے بغیر ختم ہوگیا۔ ❁

❁ تاریخ طبری: جلد۴، صفحہ ۵۱۔

جب امیرالمومنین کو ثالثوں کے واقعے کی خبریں ملیں تو آپ نے فرمایا:

حمد و ثنا صرف اللہ کے لئے ہے اگرچہ زمانے نے سنگین حوادث اور عظیم واقعات کو جنم دیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے یگانہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے ساتھ کوئی نہیں جو عبادت کے لائق ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہے۔

اما بعد: شفیق، دانا اور تجربہ کار ناصح کے حکم سے سرتابی حسرت و ندامت اور پشیمانی کو جنم دیتی ہے۔ میں نے حکمیت کے بارے میں اپنا فرمان تمہیں سنایا اور اپنا خالص نقطہ نظر تمہارے سامنے رکھا۔ اے کاش کہ ''قصیر'' کے حکم کی تعمیل کی جاتی لیکن تم لوگوں نے جفا کار، نافرمان اور عہد شکن معاندین کی طرح (میرے نقطہ نظر کی) مخالفت کی۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ نصیحت کرنے والے کو اپنی نصیحت کے بارے میں شک و تردد کا گمان گزرنے لگا اور اس نے نصیحت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ میری اور تمہاری مثال بنی ہوازن کے اس شاعر کی طرح ہے جس نے کہا تھا:

میں نے منعرج اللّوی کی سرزمین میں تمہیں اپنے حکم سے آگاہ کیا (اور تم نے میری اس نصیحت پر عمل نہیں کیا) لیکن میری یہ نصیحت دوسرے دن ظہر کے وقت صحیح ثابت ہوئی۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۴۱

❁ نہج البلاغہ: خطبہ ۳۵، صفحہ ۸۰۔

ابن ابی الحدید رقمطراز ہے: معاویہ نے شام، عراق اور دوسرے مقامات پر لوگوں کو حکم دیا کہ وہ علی پر سب وشتم کریں اور آپ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اس حکم کے بعد عالم اسلام کے تمام منبروں سے علی پر لعن کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ کام بنی مروان اور بنی امیہ کے دور میں عام معمول بن گیا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز برسراقتدار آئے اور انہوں نے اس قبیح رسم کو ختم کیا۔ معاویہ نماز جمعہ کے خطبے کے آخر میں یوں کہا کرتے تھے:

> پروردگارا! بہ تحقیق ابو تراب تیرے دین میں کفر کا مرتکب ہوا۔ اس نے لوگوں کو تیرے دین سے باز رکھا۔ خدایا تو اس پر سخت لعنت فرما اور اسے دردناک عذاب سے دوچار فرما۔

معاویہ نے یہی جملے تحریری شکل میں تمام مسلمان علاقوں میں بھیج دیے تھے۔ عمر بن عبد العزیز کے دور تک تمام منبروں سے یہی الفاظ دہرائے جاتے رہے۔ بنی امیہ کے بعض لوگوں نے معاویہ سے کہا:

> اے امیرالمومنین! آپ اپنے مقصود کو پا چکے ہیں۔ اب مناسب ہے کہ اس مرد پر لعن کا سلسلہ بند کیا جائے۔

معاویہ نے کہا:

> نہیں، اللہ کی قسم میں اس کام سے دست بردار نہیں ہوں گا یہاں تک کہ بچے اس شخص پر سب وشتم کی فضا میں پروان چڑھیں اور سالخوردہ لوگ اسی ماحول میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جائیں نیز کوئی شخص اس کی کوئی فضیلت نقل نہ کرے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۴۲

جب حکمیت کی قرارداد لکھی جا چکی اور دونوں لشکروں کی طرف سے اس پر

❁ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد۴، صفحہ۵۶۔

گواہوں نے دستخط کر دیے اور دونوں لشکروں کو اس کا مضمون پڑھ کر سنایا جا چکا تو اُن خوارج کو جو امام علیہ السلام کے اوپر تحکیم قبول کرنے کے لئے دباؤ ڈالنے میں مرکزی کردار ادا کر چکے تھے اپنی عظیم غلطی کا احساس ہوا اور پشیمانی ہوئی۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ تحکیم کی قرارداد کو توڑ دیں۔ وہ امام علیہ السلام کے لشکر میں جگہ جگہ " لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ " کا نعرہ لگانے ور اعلان کرنے لگے کہ ہم اللہ کے واضح حکم کے مقابلے میں بعض افراد کو کوئی دوسرا حکم صادر کرنے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ معاویہ اور اس کے حامیوں کے بارے میں اللہ کا حکم مکمل طور پر واضح اور روشن ہے۔ ان کے سامنے صرف دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری حکومت کو قبول کریں اور دوسری یہ کہ قتل ہو جائیں۔

خوارج نے امام علیہ السلام پر ثالثی قبول کرنے کے لئے جو دباؤ ڈالا تھا اس کی توجیہہ وہ یوں پیش کرنے لگے:

> حکمیت کو قبول کرنے کے مسئلے میں ہم غلطی اور اشتباہ کا شکار ہوئے تھے۔ اب ہم اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی لغزش کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے نہایت گستاخی اور بے شرمی کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام سے کہا:

> تم بھی توبہ کرو اور حکمیت کو باطل قرار دو وگرنہ ہم تم سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور ہمارا تمہارا راستہ جدا ہو جائے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

> وَیْحَکُمْ بَعْدَ الرِّضَا وَالعَھْدِ وَالمِیْثَاقِ اَرْجِعُ ؟ اَوَ لَیْسَ اللّٰہُ یَقُوْلُ وَاَوْفُوا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّم وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِ ھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُم کَفِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ
>
> وائے ہو تم پر! کیا میں (ان کے ساتھ) عہد و پیمان باندھنے

اور اس پر راضی ہونے کے بعد بدعہدی کروں؟ کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا: جب تم خدا کے ساتھ عہد کرو تو اسے پورا کیا کرو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد اور اللہ کو اپنی قسموں کا ضامن قرار دینے کے بعد قسموں کو نہ توڑو، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے؟ ۞

خوارج نے امام علیہ السلام کی اس مضبوط دلیل کا صرف یہ جواب دیا کہ انہوں نے آپ سے بیزاری کا اعلان کیا اور آپ کو مشرک قرار دیا۔ ۞

ضمیمہ نمبر ۴۳

ہجرت کے دسویں سال قبیلہ کندہ کے کچھ لوگ اشعث بن قیس کی سرکردگی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے اور مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوبکر کے دور میں اشعث مرتد ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا۔ خلیفہ نے اسے بخش دیا اور اپنی بہن ام فروہ جس کی ایک آنکھ نابینا تھی اس کے ساتھ بیاہ دی۔ اس شادی کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ یہ محمد کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں سے ایک ہے۔

امام صادق علیہ السلام اشعث اور اس کے خاندان کے بارے میں فرماتے ہیں:

اشعث بن قیس امیر المومنین کو شہید کرنے میں سہیم تھا۔

اشعث کی بیٹی جعدہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اور اس کے بیٹے محمد کا امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے میں ہاتھ تھا۔ ۞ حضرت عثمان کے عہد میں اشعث کو آذربائیجان کا گورنر بنایا گیا۔ خلیفہ آذربائیجان کی آمدنی سے ہر سال ایک لاکھ درہم اشعث کو بخشتے تھے۔ ۞

۞ سورہ نحل: آیت ۹۱۔

۞ وقعة صفین: صفحہ ۵۱۷۔

۞ روضہ کافی: صفحہ ۱۶۷، روایت نمبر ۱۸۷۔

۞ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: جلد ۳، صفحہ ۱۴۵۔

امیر المومنینؑ نے حکومت سنبھالنے کے بعد اشعث کو ایک خط لکھا اور بتایا کہ حکومت ایک تر نوالہ نہیں بلکہ ایک امانت ہے اور تمام سرکاری عمال اس بارے میں مسلمانوں کے رہبر کے آگے جوابدہ ہیں اور اس اصول کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔ ۞ اشعث نے امامؑ کا خط دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا:

اس خط نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آذربائیجان کے اموال مجھ سے واپس لئے جائیں گے۔ اس لئے میں معاویہ کے ساتھ ملحق ہونا چاہتا ہوں۔

اشعث کے دوستوں نے کہا:

تیرے لیے معاویہ کے پاس جانے سے مرنا بہتر ہے۔ کیا تم اپنے شہر اور قبیلے کو چھوڑ کر شامیوں کا طفیلی بن جاؤ گے؟ ۞

جب امامؑ کو اس بات کا علم ہوا کہ اشعث معاویہ سے جا ملنا چاہتا ہے تو آپ نے اسے ایک اور خط لکھا جسے حجر بن عدی کے ساتھ روانہ فرمایا۔ آپ نے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اشعث اور اس کے پاس موجود اموال کو کوفہ منتقل کیا جائے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

امیرالمومنین کی خلافت کے دوران اشعث منافقین میں شامل رہا۔ امیرالمومنین کے اصحاب میں اشعث کا وہی کردار رہا جو رسول اللہ کے اصحاب کے درمیان عبداللہ بن ابی کا۔ دونوں ہی اپنے اپنے زمانے میں منافقین کے سردار تھے۔ امیرالمومنین کے دورِ خلافت میں وقوع پذیر ہونے والی ہر سازش اور خیانت کا سرچشمہ اشعث تھا۔ ۞

اشعث جاہ و مقام اور اقتدار کا پجاری تھا۔ اسی لئے وہ خوب سعی کرتا تھا کہ

۞ نہج البلاغہ: مکتوب نمبر ۵، صفحہ ۳۶۶۔

۞ وقعة صفین: صفحہ ۲۱۔

۞ شرح ابن ابی الحدید: جلد ۱، صفحہ ۲۹۷۔

امام کی توجہ حاصل کرے اور اپنی حیثیت بنائے۔ اشعث نے بطور ہدیہ امام علیہ السلام کو رشوت پیش کرنے کی کوشش کی تھی اور امام علیہ السلام نے اپنی ایک گفتگو میں اس جانب یوں اشارہ کیا تھا:

وَاَعْجَبُ مِنْ ذالِكَ طارقٌ طرقنا.... ❁

جنگ صفین میں تحکیم کے فتنے کا اصلی محرک اور اسے جبراً منوانے کی راہ ہموار کرنے والا اشعث ہی تھا۔ امام علیہ السلام کے دیگر ساتھیوں کے برخلاف اشعث نے جنگ بندی اور شامیوں کی دعوت قبول کرنے کا نعرہ لگایا۔ اشعث نے ان گروہوں کو امام علیہ السلام کے خلاف اکسایا جو بعد میں خوارج کے نام سے معروف ہوئے۔ پھر اس نے حکمیت کے لئے امام علیہ السلام کے نمائندے کی تعیین کے موقع پر ان افراد کی سب سے زیادہ مخالفت کی جنہیں امام علیہ السلام نے معین فرمایا تھا اور امام علیہ السلام کی مرضی کے خلاف ابوموسیٰ اشعری کو نمائندہ بنانے پر آپؑ کو مجبور کیا جبکہ ابوموسیٰ امام علیہ السلام کا مخالف تھا۔

اگرچہ فرقۂ خوارج کو وجود میں لانے اور خوارج کے فتنے کو شعلہ ور کرنے میں اشعث کا بنیادی کردار تھا لیکن وہ بظاہر اپنے آپ کو امام علیہ السلام کا سپاہی ظاہر کرتا تھا یہاں تک کہ خوارج کے ساتھ جنگ میں بھی وہ امام علیہ السلام کے لشکر میں شامل رہا۔ جنگ نہروان کے بعد اشعث ایک بڑی خیانت کا مرتکب ہوا۔ اس نے امام علیہ السلام کے لشکر کو شام کی طرف روانہ ہونے اور معاویہ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے روکا۔ یوں وہ امام علیہ السلام کے لشکر کو پراکندہ کرنے نیز امام اور آپ کے ساتھیوں کو کوفہ واپس لوٹنے پر مجبور کرنے کا موجب بنا۔ یقیناً امام علیہ السلام کے قتل میں بھی اشعث کا ہاتھ تھا۔ وہ اس کام کے لئے ابن ملجم اور اس کے ساتھیوں کی ترغیب وتشویق میں بھی سہیم تھا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے چالیس دن بعد اشعث مر گیا۔

ضمیمہ نمبر ۴۴

❁ نہج البلاغہ: خطبہ ۲۲۴، صفحہ ۳۴۷۔

عبداللہ بن خباب امیرالمومنینؑ کی طرف سے نہروان کا والی تھا۔ خوارج نے نہروان کے آس پاس جمع ہونے کے بعد عبداللہ اور اس کی بیوی کو گرفتار کیا۔ عبداللہ کی بیوی حاملہ تھی اور وہ جلد ہی بچہ جننے والی تھی۔ خوارج نے حضرت ابوبکر اور عمر کے بارے میں عبداللہ سے کچھ سوالات پوچھے۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ تحکیم سے پہلے اور تحکیم کے بعد امیرالمومنین کے بارے میں اس کا نقطہ نظر کیا ہے؟

عبداللہ نے جواب دیا:

میرا عقیدہ یہ ہے کہ علی تم سے بہتر خدا کو پہچانتا ہے نیز وہ اپنے دین کے بارے میں زیادہ بصیرت رکھتا ہے اور کامل احتیاط برتتا ہے۔

خوارج نے کہا:

تو خواہشاتِ نفسانی کا پیروکار ہے۔ تو لوگوں کو ان کے کردار کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ناموں کی وجہ سے چاہتا ہے۔ اللہ کی قسم ہم تمہیں اس طریقے سے قتل کریں گے جس طریقے سے ہم نے کسی اور کو نہ مارا ہو۔

انہوں نے عبداللہ کے کندھوں کو باندھا، اسے دریا کے کنارے لٹایا اور اس کا سر کاٹ لیا پھر اس کی بیوی کے پاس گئے۔

عبداللہ کی بیوی نے کہا:

میں عورت ہوں۔ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

لیکن خوارج نے اس کا پیٹ چاک کر دیا اور اس کے بچے کو ماں کے ساتھ ہی قتل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مزید تین عورتوں کو قتل کر دیا جن میں سے ایک امِ سنان صیداوی تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا۔ جب یہ خبر امیرالمومنینؑ کو ملی تو آپ نے حارث بن مرہ عبدی کو اس مسئلے کی تحقیق پر مامور کیا لیکن جونہی حارث خوارج کے پاس پہنچا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ۞

۞ تاریخ طبری: جلد ۴، صفحہ ۶۰۔

ضمیمہ نمبر ۴۵

خوارج عبداللہ بن خباب کو قتل کرنے کے لئے نہر کے کنارے لے آئے۔ انہوں نے اسے کھجور کے ایک درخت کے نیچے ٹھہرایا۔ درخت پر پھل لگے تھے۔ ایک خرما زمین پر گرا۔ کسی خارجی نے وہ خرما اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ دیا۔ ایک اور خارجی نے غصے سے کہا:

خرما کی قیمت ادا کئے بغیر اسے کھاتے ہو؟

اس نے خرما منہ سے نکال پھینکا۔ اتنے میں کسی ذمی کا سؤر وہاں سے گزرا۔ ایک خارجی نے اپنی تلوار سے اس سؤر کو قتل کر دیا۔ اس کے دوستوں نے اعتراض کیا:

تیرا یہ عمل "فَسَاد فِی الاَرْض" کا مصداق ہے۔

سؤر کا قاتل سؤر کے مالک کے پاس گیا اور اسے راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ عبداللہ نے ان کے طرزِ عمل کو دیکھ کر کہا:

اگر تمہارا یہ طرزِ عمل جو میں دیکھ چکا ہوں درست ہو تو مجھے تم سے کوئی خوف نہیں ہے۔ لیکن خوارج نے انتہائی سنگدلی کے ساتھ عبداللہ بن خباب کو اس کی بیوی کے ساتھ شہید کر دیا۔ ❀

ضمیمہ نمبر ۴۶

امیر المومنین علیہ السلام نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے لشکر کو معاویہ کے ساتھ جنگ کے لئے شام کی طرف حرکت دیں گے لیکن جب آپؑ کو عبداللہ بن خباب اور اس کی بیوی کے قتل ہونے کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ خوارج نے لوگوں کو ستانے کی کاروائیوں میں اضافہ کر دیا ہے تو آپؑ نے مجبوراً حارث بن مرہ کو مامور کیا کہ وہ خوارج کی صورتحال کے بارے میں ایک جامع رپورٹ تیار کرے لیکن خوارج نے حارث کو بھی

❀ تاریخ طبری: جلد۴، صفحہ۶۱۔

قتل کر دیا۔ اس خبر نے امام علیہ السلام کے لشکر کو مزید خشمناک کر دیا۔

بہت سے لوگوں نے امام علیہ السلام سے عرض کی:

یا امیر المومنین! آپ ان لوگوں کو کیسے آزاد چھوڑ رہے ہیں؟ ہمارے شام جانے کے بعد یہ لوگ ہمارے گھروں کے امن وسکون کے لئے خطرہ بنیں گے اور ہمارے اموال کو لوٹ لیں گے۔ اجازت دیجئے کہ ہم پہلے اس گروہ سے نمٹ لیں اور ان کا حساب چکانے کے بعد اپنے اصلی دشمنوں کے پیچھے شام کی طرف بڑھیں۔

جب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کا عمومی عزم دیکھا تو خوارج کی کاروائیوں کے بارے میں ملنے والی خبروں کی روشنی میں اپنے سپاہیوں کی درخواست قبول کر لی۔ چنانچہ آپ نے شام کی بجائے اپنا رخ نہروان کی طرف موڑ لیا۔ ❋

ضمیمہ نمبر ۴۷

امام علیہ السلام نے حضرت ابو ایوب انصاری کو حکم دیا کہ وہ امان کا پرچم نصب کریں اور خوارج کو اطلاع دیں کہ جو شخص اس پرچم کے نیچے آجائے اسے امان حاصل ہو گا۔

حضرت ابو ایوب نے پرچم لہرایا اور پکار کر خوارج سے کہا:

تم میں سے جو شخص اس پرچم کے نیچے آجائے اسے امان حاصل ہو گا اور کچھ نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ اس نے کسی کو قتل نہ کیا ہو اور اس کا ہاتھ کسی مسلمان کے خون میں ملوث نہ ہوا ہو۔ اسی طرح جو شخص کوفہ لوٹ جائے یا مدائن چلا جائے یا اس گروہ سے جدا ہو جائے اسے بھی امان حاصل ہو گا کیونکہ ہم صرف ان لوگوں تک پہنچنا چاہتے ہیں جنہوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ باقی لوگوں سے ہمارا کوئی سروکار نہیں

❋ تاریخ طبری: جلد ۴، صفحہ ۶۱۔

ہے۔

ابو ایوب انصاری کے اعلان کے بعد خوارج کے لشکر میں زبردست شکوک و شبہات پھیل گئے۔ خوارج کے ایک سردار فروہ بن نوفل نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

> اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ ہم کس لئے علی ابن ابی طالب سے جنگ کر رہے ہیں۔ ابھی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس لشکر سے جدا ہو کر مزید غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ علی کے ساتھ لڑنے یا اس کی پیروی کرنے کے بارے میں مطلوبہ بصیرت حاصل ہو جائے۔

وہ خوارج کے پانچسو سواروں کے ساتھ ان کے لشکر سے جدا ہو گیا۔ اس گروہ کے بعد بہت سے دیگر لوگ بھی کوفہ کی طرف چلے گئے جبکہ سو افراد امام علیہ السلام کے لشکر سے آملے۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۴۸

عبداللہ بن وہب راسبی خوارج کے لشکر کا کمانڈر تھا۔ اس نے میدان کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا:

> اے فرزند ابوطالب! کب تک لڑتے رہو گے؟ اللہ کی قسم ہم اس میدان کو کبھی نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہم تیرے اوپر غالب آجائیں۔ پس بہتر ہے کہ جنگ سے لوگوں کی جان بخشی کراؤ اور جلد سے جلد میدان میں اتر کر میرے ساتھ جنگ کرو۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور کہا:

> قَاتَلَهُ اللّٰهُ مِن رَجُل مَا اَقَلَّ حَیآءَ هُ اَمَا اِنَّهُ لَیَعْلَمُ اَنِّیْ حَلِیْفُ السَّیْفِ وَخَدِیْنُ الرّمْحِ وَلٰکِنَّهُ آیسٌ مِنَ

❁ تاریخ طبری: جلد۴، صفحہ ۶۴۔

الْحَياةِ اَوْ لَعَلَّهُ يَطْمَعُ طَمعاً كاذِ باً

خدا اسے ہلاک کرے۔ یہ کس قدر بے شرم ہے۔ اسے بخوبی علم ہے کہ میری زندگی تلواروں اور نیزوں کے درمیان گزری ہے۔ شاید اسے مزید زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ شاید وہ اسی لئے مجھے دعوتِ مبارزہ دے رہا ہے یا شاید ایک باطل امید اور غلط فہمی کے ہاتھوں گرفتار ہے۔

عبداللہ صفوں کے درمیان چکر لگاتا، رجز پڑھتا اور امیرالمومنین علیہ السلام کو دعوتِ مبارزہ دے رہا تھا۔ امام میدان میں اترے۔ آپ نے عبداللہ کو حرکت کا موقع دیے بغیر ایک ہی ضربت سے اس کا کام تمام اور اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واصل جہنم کر دیا۔ ❁

ضمیمہ ۴۹

ارشاد القلوب میں مذکور ہے کہ ایک رات امام علیہ السلام مسجد کوفہ سے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ کمیل بھی آپ کے ساتھ تھے۔ راستے ایک گھر کے پاس سے گزرے جس میں ایک شخص حزین آواز سے قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا:

اَمَّنْ هُوَ قانِتٌ آناءَ اللَّيْلِ ساجِداً وَ قائِماً يَحْذَرُ الآخِرَةَ وَيَرجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهِ ؟

کیا وہ شخص جو رات کے لمحات میں سجود و قیام کی حالت میں اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے؟ ✿

تلاوت کی اس آواز سے کمیل بہت متاثر ہوا۔ اسے اس قاری پر بے محابا رشک آنے لگا۔ کمیل کی حالت کو دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

❁ دیکھئے ابن اعثم کوفی کی الفتوح: جلد ۱، صفحہ ۵۰۳۔

✿ سورہ زمر، آیت ۹۔

يَا كُمَيْلُ لَا تُعْجِبْكَ طَنْطَنَةُ الرَّجُلِ اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَسَاُنَبِّئُكَ فِيمَا بَعْدُ

اے کمیل! اس شخص کی دلنشین آواز سے دھوکہ نہ کھانا۔ یہ جہنمی ہے۔ بعد میں تجھے (اس کے بارے میں مزید) بتاؤں گا۔

کمیل کو بہت تعجب ہوا کہ اس قدر اچھا قاری جہنمی کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر نہروان کی جنگ ہوئی اور وہ خوارج جو اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے لشکر امام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ امام علیہ السلام خوارج کی لاشوں کے درمیان سے گزر رہے تھے اور ان میں سے بعض کے قریب پہنچ کر کچھ فرماتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک خارجی کی لاش کے پاس پہنچے تو امام علیہ السلام نے کمیل کو آواز دی اور تلوار کی نوک سے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمیل سے فرمایا:

يَا كُمَيْلُ! اَمَّنْ هُوَقَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِداً وَ قَائِماً...

یعنی یہ وہی شخص ہے جو اُس رات نہایت حزیں آواز میں اَمَّنْ هُوَقَانِتٌ والی آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ ❁

تنبیہ الغافلین نامی کتاب میں مذکور ہے: کمیل نے اس شخص کی تلاوت سنی تو ایک آہ بھری اور امام سے عرض کرنے لگے:

کاش میں اس شخص کے بدن کا ایک بال ہوتا اور اس کی دلنشین اور حزین آواز میں ہمیشہ قرآن کی تلاوت سنتا رہتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

آہیں نہ بھرو اور یہ تمنا نہ کرو۔

اس کے بعد جب جنگ نہروان ختم ہوئی تو امام علیہ السلام نے کمیل کو بلایا اور ایک خارجی کی لاش دکھاتے ہوئے کمیل سے پوچھا:

❁ دیکھئے ارشاد القلوب: جلد۲، صفحہ ۲۲۶۔

کیا اب بھی تیری وہ آرزو باقی ہے؟

کمیل نے عرض کی:

اَستَغفِرُ اللّٰہَ مِنْ کُلِّ خَطَاءٍ یَجْرِیْ عَلَی اللِّسَان

میں زبان کی تمام لغزشوں پر اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ ❁

ضمیمہ نمبر ۵۰

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں: امیر المومنین کے سر مبارک پر ابن ملجم کی ضربت لگ چکی تو اس کے بعد آپ صاحب فراش ہو گئے۔ اس وقت ہم اپنے بعض ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ امام کے گھر کے دروازے پر جمع تھے۔ ہم سب رو رہے تھے۔ امام حسن مجتبیٰ گھر سے باہر آئے اور فرمانے لگے:

امیرالمومنین فرمارہے ہیں کہ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

سب لوٹ گئے لیکن میں واپس نہ جا سکا۔ اچانک امام کے دولت کدے سے نالہ وشیون کی آواز آنے لگی۔ میں بھی بے تاب ہو گیا اور بلند آواز سے رونے لگا۔ امام حسن باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے:

کیا میں نے نہیں کہا تھا: اپنے گھر چلے جاؤ؟

میں نے آپ سے عرض کی:

اللہ کی قسم میں جانے کی سکت نہیں رکھتا۔ میرے پاؤں ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔

میں نے شدید گریہ کرتے ہوئے آپ سے درخواست کی کہ مجھے ایک بار پھر اپنے مولا کی زیارت کی اجازت دی جائے۔ امام حسن گھر کے اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد مجھے داخل ہونے کی اجازت عطا کی۔ جب میں امیرالمومنین کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے سر مبارک پر زرد رنگ کا کپڑا باندھا گیا ہے لیکن آپ کے

❁ تنبیہ الغافلین وتذکرۃ العارفین: جلد۲، صفحہ ۶۲۷۔

رخسار کا رنگ اس قدر زرد پڑ چکا تھا کہ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ کپڑے کا رنگ زیادہ زرد ہے یا امام کے چہرے کا رنگ؟ میں بیخود ہو کر امام کے پیروں پر گر گیا۔ میں پیروں کو بوسہ دے رہا تھا اور روتا جا رہا تھا۔ امام نے مجھے تسلی دی اور فرمایا:

لَا تَبْكِ يا اَصْبَغ فَاِ نَّهَا وَاللّٰهِ الْجَنَّةُ

اے اصبغ! گریہ مت کر کیونکہ میں جنت کی طرف جا رہا ہوں۔

میں نے عرض کی:

قربان جاؤں۔ اللہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ آپ جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ میں تو آپ کی جدائی پر رو رہا ہوں۔ نہیں معلوم آپ سے جدائی کا غم کیسے برداشت ہو گا۔

میں نے عرض کی:

جانتا ہوں کہ اب کے بعد آپ کا دیدار میسر نہ ہو گا اور اب ہم آپ کا کوئی فرمان نہیں سن سکیں گے۔ پس آپ مجھے بطور یادگار پیغمبر اکرم کی کوئی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت سے سنی ہو۔

امیر المومنین نے فرمایا:

ایک دن (جن دنوں رسول اکرم مرض الموت میں صاحب فراش تھے) رسول اللہ نے مجھے حکم دیا: اے علی! مسجد جاؤ، میرے منبر پر کھڑے ہو جاؤ، اللہ کی حمد و ثنا بجا لاؤ، مجھ پر صلوات بھیجو اور لوگوں سے کہو:

مجھے رسول اللہ نے بھیجا ہے۔ میں آنحضرت کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ اللہ کی لعنت، اللہ کے مقرب فرشتوں کی لعنت، اللہ کے انبیاء کی لعنت اور رسول اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت

جوڑے، جو اپنے سرپرست اور اپنے مولا کے علاوہ کسی اور
سے نسبت جوڑے، جو اپنے اجیر و کارکن پر ظلم کرے اور
اس کا حق ادا نہ کرے۔

میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور منبر پر چڑھا۔ مجھے منبر پر دیکھ کر لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔ میں نے آنحضرت کا پیغام من وعن انہیں سنا دیا۔ سب خاموش تھے۔ کسی نے کچھ نہ کہا۔ صرف عمر بن خطاب نے مجھ سے کہا:

اے ابو الحسن! آپ نے بات پہنچا دی لیکن وضاحت نہیں کی
اور اپنی باتوں کی تشریح نہیں کی۔ میں نے انہیں صرف اتنا
جواب دیا: میں آپ کی یہ بات رسول اللہ تک پہنچاتا ہوں۔

میں رسول اللہ کی خدمت میں لوٹ آیا۔ میں نے عمر کی بات آپ کو سنائی۔ فرمایا:

مسجد لوٹ جاؤ، منبر کے اوپر چڑھو اور حمد و ثنائے الٰہی بجا
لانے کے بعد لوگوں سے کہو:
اے لوگو! ہم تمہیں جو کچھ سکھاتے ہیں اس کی تفسیر و تاویل
بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ جان لو کہ میں تمہارا باپ
ہوں، جان لو کہ میں تمہارا سرپرست اور مولا ہوں، جان لو کہ
میں تمہارا اجیر اور کارکن ہوں۔

(باالفاظ دیگر میں تمہارا باپ ہوں، پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے باپ سے رشتہ نہ جوڑے۔ میں تمہارا مولا ہوں، پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے مولا سے رشتہ نہ جوڑے۔ میں تمہارا اجیر اور عامل ہوں پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے اجیر اور کارکن پر ظلم و ستم روا رکھے۔)۞

۞ دیکھئے شیخ مفید کی الامالی: مجلس ۴۲، حدیث نمبر ۳، صفحہ ۳۵۱۔

■ مآخذ

۱۔ الاحتجاج: احمد بن علی طبرسی (چھٹی صدی ہجری)، مطبوعہ نشر مرتضیٰ، مشہد ایران، ۱۴۰۳ھ ق۔

۲۔ الاخبار الطوال: دینوری (۲۸۲ھ)، مطبوعہ منشورات شریف رضی، طبع اول، ایران۔

۳۔ الاختصاص: شیخ مفید (۴۱۳ھ)، مطبوعہ جامعہ مدرسین، قم ایران۔

۴۔ الارشاد: شیخ مفید (۴۱۳ھ)، مطبوعہ موسسہ آل البیت، قم۔

۵۔ ارشاد القلوب: ابو محمد حسن دیلمی (۷۷۱ھ)، مطبوعہ شریف رضی، ایران۔

۶۔ اسد الغابۃ: ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع دوم، ۱۴۲۴ھ ق۔

۷۔ اعیان الشیعہ: سید محسن امین، مطبوعہ دار التعارف، بیروت، ۱۴۰۶ھ ق۔

۸۔ امالی: شیخ مفید (۴۱۳ھ)، مطبوعہ جامعہ مدرسین، قم، ایران۔

۹۔ امالی: شیخ صدوق (۳۸۱)، مطبوعہ کتابخانہ اسلامیہ، ایران، طبع ۴، ۱۳۶۲ھ ش۔

۱۰۔ امالی: شیخ طوسی (۴۶۰ھ)، مطبوعہ دار الثقافۃ، قم، ایران، ۱۴۱۴ھ ق۔

۱۱۔ الامامۃ والسیاسۃ: ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ)، مطبوعہ منشورات شریف رضی۔

۱۲۔ انساب الاشراف: بلاذری (۲۷۹ھ)، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع اول، نیز الموسسۃ الاعلمی بیروت۔

۱۳۔ بحارالانوار: علامہ مجلسی (۱۱۱۰ھ) مطبوعہ موسسۃ الوفاء، بیروت، لبنان، ۱۴۰۴ھ ق۔
۱۴۔ تاریخ دمشق: ابن عساکر شافعی (۵۷۱ھ) مطبوعۂ موسسۃ المحمودی، بیروت، طبع دوم، ۱۳۹۸ھ ق نیز دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ ق۔
۱۵۔ تاریخ طبری: محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ)، مطبوعۂ موسسۃ الاعلمی، بیروت، لبنان۔
۱۶۔ تاریخ المدینۃ: عمر ابن شبہ النمیر ی (۲۶۲ھ)، مطبوعۂ دارالفکر، قم، ایران۔
۱۷۔ تاریخ یعقوبی: احمد بن جعفر یعقوبی (۲۸۴ھ)، مطبوعہ منشورات شریف رضی۔
۱۸۔ تذکرۃ الخواص: ابن جوزی (۶۵۴ھ) مطبوعہ مکتبۃ نینوی الحدیثۃ، تہران۔
۱۹۔ تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ ق۔
۲۰۔ تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (۶۰۶ھ)
۲۱۔ تفسیر فرات کوفی: مطبوعۂ وزارت ارشاد اسلامی، تہران، طبع اول، ۱۴۱۰ھ ق۔
۲۲۔ تفسیر قمی: علی ابن ابراہیم قمی (۳۰۷ھ) مطبوعۂ دارالکتاب، طبع سوم، ۱۴۰۴ھ ق۔
۲۳۔ تفسیر نہج البلاغہ: علامہ محمد تقی جعفری، مطبوعۂ دفتر نشر فرہنگ اسلامی، طبع پنجم، ۱۳۷۵ھ ش۔
۲۴۔ تنبیہ الغافلین و تذکرۃ العارفین: ملا فتح اللہ کاشانی (دسویں صدی ہجری)، مطبوعہ انتشارات پیام حق، تہران، طبع اول، ۱۳۷۸ھ ش۔
۲۵۔ التوحید: شیخ صدوق (۳۸۱ھ)، مطبوعۂ جماعۃ المدرسین، قم، طبع ۴۔
۲۶۔ الجمل: شیخ مفید (۴۱۳ھ)، مطبوعۂ مکتب الاعلام الاسلامی، طبع دوم، ۱۴۱۶ھ ق۔
۲۷۔ حیاۃ امیرالمومنین ؑ عن لسانہ: محمد محمدیان، مطبوعۂ جماعۃ المدرسین، طبع اول، قم، ایران۔
۲۸۔ خصائص الائمۃ: سید رضی (۴۰۶) مطبوعۂ بنیاد پژوہشہای آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۴۰۶ھ ق۔
۲۹۔ الخصال: شیخ صدوق: (۳۸۱ھ) مطبوعۂ جامعۂ مدرسین قم، طبع چہارم۔
۳۰۔ دعائم الاسلام: قاضی ابو حنیفہ النعمان، (۳۶۳ھ) مطبوعۂ دارالمعارف مصر، طبع دوم، ۱۳۵۸ھ ق۔

۳۱۔ رجال کشی: شیخ طوسی (۴۶۰ھ) مطبوعۂ مشهد یونیورسٹی، ۱۳۴۸ھ ش۔
۳۲۔ سلیم ابن قیس: تحقیق: انصاری زنجانی، مطبوعۂ نشر الهادی، قم، طبع دوم، ۱۴۱۶ھ ق۔
۳۳۔ السیرة الحلبیة: حلبی شافعی (۱۰۴۴ھ)، مطبوعۂ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔
۳۴۔ سیری در سیرۂ ائمۂ اطهار: شهید مرتضیٰ مطهری۔
۳۵۔ سیمای کارگزاران علی ابن ابی طالب: علی اکبر ذاکری، مطبوعۂ دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ایران، طبع سوم، ۱۳۷۵ھ ش۔
۳۶۔ شرح نهج البلاغة: ابن ابی الحدید معتزلی (۶۵۵ھ)، مطبوعۂ دار الجیل، بیروت، طبع اول، ۱۳۹۳ھ ق۔
۳۷۔ شرح نهج البلاغة (ابن میثم): میثم بن علی بن میثم بحرانی (قرنِ ہفتم) مطبوعۂ دفتر نشر الکتاب، طبع ۲، ۱۳۶۲ھ ش۔
۳۸۔ شواهد التنزیل: حاکم حسکانی حنفی، (قرنِ پنجم)، مطبوعۂ وزارت ارشاد اسلامی، تہران، ایران، ۱۴۱۱ھ ق۔
۳۹۔ الطبقات الکبریٰ: محمد ابن سعد واقدی (۲۳۰ھ)، مطبوعۂ دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۰ھ ق۔
۴۰۔ علل الشرائع: شیخ صدوق (۳۸۱ھ) مطبوعۂ انتشارات داوری، قم، ایران۔
۴۱۔ الغارات: الثقفی (۲۸۳ھ)، مطبوعۂ دار الکتاب الاسلامی، طبع اول، ۱۴۱۰ھ ق۔
۴۲۔ الغدیر: علامہ امینی، (۱۳۹۰ھ) مطبوعۂ دار الکتاب العربی، بیروت، طبع ۴، ۱۳۹۷ھ ق۔
۴۳۔ فتح الباری: ابن حجر عسقلانی، (۸۵۲ھ)، مطبوعۂ دار المعرفة، بیروت، لبنان، طبع سوم۔
۴۴۔ الفتوح: ابن اعثم کوفی (۳۱۴ھ)، مطبوعۂ دار الفکر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۲ھ ق۔
۴۵۔ فرحة الغری: سید عبد الکریم بن طاؤس (۶۹۳ھ)، مطبوعۂ انتشارات رضی، قم، ایران۔
۴۶۔ کافی: شیخ کلینی (۳۲۹ھ)، مطبوعۂ دار الکتب الاسلامیہ، تہران، طبع ۳، ۱۳۸۸ھ ق۔
۴۷۔ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر (۶۳۰ھ)، مطبوعۂ دار صادر، بیروت، طبع اول، ۱۳۹۹ھ ق۔

۴۸۔ کنزالعمال: متقی ہندی (۹۷۵ھ) مطبوعۂ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع ۵، ۱۴۰۵ھ ق۔
۴۹۔ مثنوی معنوی: مولانا روم، نسخہ نکلسن، مطبوعۂ انتشارات مولی، تہران۔
۵۰۔ مجمع الزوائد: علی ابن ابی بکر ہیثمی (۸۰۷ھ)، مطبوعۂ دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ ق۔
۵۱۔ مجموعہ ورام: ورام ابن ابی فراس (۶۰۵ھ) مطبوعۂ انتشارات مکتبۃ الفقیہ، قم، ایران۔
۵۲۔ مروج الذہب: مسعودی (۳۴۶ھ) مطبوعۂ دارالکتب العلمیۃ، طبع اول، بیروت۔
۵۳۔ المسترشد: محمد ابن جریر طبری (قرن ۴) مطبوعۂ المکتبۃ الحیدریۃ، نجف۔
۵۴۔ مسند احمد: احمد ابن حنبل (۲۴۱ھ) مطبوعۂ دارالحدیث، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۱۶ھ ق۔
۵۵۔ معانی الاخبار: شیخ صدوق (۳۸۱ھ)، مطبوعۂ جماعۃ المدرسین، قم، ایران۔
۵۶۔ مقتل خوارزمی: موفق ابن احمد مکی خوارزمی (۵۶۸ھ)، مطبوعۂ انتشارات انوار الہدیٰ، قم، ایران، طبع دوم، ۱۴۲۳ھ ق۔
۵۷۔ المناقب: ابن مغازلی شافعی (۴۸۳ھ)، مطبوعۂ المکتبۃ الاسلامیۃ، تہران۔
۵۸۔ مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب (۵۸۸ھ)، مطبوعۂ موسسۂ انتشارات علامہ، قم، ایران، ۱۳۷۹ھ ق۔
۵۹۔ المناقب المرتضویۃ: کشفی حنفی۔
۶۰۔ منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ: میرزا حبیب اللہ ہاشمی خوئی، مطبوعۂ المکتبۃ الاسلامیۃ، طبع ۴، ۱۳۵۸ھ ش۔
۶۱۔ نہج البلاغہ: (صبحی صالح) سید رضی (۴۰۶ھ)، مطبوعۂ دارالہجرۃ قم، ایران۔
۶۲۔ وقعۃ صفین: نصر ابن مزاحم (۲۱۲ھ)، مطبوعۂ کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم، ایران۔

☆☆☆☆☆

■ حوالہ جات

۱۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۲۔ نمازِ جمعہ (۱۹ رمضان، ۱۴۱۶ ھ ق، بمطابق ۲۰۔۱۱۔۱۳۷۴ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۴۔ عیدِ ولادت امیرالمومنین علیہ السلام (۲۹۔۱۰۔۱۳۷۰ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۵۔ ۱۹ رمضان (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۔ تہران کے عظیم مصلیٰ (نماز کے میدان) میں جوانوں سے ملاقات (۱۔۲۔۱۳۷۹ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۔ ۱۹ رمضان المبارک (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۸۔ نمازِ جمعہ (۱۶۔۱۔۱۳۷۰ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۹۔ نمازِ جمعہ (۱۶۔۱۔۱۳۷۰ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۰۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۱۔ ۱۹ رمضان المبارک (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کے موقعے پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۲۔ عیدِ ولادت امیرالمومنین علیہ السلام (۱۰۔۱۱۔۱۳۶۹ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۳۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۴۔ ۱۹ رمضان المبارک (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۵۔ عیدِ ولادت امیرالمومنین علیہ السلام (۵۔۹۔۱۳۷۵ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۶۔ نمازِ جمعہ (۱۶۔۱۔۱۳۷۰ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۷۔ علوی سکول کے طالب علموں سے ملاقات (۲۰۔۱۱۔۱۳۶۰ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم

کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۸۔ سالِ امام علی کمیٹی کے اراکین سے ملاقات (۱۸۔ ۸۔ ۱۳۷۹ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۱۹۔ عید میلاد امیر المومنینؑ (۲۹۔۱۰۔۱۳۷۰ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۰۔ حج بیت اللہ کے منتظمین سے ملاقات (۱۳۔ ۱۲۔ ۱۳۷۶ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۱۔ ''سالِ امام علیؑ'' کمیٹی کے اراکین سے ملاقات (۱۸۔۸۔۱۳۷۹ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۲۔ محاذ جنگ پر بھیجے جانے والے مجاہدین کے اجتماع (۳۰۔۳۔۱۳۶۳ھ ش) میں رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۳۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۲۴۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۲۵۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۲۶۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۲۷۔ ۱۹ رمضان (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۸۔ عیدِ میلاد امیر المومنینؑ (۵۔۹۔۱۳۷۵ھ ش)

کے بیانات سے ماخوذ۔

۲۹۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۰۔ ۱۹ رمضان (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۳۱۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۲۔ ۱۹ رمضان (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۳۳۔ رہبر معظم کے بیانات (۲۰ رمضان، ۷۔ ۸۔ ۱۳۶۸ھ ش) سے ماخوذ۔

۳۴۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۵۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۶۔ ۲۱ رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۳۷۔ ۲۱ رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۳۸۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۳۹۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۴۰۔ نمازِ جمعہ (۱۰۔۴۔۱۳۶۲ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۴۱۔ ۲۱ رمضان (۳۰۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۲۔ ۲۱رمضان (۳۰۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۳۔ ۲۰رمضان (۷۔۸۔۱۳۶۸ھ ش) کو رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۴۔ ۲۱رمضان (۳۰۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۵۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۴۶۔ ۲۱رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۷۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۴۸۔ ۲۱رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۴۹۔ نمازِ جمعہ (۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۵۰۔ نمازِ جمعہ (۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۵۱۔ نمازِ جمعہ (۲۱ رمضان ۱۴۲۲ھ ق بمطابق ۱۶۔۹۔۱۳۸۰ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۵۲۔ صوبہ اراک کے عہدیداروں سے ملاقات (۲۷۔۸۔۱۳۷۹ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۵۳۔ نمازِ جمعہ (۲۴۔۱۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۵۴۔ ۲۱رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۵۵۔ ۲۱رمضان (۳۰۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۵۶۔ سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے عہدیداروں اور کمانڈروں کے درمیان رہبر کے خطاب سے ماخوذ۔ (۲۷۔۶۔۱۳۷۰ھ ش)

۵۷۔ شہرِ قم کے عوام سے ملاقات کے دوران رہبر کے بیانات سے ماخوذ (۱۸۔۱۰۔۱۳۶۷ھ ش)

۵۸۔ سپاہ پاسداران انقلاب کے عہدیداروں اور کمانڈروں کے درمیان رہبر کے خطاب سے ماخوذ۔ (۲۷۔۶۔۱۳۷۰ھ ش)

۵۹۔ ۲۹رمضان (۲۶۔۱۔۱۳۷۰ھ ش) کو رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۰۔ ۲۰رمضان (۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۱۔ عید غدیر (۱۲۔۱۲۔۱۳۸۰ھ ش) کی مناسبت سے رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۲۔ سپاہ کے کمانڈروں سے ملاقات کے دوران رہبر کے خطاب سے ماخوذ۔ (۱۳۷۵ھ ش)

۶۳۔ فوج کیپانچویں ڈویژن (نصر خراسان) کے اجتماع سے خطاب (۲۷۔۵۔۱۳۶۷ھ ش) سے ماخوذ۔

۶۴۔ ۲۱رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۵۔ ۲۱رمضان (۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۶۔ ۲۰رمضان (۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۷۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۸۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۶۹۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۰۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۷۱۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۲۔ ایوان صدر میں رمضان المبارک کے آخری دن کی مناسبت سے رہبر کا خطاب۔ (۲۶۔ ۲۔۱۳۶۷ھ ش)

۷۳۔ میلاد امیرالمومنین علیہ السلام (۳۰۔۶۔۱۳۸۱ھ ش) کے موقع پر رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۴۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۵۔ ۲۱رمضان(۹۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کی شب رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۶۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۷۷۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۸۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۷۹۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۸۰۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۸۱۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۸۲۔ ۲۰رمضان (۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۸۳۔ نمازِ جمعہ (۲۶۔۹۔۱۳۷۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۸۴۔ ۲۰رمضان (۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۸۵۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۸۶۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۸۷۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۸۸۔ صوبہ لرستان کے علماء سے خطاب۔ (۳۰۔۵۔۱۳۷۰ھ ش) کی جھلکیاں۔

۸۹۔ ۲۰ رمضان (۷۔۸۔۱۳۶۸ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۹۰۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۹۱۔ نمازِ جمعہ(۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۹۲۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۹۳۔ ۲۰رمضان(۱۷۔۲۔۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔

۹۴۔شہدائے ۷ تیر کے گھرانوں سے ملاقات (۱۲۔۴۔۱۳۶۲ھ ش) کے موقع پر رہبر کے بیانات سے ماخوذ۔
۹۵۔ نمازِ جمعہ (۱۔۴۔۱۳۶۳ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۹۶۔ ۲۰ رمضان (۱۷۔۲۔ ۱۳۶۷ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔
۹۷۔ شہید مطہری کی شہادت کی برسی (۱۱۔ ۲۔ ۱۳۶۸ھ ش) کے موقع پر رہبر کے بیانات سے اقتباس۔
۹۸۔ شہید مطہری کی شہادت کی برسی (۱۱۔ ۲۔ ۱۳۶۸ھ ش) کے موقع پر رہبر کے بیانات سے اقتباس۔
۹۹۔ لوگوں کے مختلف طبقات سے ملاقات (۲۶۔ ۱۔ ۱۳۷۰ھ ش) کے دوران کی گئی تقریر سے ماخوذ۔
۱۰۰۔ لوگوں کے مختلف طبقات سے ملاقات (۲۶۔ ۱۔ ۱۳۷۰ھ ش) کے دوران کی گئی تقریر سے ماخوذ۔
۱۰۱۔ نمازِ جمعہ (۲۔ ۳۔ ۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۲۔ نمازِ جمعہ (۲۔ ۳۔ ۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۳۔ نمازِ جمعہ (۲۶۔ ۱۔ ۱۳۷۹ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۴۔ نمازِ جمعہ (۲۔ ۳۔ ۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۵۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۶۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۷۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۸۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۰۹۔ لوگوں کے مختلف طبقات سے ملاقات (۲۶۔۱۔۱۳۷۰ھ ش) کے دوران کی گئی تقریر سے ماخوذ۔
۱۱۰۔ ایوان صدر میں منعقدہ درسِ تفسیر (۳۰۔ ۴۔ ۱۳۶۲ھ ش) سے اقتباس۔
۱۱۱۔ ۳ خرداد، (۳۔۳۔۱۳۷۸ھ ش) کو مجاہدین کے ساتھ ملاقات کے دوران رہبر معظم کی تقریر سے ماخوذ۔
۱۱۲۔ ۱۸ رمضان (۱۰۔۱۲۔۱۳۷۲ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔
۱۱۳۔ ۱۹ رمضان (۲۸۔۲۔۱۳۶۶ھ ش) کے دن رہبر معظم کے بیانات سے ماخوذ۔
۱۱۴۔ نمازِ جمعہ (۱۳۔۱۲۔۱۳۷۲ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۱۵۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۱۶۔ نمازِ جمعہ (۱۰۔۵۔۱۳۵۹ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔
۱۱۷۔ نمازِ جمعہ (۲۵۔۹۔۱۳۷۹ھ ش) کے خطبات

سے اقتباس۔

۱۱۸۔ نمازِ جمعہ (۲۔۳۔۱۳۶۵ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۱۹۔ نمازِ جمعہ (۲۱ رمضان ۱۴۱۴ھ ق بمطابق ۱۳۔۱۲۔۱۳۷۲ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۲۰۔ نمازِ جمعہ (۱۳۔۱۲۔۱۳۷۲ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۲۱۔ نمازِ جمعہ (۸۔۲۔۱۳۶۸ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

۱۲۲۔ نمازِ جمعہ (۱۳۔۱۲۔۱۳۷۲ھ ش) کے خطبات سے اقتباس۔

☆☆☆☆☆

■ فہرست

■ تیسری فصل:

■ چوتھی فصل:

■ پانچویں فصل:

■ چھٹی فصل:

■ ساتویں فصل:

■ آٹھویں فصل:

■ نویں فصل :

■ دسویں فصل :

■ گیارھویں فصل :

■ بارہویں فصل :

■ تیرھویں فصل:

■ چودھویں فصل:

■ پندرھویں فصل :

■ مترجم کے دیگر تراجم

۱۔معالم المدرستین جلد۱ (عربی)
(اسلام کے دو مکاتب کا تقابلی جائزہ)
علامہ مرتضیٰ عسکری۔ البلاغ المبین اسلام آباد پاکستان۔

۲۔معالم المدرستین جلد۲ (عربی)
(اسلام کے دو مکاتب کا تقابلی جائزہ)
علامہ مرتضیٰ عسکری۔ البلاغ المبین اسلام آباد پاکستان۔

۳۔سیری در نہج البلاغہ (فارسی)
(اسرار نہج البلاغہ)
شہید مطہری۔ دار الثقافہ، کراچی، پاکستان

۴۔الائمۃ الاثنا عشر (عربی)
(ائمہ معصومین کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ)
عادل ادیب۔ البلاغ المبین اسلام آباد

۵۔الصحیح من سیرۃ النبی جلد۳ (عربی)
جعفر مرتضیٰ عاملی۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۶۔اخلاق عملی (فارسی)
آیت اللہ مہدوی کنی۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۷۔روشہا (فارسی)
جواد محدثی۔ معارف اسلام، قم، ایران

۸۔آنچہ والدین باید بدانند (فارسی)
رضا فرہادیان۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۹۔آفتاب ولایت (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ، قم ایران۔

۱۰۔آذرخش کربلا (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ، قم ایران۔

۱۱۔معارف قرآن (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ، ایران۔

۱۲۔شرح حدیث جنود عقل و جہل (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام خمینی، ایران۔

۱۳۔امامت و انسان کامل (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام خمینی، ایران۔

۱۴۔تفسیر و شواہد قرآنی (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام، ایران۔

۱۵۔رسالۃ الحقوق امام سجاد (عربی)
البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان۔

۱۶۔الزواج الموقت (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان۔

۱۷۔المسح علی الارجل (عربی) مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان	۱۸۔البکاء علی المیت (عربی) مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان
۱۹۔الصلاۃ فی السفر (عربی) مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان	۲۰۔الاحتفال بذکریٰ... (عربی) مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان
۲۱۔حج چیست؟ (فارسی) دکتر افروز۔ دانشگاہ تہران، ایران۔	۲۲۔آنچہ مربیان باید بدانند (فارسی) فرہادیان، معارف اسلام، قم ایران۔
۲۳۔آئین انقلاب اسلامی (فارسی) امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام، قم ایران۔	۲۴۔سیرتنا (ایک حصہ) (فارسی) علامہ امینی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد، پاکستان۔
۲۵۔نقش نگار (فارسی) آیۃ اللہ خامنہ ای۔ جامعۃ النجف سکردو پاکستان۔	۲۶۔تہاجم فرہنگی (فارسی) آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ، قم ایران۔
۲۷۔جاودانہ تاریخ (فارسی) آیۃ اللہ خامنہ ای۔ جامعۃ النجف سکردو	۲۸۔لقاء اللہ (فارسی) علامہ مصطفوی
۲۹۔تفسیر روشن جلد۱۵ (فارسی)	۳۰۔تفسیر روشن جلد۱۶ (فارسی)
۳۱۔تہذیب نفس و سیر و سلوک۔ امام خمینیؒ	۳۲۔مسئلہ حجاب۔ شہید مطہری

■ جامعۃ النجف کی دیگر مطبوعات

● مہدی موعود

یہ کتاب امام عصر علیہ السلام کے بارے میں بارہ سو سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس کے مولف جامعہ کے استاد اور معروف دانشور حجۃ الاسلام شیخ سجاد حسین مفتی ہیں۔ یہ کتاب اپنی افادیت کے باعث اب تک کئی بار چھپ چکی ہے۔ کتاب کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کا قیمتی نسخہ ہے نیز کوئز پروگراموں اور علمی مقابلوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔

● امام علی

یہ کتابچہ امام اول علی علیہ السلام کے بارے میں چار سو سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جسے نوجوان نسل کے درمیان کوئز مقابلوں کے لیے خصوصی طور پر ترتیب دیا گیا ہے۔

◄ آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای 17 جولائی 1939 کو مشہد مقدس ایران میں پیدا ہوئے۔

◄ آپ نے صرف ساڑھے پانچ سال کی مدت میں مقدمات اور سطحیات کی تعلیم مکمل کی۔

◄ اٹھارہ سال کی عمر میں فقہ واصول کے درس خارج میں شرکت کا سلسلہ شروع کیا۔

◄ 1957 میں نجف اشرف میں آیۃ اللہ محسن حکیمؒ جیسے مراجع کے درس خارج سے استفادہ شروع کیا۔

◄ 1958 سے 1964 تک قم میں امام خمینیؒ اور علامہ طباطبائیؒ جیسی شخصیات سے کسب فیض کرتے رہے۔

◄ امام خمینیؒ کی انقلابی تحریک میں سرگرم کردار ادا کرنے کے جرم میں چھ بار گرفتار اور پابند سلاسل ہوئے۔

◄ انقلاب کی کامیابی سے پہلے امام خمینیؒ کی طرف سے ''شورائے انقلاب اسلامی'' کے ممبر مقرر ہوئے۔

◄ 1980 میں وزارتِ دفاع میں کلیدی عہدے پر فائز ہوئے۔

◄ 1980 میں ''سپاہ پاسداران'' کے سرپرست مقرر ہوئے۔

◄ 1980 میں تہران کے امام جمعہ منصوب ہوئے۔

◄ 1981 میں ''اعلیٰ دفاعی کونسل'' میں امام خمینیؒ کی طرف سے نمائندہ مقرر ہوئے۔

◄ 1982 میں منافقین کی طرف سے ہونے والے ناکام قاتلانہ حملے میں زخمی ہوئے۔

◄ 1982 میں ایران کے صدر منتخب ہوئے۔

◄ 1982 میں انقلاب کی ثقافتی کونسل کے سربراہ منتخب ہوئے۔

◄ 1988 میں ''مجمع تشخیص مصلحت'' کے سربراہ بنے۔

◄ 1989 میں ''آئینی ترمیمی کمیٹی'' کے سربراہ معین ہوئے۔

◄ 1989 میں امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد ''مجلس خبرگان'' نے آپ کو امت کی رہبری کے لئے بطور ''ولی فقیہ'' منتخب کیا۔

Jamia tun Najaf
Publication Department
Skardu, Baltistan, Pakistan

Phone: +92-581-545-3387
E-mail: jnajafskd@yahoo.com

ISBN: 978-969-9450-006